فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لاَ تُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ

مدیر کے قلم سے

وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا!!

والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت

یہ کس کی فوج ہے؟(۲)

فأعتبروا يا أولي الأبصار

مومن تو ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، لیکن ہم......!

إن الحكم إلا لله

جمہوریت؛ ایک مستقل دین

الولاء والبراء

وطنیت کا 'گلوبل بت'

والله أعلم بأعدائكم

اہلِ سنت کے سینے پر رافضی ریاست کا خواب

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا

خراسان کے جہاد میں اللہ کی نشانیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حطین (۸)

عالمی جہاد کا داعی

شمارہ ۸، شعبان ۱۴۳۳ھ

حطین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی تھی۔ یہی جنگ اہلِ کتاب سے مسجدِ اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج امتِ مسلمہ پھر اسی مرحلے سے دوچار ہے۔ آج پھر اہلِ اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ کل کی صلیبی جنگ میں صرف قبلہء اول مسجدِ اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سرزمین بھی یہود و نصاریٰ کے نرغے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ بھی اسی طرح ممکن ہو گا جس طرح ماضی کی صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا گیا تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت و قربانیوں کے ساتھ...... کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے، جبکہ آج اسلام بجائے خود ہدف ہے۔ بس یہی 'حطین' کا پیغام ہے!

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen1@gmail.com

فہرستِ مضامین

----------فہرست----------

فاسئلوا أهل الذكر

اعرف عدوك

القانتين والقانتات

فكو العاني

شذرات من الذهب

نصر من الله و فتح قريب

قد أفلح من تزكّى

........وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا!!

معمول کی، غیر معمولی ملاقات

یہ سن ۱۹۸۴ء کے موسمِ گرما کا واقعہ ہے۔ایک متمول سعودی خاندان سے تعلق رکھنے والا نوجوان، شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی غرض سے اردن آیا۔ شیخ عزامؒ چند دن قبل ہی افغانستان کے جہادی محاذوں سے اردن پہنچے تھے اور عرب نوجوانوں کو جہادِ افغانستان میں شرکت کی دعوت دینے اور مجاہدین کے لیے اموال اکٹھا کرنے کی مہم میں مصروف تھے۔ متانت و وقار کے پیکر اس یمنی الاصل سعودی نوجوان نے کم و بیش چار گھنٹے شیخ عزامؒ سے افغان جہاد سے متعلق مختلف سوالات پوچھے اور شیخ نے بھی اپنی روایتی پدرانہ شفقت اور پر اثر اسلوبِ بیان سے اس پاکیزہ قلب و ذہن کی ایک ایک خلش دور کی۔ امت کے غم میں جینے مرنے والے ایک دل کا درد دوسرے دل میں بھی منتقل ہو گیا۔ کون جانتا تھا کہ محض چار گھنٹوں پر محیط دو افراد کی یہ ملاقات امتِ مسلمہ کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہو گی اور یہ چھوٹی سی دعوتی نشست کفر کے عالمی نظام کی بنیادیں ڈھانے کا نقطہ ء آغاز بن جائے گی۔

نوجوان اسامہ بن لادنؒ نے وہیں بیٹھے بیٹھے دنیا کی حقیر لذتوں کو لات مارنے اور میدانِ جہاد کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سال ختم ہونے سے پہلے پہلے اپنے کام سمیٹ کر افغانستان پہنچ گئے۔ روسی جارحیت کے سامنے چٹان کی سی مضبوطی سے کھڑی افغان قوم کی غربت، بے سروسامانی اور دربدری دیکھ کر آپ بہت غمگین ہوئے اور مجاہدین کی طرف امت کی بے رخی نے اس غم کو دوچند کر دیا۔ آپؒ افغان جہاد کے آغاز پر اپنی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں نے بذاتِ خود اس بات کا مشاہدہ کیا کہ افغان مجاہدین کے پاس افرادی قوت اور مادی وسائل دونوں ہی کی شدید قلت ہے اور انہیں جنگ کے لیے درکار بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں۔ یہ احساس مجھے شدت سے دامنگیر ہوا کہ ہم اپنے مظلوم افغانی بھائیوں کا حق نہیں ادا کر پائے اور ہم سے ان کا ساتھ دینے میں بہت کوتاہی ہوئی ہے۔ میں جان گیا کہ اس جرم کی تلافی کی بہترین صورت یہی ہے کہ انسان ان کے ساتھ مل کر جہاد کرے اور لڑتا لڑتا شہید ہو جائے......شاید کہ اس طرح فرضِ عین پر لبیک کہنے میں تاخیر کا گناہ دھل سکے''۔

یہ تھا وہ سچا جذبہ جسے دل میں بسائے شیخ اسامہ بن محمد بن عوض بن لادن رحمۃ اللہ علیہ پہلی بار میدانِ جہاد میں اترے تھے۔ آپ کو نہ شہرت مطلوب تھی، نہ دنیا کا مال و متاع...... آپ تو بس اپنا فرض ادا کرنے اور اپنی جان کا سودا کرنے نکلے تھے، نحسبہ کذلک واللہ حسیبہ۔ لیکن اللہ رب العزت کو یہی منظور تھا کہ شہادت کا یہ رتبہ آپ کو روس کی بجائے امریکہ کے ہاتھوں ملے، افغانستان کی بجائے پاکستان میں ملے اور سن ۸۴ء میں نہیں بلکہ اس کے ٹھیک ۲۷ سال بعد ۲۰۱۱ء کے موسمِ گرما میں ملے...... اور ایسے حال میں ملے کہ آپ ایک نام نہاد 'سپر پاور' کو گرانے میں شریک ہونے کے بعد دوسری کی بربادی کی بنا بھی ڈال چکے ہوں۔ اللہ آپ کی شہادت قبول فرمائے اور آپ کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے، آمین!

'ماسدۃ الانصار'

میدانِ جہاد میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد، ۱۹۸۶ء میں شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا بھر سے ہجرت کر کے آنے والے عرب نوجوانوں کی جامع جہادی تربیت کے لیے 'جاجی' کے علاقے میں 'ماسدۃ الانصار' کے نام سے ایک معسکر کھولنے کا فیصلہ کیا۔ آنے والے ماہ و سال میں یہ معسکر عالمِ عرب کے نوجوانوں میں جہادی روح بیدار کرنے اور ایک ایسی نئی نسل پروان چڑھانے کا ذریعہ بن گیا جس نے 'حب الدنیا و کراھیۃ الموت' کے مہلک شکنجے اور وطنی حدبندیوں کے دجالی سانچے سے آزادی پا کر امتِ مسلمہ کی شوکتِ رفتہ بحال کرنے اور دینِ اسلام کو ہر دوسرے دین پر غالب کرنے کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیا۔

مجاہدین کے ہاتھوں سوویت اتحاد کی عبرتناک شکست

محض چند سال بعد، سن ۸۹ء میں پوری دنیا نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ وہ سوویت اتحاد جس کا سامنا کرنے سے نیٹو بھی کانپتا تھا اور امریکہ بھی جس کے خلاف اپنی 'سرد جنگ' کو 'گرم جنگ' میں تبدیل کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا، اللہ رب العزت نے اسی روسی ریچھ کو اپنے بے سروساماں مجاہد بندوں کے ہاتھوں ذلت وہزیمت سے دوچار کیا...... اور ہزیمت بھی ایسی کہ اس کے بعد سوویت اتحاد خود اپنا وجود بھی باقی نہ رکھ سکا اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلم علاقوں سمیت اس کے زیرِ قبضہ بیشتر علاقے آزاد ہو گئے۔

مجاہدین پر روسی شکست کے اثرات

اس محیر العقول فتح نے قافلہء جہاد میں شریک جانباز نوجوانوں اور بالخصوص شیخ اسامہ بن لادنؒ پر کیا ان مٹ نقوش چھوڑے، آیئے شیخؒ ہی کی زبانی سنتے ہیں:

> ''سوویت اتحاد کی شکست مجاہدین کے لیے ایک اچھوتا تجربہ ثابت ہوئی۔ اس تاریخ ساز واقعے نے ہمارے سامنے سوچنے کے نئے زاویے کھولے، ہمارے ذہنی افق کو وسعت بخشی اور ہمارا یہ یقین مزید راسخ کر دیا کہ بظاہر بہت قوی نظر آنے والی یہ وسیع و عریض کافر سلطنتیں حقیقت میں نہایت بودی اور بے اصل ہیں۔ اور اگر ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے،

اسی کے سہارے کو ساتھ لیے، شرعی احکامات کے مطابق ان عالمی طاقتوں کے خلاف جہاد کریں تو ان شاء اللہ انہیں نہایت سہولت سے جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں گے؛اور سرسری نگاہ میں ناممکن نظر آنے والا یہ کام بھی آرام سے ممکن ہو جائے گا۔ سوویت اتحاد کی شکست نے ہمیں امتِ مسلمہ کی مجموعی صورتِ حال پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرنے کا موقع دیا اور ہم سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے لگے کہ کیسے اپنی محبوب امت کو ظلم و جبر کے شکنجے سے نجات دلائی جائے۔ پس روس کے خلاف جہاد کے تجربے نے ہمارے لیے پورے عالمِ اسلام میں تبدیلی لانے کی کنجی کا کام دیا"۔

'القاعدہ' کا ظہور

روس کی پسپائی سے کچھ عرصہ قبل ہی شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد مجتمع ساتھی 'القاعدہ' کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس نام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے الجزیرہ ٹی وی چینل کے نمائندے تیسیر علونی کو بتایا:

"ہمارے محترم ساتھی شیخ ابو عبیدہ پنجشیری رحمۃ اللہ علیہ نے افغانستان میں ایک معسکر بنایا تھا تاکہ نوجوانانِ امت کو ملحد وسفاک سوویت اتحاد کے خلاف لڑنے کی تربیت دی جا سکے۔ اس معسکر کو ہم 'القاعدہ' (یعنی 'مرکز') کے نام سے پکارتے تھے...... گویا ہم اسے اپنا بنیادی تربیتی مرکز سمجھتے تھے۔ پھر یہ نام آہستہ آہستہ معروف ہوتا چلا گیا۔ لیکن یہ تو محض جہادی اعمال کو ترتیب دینے کی غرض سے رکھا گیا ایک نام ہے۔ القاعدہ امتِ مسلمہ سے علیحدہ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ ہم اس امت کا جزوِ لاینفک ہیں اور اسی امت کے فرزند و محافظ ہیں"۔

جزیرۂ عرب میں امریکی صلیبی افواج کا داخلہ

روس کی شکست کے بعد شیخ اسامہؒ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی آئندہ ترجیحات طے کرنے کے لیے غور و فکر شروع کیا۔ ظلم کی چکی میں پستی امتِ مسلمہ کو کفار اور ان کے آلہء کار حکمرانوں کی غلامی سے نکالنے کی حکمتِ عملی پر سوچ بچار و مشاورت ابھی جاری ہی تھی کہ عالمِ کفر نے اپنی اگلی

چال چل دی۔ ایک طرف تو ۹۱-۱۹۹۰ء میں صلیبی صہیونی اتحاد نے امریکی فوج کی قیادت میں عراق پر حملہ کر دیا، تو دوسری طرف محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے سعودیہ کے خائن شاہی خاندان نے امریکی افواج کو جزیرۂ عرب میں گھسنے اور فوجی اڈے تعمیر کرنے کی اجازت دے ڈالی۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے سعودی حکمرانوں کے اس فیصلے کی شدید مخالفت کی۔ سعودی حکومت جلد ہی بھانپ گئی کہ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کو محض کوئی عارضی مصروفیت سمجھ کر ادا نہیں کیا، بلکہ اسے ایک مستقل راستے اور طریقِ زندگی کے طور پر اپنا لیا ہے۔ چنانچہ سعودی حکومت کی طرف سے آپ کی نقل و حرکت پر پابندیاں بڑھنے لگیں۔ بڑھتے ہوئے حکومتی دباؤ کو دیکھ کر شیخ اسامہؒ نے سوڈان جانے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۹۱ء میں اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں سمیت سوڈان تشریف لے گئے۔ اگلے چند سال آپ نے سوڈان ہی کو اپنے بنیادی مرکز کے طور پر استعمال کیا۔

یہود اور امریکہ کے خلاف معرکے کی تیاری اور امریکہ سے پہلی براہِ راست پنجہ آزمائی

القاعدہ کی مرکزی قیادت عالمی حالات پر غور و فکر کرنے اور علمائے حق سے رہنمائی لینے کے بعد اس نتیجے پر یکسو ہو چکی تھی کہ روسی ریچھ کو پچھاڑنے کے بعد اب مجاہدینِ امت کا اگلا ہدف فلسطین پر قابض یہود اور ان کے پشت پناہ امریکہ کی قوت توڑنا اور انہیں پچھاڑنا ہونا چاہیے۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ اسی سوچ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امتِ مسلمہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد ہم جس نتیجے تک پہنچے اسے اختصار سے دو نکات میں بیان کیا سکتا ہے:

ایک یہ کہ عالمِ اسلام کی موجودہ ناگفتہ بہ صورتِ حال کو اس وقت تک نہیں بدلا جا سکتا، نہ ہی فلسطین کو یہودی قبضے سے اس وقت تک آزاد کرایا جا سکتا ہے جب تک مسلم خطوں میں امریکی مداخلت کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ عالمِ اسلام آزاد نہیں ہے بلکہ جدید عالمی نظام کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، اور اس نظام کی سربراہی یہود کا سب سے بڑا پشت پناہ امریکہ کر رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ چونکہ امریکہ روس سے یکسر مختلف دشمن ہے، اس لیے اسے روایتی طرزِ جنگ سے شکست دینا ممکن نہیں۔ اس کے خلاف غیر روایتی اور غیر متوازی (Asymmetric) طریقہء جنگ اختیار کرنا ہو گا"۔

پس اسی ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امریکہ کے خلاف جنگ کے لیے ذہن سازی و عسکری تیاری کا عمل شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے امریکہ سے پنجہ آزمائی کا پہلا موقع صومالیہ پر امریکی حملے کے دوران دیا۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہد دستے صومالیہ میں داخل ہوئے اور مختلف معرکوں میں دو سو کے قریب امریکی فوجی ہلاک اور دو امریکی ہیلی کاپٹر تباہ کیے، جس کے بعد امریکہ صومالیہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

القاعدہ اور طالبان کے لازوال ایمانی رشتوں کا نقطہء آغاز

۱۹۹۵ء کے اواخر تک سوڈانی حکومت نے امریکی اور سعودی دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور شیخ اسامہؒ اور ان کے ساتھیوں سے سوڈان سے نکل جانے کی درخواست کی۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت رازداری کے ساتھ ایک خصوصی پرواز کے ذریعے اپنے قریبی ساتھیوں سمیت افغانستان پہنچے جہاں جلال آباد کے ہوائی اڈے پر مولوی یونس خالص رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ جلال الدین حقانی حفظہ اللہ نے آپ کا استقبال کیا۔ یہ طالبان تحریک کا ابتدائی دور تھا اور کابل تاحال فتح نہیں ہو سکا تھا۔ ۱۹۹۶ء میں کابل فتح ہونے کے بعد قندھار میں امیر المؤمنین ملا محمد عمر نصرہُ اللہ اور شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی پہلی ملاقات ہوئی، جس کے بعد سے دونوں عظیم جہادی قائدین اور دونوں مبارک جہادی تحریکات کے درمیان ایک لازوال ایمانی رشتہ قائم ہو گیا جو عالمِ کفر کے لیے آج تک اذیت کا باعث ہے۔ اگلے پانچ سال کے دوران جہاں ایک طرف شیخ اسامہؒ اور ان کے ساتھیوں نے شمالی اتحاد کے خلاف قتال اور افغانستان کے داخلی استحکام کی کوششوں میں امارتِ اسلامیہ کا بھرپور ساتھ دیا، وہیں امارتِ اسلامیہ افغانستان نے بھی القاعدہ کی یہود و امریکہ کے خلاف عالمگیر جنگ میں اس کی بھرپور نصرت و پشت پناہی کی۔

امریکہ کے خلاف جنگ کا باقاعدہ اعلان

۱۹۹۶ء میں شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے ''سرزمینِ حرمین پر قابض امریکی افواج کے خلاف اعلانِ جہاد'' نشر کیا۔ یہ القاعدہ کی طرف سے امریکہ کے خلاف پہلا باقاعدہ اعلانِ جنگ تھا۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعلان میں فرمایا:

''اللہ کے فضل و احسان سے ہمیں سرزمینِ خراسان کی صورت میں ایک محفوظ مرکز میسر آگیا ہے۔ ہندو کش کے اسی پہاڑی سلسلے سے ٹکرا کر دنیا کی سب سے بڑی عسکری قوت، ملحد سوویت اتحاد پاش پاش ہوا تھا...... آج ہم افغانستان کی انہی فلک بوس چوٹیوں پر بیٹھ کر عالمی صلیبی صہیونی اتحاد کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں تاکہ اس مکروہ اتحاد کو امتِ مسلمہ پر مزید ظلم و ستم ڈھانے سے روکا جا سکے؛ اور یادگارِ اسراء و معراج مسجدِ اقصیٰ کو اور حرمین شریفین کی مقدس سرزمین کو ان کے نجس قبضے سے آزاد کرایا جاسکے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اس عظیم مقصد میں کامیابی نصیب فرمائے، یقیناً فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کی قدرتِ قاہرہ کے سامنے کوئی نہیں ٹک سکتا''۔

امریکہ کے خلاف جنگ کا یہ اعلان، محض زبانی اعلان تک محدود نہ رہا بلکہ بہت جلد امریکہ کے خلاف غیر روایتی عسکری کارروائیوں کا آغاز بھی ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۹۶ء ہی میں سعودی عرب کے علاقے 'خبر' میں امریکہ کے ایک فوجی اڈے پر فدائی حملہ ہوا جس کے نتیجے میں ۱۹ امریکی فوج ہلاک اور ۴۰۰ سے زائد زخمی ہوئے اور فوجی اڈے کو بری طرح نقصان پہنچا۔

''عالمی اسلامی محاذ برائے قتالِ یہود و نصاریٰ'' کا قیام

عسکری کارروائیاں ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے دعوتی و سیاسی محاذ پر بھی کوششیں جاری رکھی ہوئی تھیں اور امت کو یہود و نصاریٰ کے خلاف قتال کے مقصد پر اکٹھا کرنے کے لیے دن رات محنت کر رہے تھے۔ اس محنت کا ثمرہ ۱۹۹۸ء میں سامنے آیا جب تنظیم القاعدہ، مصر کی جماعۃ الجہاد، مصر کی الجماعۃ الاسلامیۃ اور پاکستان کی بعض معروف جہادی شخصیات نے مل کر ''عالمی اسلامی محاذ برائے قتالِ یہود و نصاریٰ'' کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر دستخط

کرنے والوں میں شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ اور شیخ رفاعی طٰہٰ بھی شامل تھے۔ اس اعلان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس نے امریکہ کے خلاف جنگ کو محض جزیرۂ عرب تک محدود رکھنے کی بجائے اسے پوری دنیا تک پھیلا دیا اور تمام مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ امریکی مفادات کو دنیا کے ہر ہر کونے میں نشانہ بنائیں، تاکہ امریکہ اسرائیل کی پشت پناہی اور امتِ مسلمہ کے خائن حکمرانوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لے۔

اس اعلان کے تھوڑے ہی عرصے بعد محض اللہ کی توفیق سے سعودی عرب سے باہر موجود امریکی مفادات پر دو مزید کاری ضربیں لگائی گئیں۔ پہلی ضرب شمالی افریقہ کے ممالک کینیا اور تنزانیہ میں واقع امریکی سفارت خانوں پر دو طاقتور فدائی حملوں کی صورت میں لگی جس سے دونوں عمارتیں بری طرح تباہ ہو گئیں اور دشمن کو بھاری جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ دوسری ضرب نے مجاہدین کی غیر متوازی جنگ کا دائرہ پانیوں تک پھیلا دیا اور اللہ کی توفیق سے یمن کے ساحلوں پر گشت کرنے والے امریکی جنگی بحری بیڑے 'یو ایس ایس کول' پر ایک کشتی کے ذریعے کامیاب فدائی حملہ کیا گیا جس سے بحری بیڑہ ناکارہ ہو گیا اور دسیوں امریکی فوجی بھی ہلاک و زخمی ہوئے۔

گیارہ ستمبر کے مبارک شہیدی حملے

پے درپے ضربیں سہنے کے باوجود بھی امریکہ نے ہوش کے ناخن نہ لیے اور امتِ مسلمہ کے خلاف اپنی متکبرانہ و ظالمانہ حکمتِ عملی کو برقرار رکھا۔ ایک طرف فلسطین کے مظلوم مسلمانوں پر عرصہ ءحیات تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رہا، تو دوسری جانب عراق پر بھی سخت معاشی پابندیاں عائد کر دی گئیں جن کے نتیجے میں پانچ لاکھ عراقی بچے ادویات اور ضروری خوراکی مواد نہ ملنے کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اسی طرح امارتِ اسلامیہ افغانستان پر بھی پابندیاں عائد کر کے عرصہ ء حیات تنگ کیا گیا ساتھ ہی نوزائیدہ اسلامی امارت کے خلاف فوجی اقدام کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئیں۔ چنانچہ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جنگ کو امریکہ کی اپنی سرزمین پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ امریکہ سے اس کے مظالم کا بدلہ لیا جا سکے اور اس کی جھوٹی ہیبت کا بت پاش پاش کیا جا سکے۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیشِ نظر ایک اہم ہدف یہ بھی تھا کہ کسی طرح اس دیو ہیکل امریکی فوج

کو کھینچ کر کسی اسلامی سرزمین میں اتارا جائے جہاں اسے ایک طویل جنگ میں الجھا کر اس کی قوت توڑ ڈالی جائے[1]۔ چنانچہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو انیس شہیدی جوانوں نے امریکہ کے اپنے ہوائی اڈوں سے چار مسافر طیارے اغواء کیے اور انہیں عالمی تجارتی مرکز (ورلڈ ٹریڈ سینٹر) اور امریکی دفاعی مرکز پینٹاگون کی عمارتوں سے دے مارا۔ اس تاریخ ساز کارروائی کے نتیجے میں نہ صرف امریکی معیشت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا بلکہ امتِ مسلمہ کے ذہن سے امریکہ کی قوت وہیبت کا فسانہ بھی ہمیشہ کے لیے محو ہو گیا۔

افغانستان وعراق پر امریکی حملے؛ امریکی تاریخ کی بدترین غلطی

امریکہ، جو کہ گیارہ ستمبر سے قبل ہی افغانستان پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا، گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائیوں کے بعد مزید صبر نہ کر سکا اور بعینہٖ وہی غلطی کر بیٹھا جس کی شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کو توقع تھی۔ اپنی طاقت کے نشے میں بدمست یہ ہاتھی پہلے امارتِ اسلامیہ افغانستان پر حملہ آور ہوا اور کچھ عرصے بعد عراق پر بھی حملہ کر بیٹھا۔ زخم خوردہ امریکہ طیش میں آکر اپنی بنیادی عسکری حکمتِ عملی سے ہٹ گیا۔ امریکی فوج کی حکمتِ عملی "محدود جنگ" (Limited War) کے نظریے پر قائم تھی۔ اس نظریے کے تحت امریکہ کی کوشش رہی کہ وہ کسی بالفعل جنگ میں اترنے سے حتی الامکان گریز کرے اور اپنے مخالفین کو معاشی پابندیوں، سفارتی دباؤ، عسکری رعب اور دھونس دھمکی ہی سے جھکنے پر مجبور کر دے۔ پھر اگر عملاً کوئی عسکری قوت استعمال کرنی ہی پڑے تو بھی محض فضائی قوت کے استعمال پر اکتفا کرے اور اپنی افواج زمین پر اتارنے سے حتی الوسع بچے۔ میدان میں اتر کر آمنے سامنے جنگ کرنے سے امریکی فوج ہمیشہ ہی بھاگتی تھی۔

---

[1] شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرب صحافی عبدالباری عطوان کو ۹۰ء کی دہائی کے اواخر میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ چونکہ امریکہ سات سمندر پار بیٹھا ہے اور اس کی سرزمین میں گھس کر اس پر حملے کرنا سہل نہیں، اس لیے امریکہ کی قوت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کھینچ کر کسی مسلم خطے میں اتارا جائے۔ یوں اسے ایک طویل جنگ میں پھنسا کر اس کی معاشی کمر توڑی جا سکتی ہے۔

لیکن گیارہ ستمبر کی کارروائی نے امریکہ کی متکبر گردن پر ضرب لگائی اور جوشِ انتقام میں وہ اپنی تاریخ کی بھیانک ترین غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا...... اور عراق و افغانستان دونوں میں اپنی زمینی افواج سمیت اتر آیا۔ چند سال گزرنے کی دیر تھی کہ افغانی و عراقی مجاہدین کے ہاتھوں مار کھا کھا کر طاقت کا نشہ کافور ہوگیا اور امریکہ اپنے کیے پر پچھتانے لگا۔ لیکن اب دنیا کی 'تنہا سپر پاور' کے لیے اپنی ناک اونچی رکھنے کا معاملہ تھا، اس لیے ان محاذوں سے جلد واپس پلٹنا بھی آسان نہ تھا۔

جنگ کا دائرہ پھیلانے اور عالمی و مقامی جہاد کو باہم مربوط کرنے کی حکمتِ عملی

گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائی کے تین سال بعد مجاہدین کی صفوں میں موجود ایک عبقری منصوبہ ساز ذہن، شیخ ابو بکر ناجی کی معرکۃ الآراء کتاب: "اِدارۃُ التَّــوَحُّش" منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب میں مصنف نے القاعدہ کی مرکزی قیادت کو یہ تجویز دی کہ امریکہ ویہود کی سربراہی میں قائم جدید عالمی نظام کی اسلامی دنیا پر سے گرفت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ مجاہدین اپنی جنگ کو محض عراق و افغانستان تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اس کا دائرہ مزید پھیلائیں؛ اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو مزید الجھائیں۔ مصنف نے عالمِ اسلامی کے چھ ایسے خطوں کی نشان دہی کی جہاں جہادی محاذ کھول کر جنگ کو مزید پھیلایا جا سکتا ہے اور امریکہ کو اپنی فوجی قوت مزید بکھیرنے اور اپنے اقتصادی بوجھ میں مزید اضافہ کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ شیخ ابو بکر ناجی کے تجویز کردہ یہ چھ علاقے درج ذیل تھے:

- پاکستان
- اردن
- مغربِ اسلامی (الجزائر)
- نائیجیریا
- یمن
- سرزمینِ حرمین (سعودی عرب)

یاد رہے کہ جس وقت یہ تجویز پیش کی گئی اس وقت تک ان میں سے کسی بھی خطے میں تنظیم القاعدہ کا کوئی باقاعدہ نظم کام نہیں کر رہا تھا۔ مصنف کا تجزیہ تھا کہ اگر مجاہدین ایک ہی وقت میں مسلم دنیا میں امریکہ اور اس کے مقامی حواریوں کے خلاف متعدد محاذ کھولنے میں کامیاب ہو جائیں تو امریکہ کے لیے ان محاذوں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہے گا اور نتیجتاً اس کی جہد اور ترکیز منتشر ہو جائے گی۔ آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ امریکہ کو ان محاذوں پر الجھانے کے لیے ضروری ہو گا کہ ہر محاذ پر موجود مجاہدین مرتد افواج کے خلاف قتال کے ساتھ ساتھ، امریکی مفادات پر ضربیں لگانے کا سلسلہ بھی جاری رکھیں۔ یوں ان کے مقامی محاذ، مقامی اہداف پورے کرنے کے ساتھ ساتھ صلیبی صہیونی اتحاد کے خلاف عالمی جنگ کا حصہ بھی بن جائیں گے۔ ایک دفعہ کسی محاذ نے خود کو عالمی جہاد کا حصہ اور امریکہ کے لیے خطرہ ثابت کر دیا تو امریکہ اس کی طرف توجہ دینے پر مجبور ہو گا۔ نتیجتاً امریکہ کی عسکری قوت منتشر ہو گی اور معاشی بوجھ بڑھے گا؛ اور امریکہ جیسے ہاتھی کے لیے بھی عراق و افغانستان کی جنگوں کے بھاری بھر کم مالی اخراجات کے ساتھ ان محاذوں کے اخراجات برداشت کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اگر یہ صورتِ حال کچھ عرصہ برقرار رہی اور اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں اقامتِ خلافت اور بربادیٔ امریکہ کی یہ تحریکات کھڑی رہیں تو امریکہ کی معیشت بیٹھ جائے گی، عالمِ اسلامی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی اور مجاہدین کو اپنے اپنے علاقوں میں نفاذِ شریعت کے لیے وسیع تر مواقع میسر آ جائیں گے۔ یہی نہیں، بلکہ مصنف نے ایک اور پیشین گوئی بھی کی، جسے بندۂ مومن کی فراست اور اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خصوصی ہی کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ: ہمیں اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کہ امریکی گرفت کمزور پڑنے کے نتیجے میں اس سے قبل کہ ان علاقوں میں ریاستی نظام بیٹھنا شروع ہوں جہاں مجاہدین عملاً برسرِ پیکار ہیں، کچھ ایسے علاقوں میں ریاستی نظام لڑکھڑانے لگیں جہاں باقاعدہ جہادی محاذ نہ کھلے ہوں۔

نیو ورلڈ آرڈر کی شکست وریخت کا آغاز

یہ محض اللہ کی توفیق و عنایت ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں مجاہدین کی قیادت نے بعینہٖ وہی اقدامات کیے جن کی طرف اس معرکۃ الآراء تصنیف میں توجہ دلائی گئی تھی اور الحمدللہ ان اقدامات کے نتائج بھی وہی نکلے جن کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ گزشتہ چھ سالوں کے دوران مجاہدین نے

مذکورہ بالا مجوزہ خطوں میں سے بیشتر میں جہاد کا آغاز کر دیا۔ پاکستان، یمن، نائیجیریا، مغربِ اسلامی (الجزائر) اور صومالیہ...... سبھی میں جہادی تحریکات اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بیک وقت متعدد جہادی محاذ کھلنے کا نتیجہ بھی اللہ کی توفیق سے وہی نکلا جس کی توقع تھی۔ امریکہ اور اس کے صلیبی صہیونی اتحادیوں کی معیشت تاریخی بحران کا شکار ہو گئی، ڈالر کا جنازہ نکل گیا، یورو بھی لڑکھڑانے لگا اور سرمایہ دارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ فلسفہ دونوں ہی شکست کے دہانے پر آکھڑے ہوئے۔ پھر اسی کے سبب امریکہ ویورپ اپنے ہزاروں فوجی مروانے اور اپنی معیشت کو برباد کروانے کے بعد عراق میں شکست کھا کر ناکام ونامراد واپس لوٹ گئے اور الحمدللہ دولتِ اسلامیہ عراق آج بھی قائم ودائم، روافض کے خلاف قتال میں مصروف ہے۔ دوسری طرف افغانستان میں بھی طالبانِ عالی شان کی قوت میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے اور دشمن آئے روز مذاکرات کی درخواستیں کرتا نظر آرہا ہے؛ اور یہ واضح اعلان بھی کر چکا ہے کہ اس نے اپنی افواج سن ۲۰۱۴ء تک واپس نکال لینی ہیں۔ اسی طرح صومالیہ میں بھی اللہ رب العزت نے مجاہدین کو وسیع و عریض اراضی پر تمکین بخشی ہے اور انہوں نے کامیابی سے لاکھوں کروڑوں کی آبادی اور ہزاروں کلومیٹر وسیع مملکت میں شریعت کا نفاذ کر کے دنیا بھر کی دینی تحریکات کے لیے ایک لائقِ تقلید نمونہ پیش کیا ہے۔ پاکستان میں بھی قبائلی پٹی نے عالمی جہاد کے لیے مرکز و محور کا کام دیا ہے اور پاکستان میں ایک ایسی جہادی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ہے جو یہود و نصاریٰ اور ان کے حواریوں کے حلق کا کانٹا ہے؛ اور سندھ و ہند سمیت پورے عالم میں خلافت کا احیاء جس کا ہدف ہے۔ الجزائر کے مجاہدین بھی فرانس اور اس کے مقامی آلہء کاروں کی گردن پر مسلط ہیں اور اپنے اہداف کی سمت بتدریج پیش رفت کر رہے ہیں۔ نائیجیریا کے مظلوم مسلمان بھی عیسائیوں کے تسلط سے آزادی اور شریعت کے نفاذ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور افریقہ کی فضائیں پھر سے مجاہدین کی تکبیروں سے گونجنے لگی ہیں۔

عرب انقلابات میں جہاد فی سبیل اللہ کا کردار

شیخ ابو بکر ناجی کے تجزیے کے عین مطابق، امتِ مسلمہ میں متعدد جہادی محاذ کھل جانے کے سبب حالات امریکہ و اسرائیل کے قابو سے نکلنے لگے اور جہادی محاذوں والے ممالک سے قبل دیگر مسلم ممالک میں ریاستی نظام گرنا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے تیونس پر تین دہائیوں سے قابض

زین العابدین بن علی ملک چھوڑ کر فرار ہونے پر مجبور ہوا، پھر مصر کا طاغوت حسنی مبارک اپنے بیٹوں سمیت قید میں ڈال دیا گیا، پھر لیبیا کی گلیوں میں ملعون قذافی اور اس کے بیٹے قتل کیے گئے، پھر یمن کا صدر علی عبداللہ صالح ملک چھوڑنے پر مجبور ہوا اور اس کے بعد شام میں کافر نصیری فرقے سے تعلق رکھنے والے بشار الاسد کے خلاف اہلِ سنت عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔

نیز بات صرف مظاہروں تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ کئی علاقوں میں باقاعدہ جہادی تحریکات بھی برپا ہو گئی ہیں۔ لیبیا کے دارالحکومت طرابلس کی فتح مجاہدین ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے اور لیبیائی فوج کا چھوڑا ہوا بیشتر اسلحہ بھی 'الجماعة المقاتلة' سے وابستہ مجاہدین کے ہاتھ لگا ہے[2]۔ شام میں بھی 'جبهة النصرة' کے نام سے ایک جہادی تنظیم منظرِ عام پر آگئی ہے جسے مغربی میڈیا 'دولتِ اسلامیہ عراق' ہی کی ایک شاخ قرار دے رہا ہے۔ یہ تنظیم اب تک شامی فوج کے خلاف کئی مؤثر شہیدی حملے کر چکی ہے اور ان کے کئی اعلیٰ افسران کو قتل کرنے میں بھی کامیاب رہی ہے۔ یمن میں القاعدہ سے وابستہ مجاہدین نے مقامی قبائل کی معاونت سے دو جنوبی صوبوں پر قبضہ کر لیا ہے اور 'انصار الشریعۃ' کے عنوان تلے یمن کے اہلِ دین کو متحد کرنے اور یمن میں شریعت نافذ کرنے میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے کی آخری پیش رفت الجزائر کے پڑوسی ملک مالی میں آنے والا انقلاب ہے، جس کے نتیجے میں چند دن کے اندر اندر 'انصار الدین' نامی جہادی تنظیم نے پورے شمالی مالی پر قبضہ کر کے وہاں شریعت نافذ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

الغرض، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے بعد، یہ مختلف محاذوں پر مجاہدین کی طویل قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ[3] امریکہ کی زیرِ سرپرستی چلنے والا عالمی دجالی نظام کمزور پڑ گیا ہے اور امت کو امریکہ

---

[2] حال ہی میں ایک ویڈیو سامنے آئی ہے جس میں قذافی کے گڑھ سمجھے جانے والے شہر 'سرت' میں القاعدہ کے جھنڈے کے ساتھ دسیوں فوجی گاڑیوں کو شہر کی مرکزی شاہراہ پر گشت کرتے دکھایا گیا ہے۔ بیشتر گاڑیوں پر طیارہ شکن بندوقیں بھی نصب ہیں، وللہ الحمد۔

[3] یہاں محض مجاہدین کا ذکر کرنے سے مقصود یہ نہیں کہ امت کے کسی اور طبقے کا اس بدلتی صورتِ حال میں کوئی کردار نہیں۔ یقیناً علمائے کرام، دینی تنظیمات، داعیانِ دین اور عوام المسلمین سبھی اپنے اپنے انداز سے کلمۃ اللہ کی سربلندی کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ لیکن مجاہدین کا ذکر خصوصیت سے کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ امت کا وہ ہراول دستہ ہے جو حالات کی صعوبت کے

کے آلہء کار حکمرانوں کے خلاف اٹھنے اور ان کے تختے الٹانے کا موقع فراہم ہو گیا ہے۔ نیز اس سے بھی اہم امر یہ ہے کہ اسرائیل کے نجس وجود کے گرد اللہ کے مجاہد بندوں کا گھیرا تنگ ہوتا جارہا ہے۔ ایک طرف مصر کی وادیء سینا میں موجود مجاہدین نے مستقل کارروائیوں کے ذریعے اسرائیل کی ناک میں دم کر رکھا ہے تو دوسری طرف شام کی سمت سے بھی مجاہدین عین اسرائیل کی سرحد پر آ بیٹھے ہیں۔ اور ان شاء اللہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب مجاہدینِ اسلام کا ہاتھ ہو گا اور یہودِ بے بہود کی گردن!

مجاہدین آج بھی اپنے اہداف پر قائم ہیں

آج القاعدہ کی تاسیس کو کم و بیش پچیس سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی امت کی آزادی اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے احیاء کا سفر بحمد اللہ جاری ہے۔ جو جھنڈا ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر میں شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہوا تھا، وہ گزشتہ سال شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کو منتقل ہو گیا ہے۔ مجاہدین کے اس مبارک قافلے کے اہداف آج بھی وہی ہیں جو اس سفر کے آغاز پر تھے۔ شیخ ایمن الظواہری کی بحیثیت امیر تعیناتی کے موقع پر تنظیم القاعدہ کی مرکزی قیادت نے جو پیغام جاری کیا اس میں اپنے اہداف و مقاصد کو از سرِ نو دہراتے ہوئے کہا:

> "ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق سے دینِ اسلام کی جانب دعوت دیتے ہیں اور امتِ مسلمہ کو اعداد (یعنی جہاد کی تیاری) اور قتال کی طرف ترغیب دلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم عملی طور پر جہاد کے فریضے کو ادا کرتے ہیں اور مسلم علاقوں پر حملہ آور کفار...... جن کا سربراہ امریکہ اور اس کا پروردہ اسرائیل ہے...... اور ان کی معاونت کرنے والے، شریعتِ اسلامیہ کو پسِ پشت ڈالنے والے حکمرانوں کے خلاف لڑتے ہیں؛ اور اپنی تمام تر

باوجود اپنی جانوں کے نذرانے دے کر داخلی و خارجی دشمنوں سے اس کا دفاع کر تا رہا ہے اور اپنے لہو کی فصیلوں سے امت کے گرد حفاظتی حصار کھڑا کیے ہوئے ہے۔ پس امت کے ان فرزندوں کا حق بنتا ہے کہ ان کے اس غیر معمولی کردار کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔

طاقت و صلاحیت اس راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم امتِ مسلمہ کو بھی تحریض دلاتے ہیں کہ وہ ان دشمنوں کے خلاف جان و مال اور ہر ممکن طریقے سے جہاد کرے، یہاں تک کہ تمام حملہ آور فوجیں مسلم سرزمینوں سے بھاگ کھڑی ہوں اور یہاں شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو جائے۔

......ہم فلسطین کے جہاد و رباط سے ذرّہ بھر دستبردار نہ ہوں گے، نہ ہی اسرائیل کی خود ساختہ ریاست کو جائز تسلیم کریں گے، چاہے زمین پر بسنے والے سب ہی لوگ اس پر متفق ہو جائیں...... ہم اپنا سب کچھ خرچ کریں گے یہاں تک کہ فلسطین پورا کا پورا آزاد ہو جائے، اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے اور شریعت کی بالادستی وہاں قائم ہو جائے۔

ہم افغانستان میں بسنے والے اپنے بھائیوں سے بھی یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہم امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کی زیرِ قیادت امریکی صلیبی قبضے سے اس پاک سرزمین کے ایک ایک چپے کو آزاد کروانے کے لیے اپنی جانوں اور مالوں سمیت حاضر ہیں۔

......اسلامی تنظیموں اور جماعتوں سے منسلک اور غیر منسلک ہر اس مسلمان سے تعاون کے لیے ہمارے ہاتھ دراز اور دل کشادہ ہیں جو اسلام کی نصرت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ مسلم سرزمینوں پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے اور یہاں شریعت کی بالادستی و حاکمیت قائم کرنے کے لیے بڑھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں اور فاسد و مفسد نظاموں کو ختم کرنے اور ظلم و جبر سے اپنے خطوں کو پاک کرنے کے لیے ایک دوسرے کا دست و بازو بنیں"۔

پس یہ قافلہء جہاد آج بھی اپنے اہداف پر قائم ہے اور قائدین کی شہادتیں اور راہ کی صعوبتیں مقصد سے لگاؤ میں نہ کوئی کمی لائی ہیں، اور ان شاء اللہ نہ ہی کبھی لائیں گی۔

احادیث کی پیشین گوئیوں کا منظر سجتا محسوس ہو رہا ہے

آج امتِ مسلمہ بطور ایک امت جاگ اٹھی ہے۔ کفر کے عالمی نظام میں دراڑیں واضح ہوتی جا رہی ہیں۔ امت بطور ایک امت، ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ احادیث کی پیشین گوئیوں کا منظر سجتا محسوس ہو رہا ہے۔ احادیثِ نبویہ میں مذکور امت کے عروج کے تینوں اہم محور، یعنی خراسان، یمن اور شام، جہادی جذبے کی حرارت سے بھڑک اٹھے ہیں۔ معرکہ اب القاعدہ یا طالبان یا کسی بھی تنظیم تک محدود نہیں رہا۔ امتِ اسلام بطور ایک امت، آج امتِ کفر کے بالمقابل کھڑی ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

لگتا ہے کہ ایک طویل غفلت کے بعد یہ شیر ہوشیار ہو ہی گیا ہے۔ اب اس معرکے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیے ایک طرف تو یہ دینِ متین امت کے ہر ہر طبقے سے، ہر پیر و جواں، ہر مرد و زن سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس حقیقت کو پہچان لے کہ امت کی بقاء و صلاح اس دین سے چمٹنے اور جہاد کو دانتوں سے تھامے رکھنے میں پوشیدہ ہے۔ اللہ کے محبوب نبی علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ہماری ذلت کا سبب اور ہمارے عروج کا راستہ، دونوں ہی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں سمجھا دیے ہیں:

”إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمْ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ“۔

”جب تم عینہ تجارت کرنے لگو گے، اور گائے کی دموں کو تھام لو گے اور کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو وہ اس وقت تک نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس لوٹ آؤ“۔[4]

---

[4] سنن أبي داود، باب في النهي عن العينة

پس یہ امت تبھی عزت کی حق دار ٹھہرے گی جب یہ اپنے دین کی طرف اور اس دین کے محافظ جہاد کی طرف واپس پلٹ آئے گی۔

مجاہدینِ اسلام کی ذمہ داریاں

آج پوری دنیا کے مجاہدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ حالات کی نزاکت اور مرحلے کی اہمیت کا ادراک کریں اور اپنے کندھوں پر عائد بھاری ذمہ داری نبھانے کے لیے آگے بڑھیں:

- مجاہدین سے مطلوب ہے کہ وہ یہ یقین قلوب میں راسخ کرلیں کہ جہاد ہی اب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور یہی ان کا طریقِ زندگی ہے۔ آنے والے مراحل میں حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ ہو جائیں، راہِ جہاد پر برقرار رہنا کتنا ہی دشوار کیوں نہ بن جائے...... وہ جہاد سے پیچھے ہٹنے اور دنیا کی رنگینیوں کی طرف واپس پلٹنے کو اتنا ہی بھاری سمجھیں جتنا آگ میں ڈالے جانا!
- مجاہدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے کندھوں پر عائد ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے باہمی اختلافات کے ہر ہر ذرّے کو پسِ پشت ڈال کر، سیسہ پلائی دیوار بن کر، ایک مٹھی کی طرح دشمنانِ دین پر حملہ آور ہوں؛ اور ہر حال میں اپنی وحدت کی حفاظت کریں۔
- مجاہدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے محاذوں کو عالمی جہاد سے مربوط بنانے کی سنجیدہ سعی کریں اور مقامی مرتدین کے سر پر ہتھوڑے برسانے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اس کے صلیبی صہیونی اتحادیوں کو بھی ضرب لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ان شاء اللہ جتنا زیادہ کوئی محاذ عالمِ کفر کے لیے خطرے کا باعث بنے گا، اتنا ہی وہ دین کی تقویت اور اسلام کی سربلندی کا ذریعہ بھی ہو گا۔
- مجاہدین کے امراء کا فرض بنتا ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کو شفقت و محبت سے مخاطب کرنے اور حکمت کے ساتھ اسے شریعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دینے کا عمل جاری رکھیں یہاں تک کہ ہماری محبوب امت کلمۃ اللہ کی سربلندی کے ہدف پر اکٹھی ہو جائے اور مجاہدین کی پشت پر آ کھڑی ہو۔

- مجاہدین کا فرض ہے کہ وہ رب کے سامنے عاجزی اختیار کریں، علمائے کرام اور عوام المسلمین کے سامنے کندھے جھکا کر رہیں، اپنی تہی دامنی کا احساس ہمیشہ تازہ رکھیں اور رب کے سامنے فقیر بن کر اس کی رحمت و نصرت اور اخطاء پر اس کی مغفرت طلب کرتے رہیں، یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو اور ہمیں جنت کی ابدی نعمتوں سے نواز دے، آمین!

اللہ تعالیٰ اس امت کو خلافت علی منہاج النبوۃ کا سنہری دور جلد نصیب فرمائیں اور کفر و اہلِ کفر کو رسوا کریں، آمین![۵]

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

---

[۵] اس مضمون میں درج بیشتر واقعات اور اقوال ہم نے شیخ ابو جندل الازدی کی تصنیف "أسامة بن لادن، مجدد الزمان وقاهر الأمريكان" سے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے بعض اقوال آپ کی تقاریر و بیانات سے لیے گئے ہیں۔ نیز شیخ ابو بکر ناجی کی کتاب "ادارة التوحش" سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو کہ انٹرنیٹ پر بآسانی دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ بعض تاریخوں کی تصدیق کے لیے وکی پیڈیا سوفٹ ویئر سے مدد لی گئی ہے۔

یہ کس کی فوج ہے؟ (قسط دوم)

قاری عبد الہادی

گزشتہ قسط میں ہم نے اس بات کا جائزہ لیا تھا کہ فرنگی نے پاکستانی فوج کی بنیاد کب اور کن مقاصد کے لیے ڈالی تھی؟ نیز ہم نے ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کو کچلنے، سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریکِ مجاہدین کو دبانے اور خلافتِ عثمانیہ کو گرانے میں اس فوج کے کردار پر بحث کی تھی۔ ہم نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی فوج کی فکری و نظریاتی بنیادوں اور فوج کے مقاصد و اہداف میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آئی، بلکہ برطانیہ کے ساتھ ساتھ اس فوج کی اٹھان میں امریکی اثرات بھی نمایاں نظر آنے لگے ہیں۔ اسی طرح ہم نے بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کے 'جہاد' کی تفاصیل بھی بیان کی تھیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ واقعتاً یہ فوج قبل از قیامِ پاکستان کی 'شاہی ہندی فوج' کا تاریخی، نظریاتی اور عملی تسلسل ہے۔ اس قسط میں ہم اللہ کی توفیق سے بلوچستان کے مسئلے کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں گے اور یہ جانیں گے کہ فوج کی بندوق کا رخ جب بلوچی مسلمانوں کی طرف پھرا تو وہاں اس فوج نے کیا کیا گل کھلائے؟ کیسے کیسے ستم توڑے! پاکستان کی تاریخ کے یہ تلخ حقائق جاننا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ اس غلط فہمی سے باہر آیا جا سکے کہ فوج میں خرابی تو گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد پیدا ہوئی ہے، ورنہ اس سے قبل تو یہ ایک خالص اسلامی جہادی فوج تھی۔ اور اسی لیے، اگر فوج امریکہ کو کچھ آنکھیں دکھا دے اور امریکی اتحاد سے باہر آ جائے تو تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس سے زیادہ خود فریبی پر مبنی تصور یقیناً نہیں پیش کیا جا سکتا! ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مسئلہ اس فوج کی بنیادوں اور جڑوں میں ہے، اس کے نصاب اور نظامِ تربیت میں ہے اور امریکہ کے افغانستان پر حملے سے قبل بھی یہ فوج انہی فرنگی نظریات سے چمٹی ہوئی تھی اور ملک کے مختلف حصوں میں فساد مچانے اور ظلم کرنے میں مصروف تھی۔ اس لیے جب تک اس فوج کو جڑ سے درست نہیں کیا جاتا، اس کا پورا نصاب، نظامِ تربیت،

بھرتی کے معیارات، مقاصد و اہداف، سب کچھ جڑ سے نہیں بدلا جاتا، یہ وہی فرنگی کی شاہی ہندی فوج رہے گی اور اس ملک کے مظلوم عوام اس کے مظالم تلے پستے رہیں گے۔

بلوچ مسلمانوں کے خلاف فوج کا 'جہاد'

گزشتہ ۶۰ سال کے دوران پاکستانی ذرائع ابلاغ اور اسٹیبلشمنٹ نے مسئلۂ بلوچستان کے اصل حقائق ہم سے مخفی رکھے ہیں اور اہلِ پاکستان کے سامنے اس معاملے کی بالکل غلط تصویر پیش کی ہے۔ اسی لیے بلوچ قوم اور ریاستِ پاکستان کے مابین مسائل کا اصل پس منظر واضح کیے بغیر شاید بلوچستان میں فوج کا کردار سمجھانا بھی مشکل ہو۔

بلوچستان کا تاریخی پس منظر

بلوچستان ایک قابلِ فخر تاریخ کی حامل اسلامی سرزمین ہے۔ برصغیر میں اسلام سب سے پہلے بلوچ قوم تک ہی پہنچا۔ ۲۴ ہجری میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سہیل بن عدی اور حضرت عبد اللہ بن عتبان رضی اللہ عنہما کو بلوچستان اور کرمان کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ ان دونوں حضرات کی کوششوں سے اس علاقے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جبکہ باقی لوگ جزیہ ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے ادوار میں بھی بلوچستان کی طرف مہمات بھیجی گئیں[1] اور رفتہ رفتہ پوری بلوچ قوم نے کفر کے اندھیروں کو چھوڑ کر اسلام کا نور سینوں میں بسا لیا۔ اسلام لانے کے بعد اس قوم کی شجاعت و بہادری، اس کی جنگجوانہ صلاحیت، اس کا جود و سخا، غرض اس کی تمام مثبت صفات اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال ہونے لگیں۔ قدیم بلوچستان ایک مضبوط اور وسیع اسلامی سلطنت تھا جہاں شریعتِ مطہرہ نافذ تھی اور جو ریاستِ قلات کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اس سلطنت کو عروج میر نصیر خان اوّل کے عہد میں ملا جنہوں نے سن ۱۷۵۰ء سے سن ۱۷۹۴ء تک حکومت کی۔ آپ کے دور میں ریاستِ قلات کی حدود میں پورے موجودہ صوبۂ بلوچستان کے علاوہ ایران کے زیرِ قبضہ

---

[1] از کتاب: "بلوچ، تاریخ اور عرب تہذیب" ترجمۂ کتاب: "البلوش، تاريخ وحضارة عربية"، از ڈاکٹر اسماعیل دشتی البوشہری، باب چہارم، ص: ۹۴

بلوچ علاقے، کراچی اور وہ تمام بلوچ علاقے بھی شامل تھے جنہیں فرنگی نے بعد میں سرحد، پنجاب اور سندھ کا حصہ بنادیا۔[2] اسلامی تاریخ کے ایک بڑے حصے میں ریاستِ قلات ایک خود مختار یا نیم خود مختار اسلامی سلطنت کی حیثیت میں رہی۔ خانِ قلات کو خلافتِ عثمانیہ کی طرف سے بیگلر بیگی (یعنی امیر الامراء) کا لقب عطا کیا گیا تھا اور خلافتِ عثمانیہ تمام بلوچ علاقوں پر خانِ قلات کی حکومت تسلیم کرتی تھی۔ یہ لقب آخری خانِ قلات میر احمد یار خان کے وقت تک (یعنی سن ۱۹۴۸ء تک) برقرار رہا۔

ہندوؤں کے خلاف جہاد میں بلوچوں کا کردار

جب احمد شاہ ابدالی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر ہندوستان آئے اور مرہٹوں کو شکست دے کر اہلِ اسلام کا دفاع کیا تو بلوچ قوم کے تاریخی رہنما نصیر خان اوّل نے بھی احمد شاہ ابدالی کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنے دستوں کو مرہٹوں کے خلاف جہاد میں شرکت کے لیے بھیجا۔ آپ کا شمار احمد شاہ ابدالی کے وفادار ساتھیوں میں ہوتا تھا اور آپ نے اسلامی سلطنت کو توسیع دینے کے لیے کئی مشترکہ جہادی مہمات سرانجام دیں۔[3]

سکھوں کے خلاف جہاد میں بلوچوں کا کردار

جب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ مجاہدین اٹھی تو بلوچ قوم نے اس کی بھی بھرپور نصرت کی۔ سید صاحب رحمہ اللہ نے رائے بریلی (ہندوستان) سے سرحدی علاقہ جات کی سمت جو سفر ہجرت شروع کیا، اس میں آپ سندھ سے گزرنے کے بعد بلوچستان میں داخل ہوئے۔ آپ اپنے مجاہد ساتھیوں سمیت سندھ کے علاقے شکارپور سے خان گڑھ (موجودہ جیکب آباد) گئے۔ جیکب آباد سے آگے بڑھ کر آپ نے بلوچ علاقے شاہ پور میں قیام کیا، جہاں بلوچوں کی معروف دینی

---

[2] از کتاب: ”بلوچستان، اضلاع و تاریخ“، از ایم عثمان حسن، ص: ۳۵ تا ۳۷۔

[3] از کتاب: ”بلوچستان، اضلاع و تاریخ“، از ایم عثمان حسن، ص: ۳۶، ۳۷۔ اور کتاب: ”بلوچستان“، از سلطان محمد صابر، ص: ۴۷۔

شخصیت سید محسن شاہ اپنے بیٹوں سمیت آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ پور سے آگے بڑھتے ہوئے یہ لشکرِ مجاہدین ڈھاڈر (موجودہ سبی) میں قیام پذیر ہوا۔

یہاں کے علماء، امراء اور عوام نے مجاہدین کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کے حق میں پر تکلف ضیافتیں کیں۔ اس کے بعد یہ مبارک لشکر درۂ بولان سے گزرتے ہوئے سرِ آب کے راستے شال (موجودہ کوئٹہ) پہنچا۔ اس پورے علاقے پر اس وقت خانِ قلات، میر محراب خان کی حکومت تھی۔ میر محراب خان کی طرف سے کوئٹہ پر مقرر کردہ حاکم نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی اور سید صاحب سے لشکر میں شمولیت کی درخواست کی۔ سید صاحب نے انھیں بہت دعائیں دیں اور یہ کہہ کر روک دیا کہ جب ہمیں ضرورت پڑے اور ہم بلائیں تو حاضر ہو جانا۔ اس دوران سید صاحب کی میر محراب خان اور ان کے وزراء و نائبین سے خط و کتابت بھی رہی[4]۔ بعد میں، جب سید صاحبؒ اپنا سفر ہجرت مکمل کر کے ارضِ جہاد پہنچ گئے تو اس وقت بھی آپؒ نے خانِ قلات سے خط و کتابت برقرار رکھی۔ ایک مکتوب میں آپ نے خانِ قلات کے دینی جذبے، مجاہدین کی نصرت اور جہاد سے وابستگی کی بہت تعریف کی اور خانِ قلات کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو غزنی و کابل کی طرف کارروائیوں کے لیے روانہ کریں۔[5] سید صاحب کی شہادت کے بعد آپ کے نائب سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھیوں سمیت اسی راستے سے سفر ہجرت پر روانہ ہوئے، البتہ اس بار انہوں نے بلوچستان میں نسبتاً لمبا قیام کیا۔ آپ نے بلوچ قبائل، خصوصاً مزاری، ڈومکی اور بگٹی قبائل میں جہادی دعوت پھیلانے کے لیے محنت کی اور مزاری قبائل کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جہاد بھی کیا۔[6]

فرنگی تسلط کے خلاف بلوچوں کا جہاد

فرنگی کو ہندوستان کے بیشتر علاقے پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی بلوچستان اپنے زیرِ نگیں کرنے میں بہت وقت لگا۔ اس کا بنیادی سبب یہی تھا کہ بلوچ قبائل میں غیرتِ دینی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ غلامی کے خوگر نہیں تھے۔ ان قبائل نے کئی دہائیوں تک انگریزی قبضے کے خلاف

---

[4] از کتاب: ''تاریخِ دعوت و عزیمت''، از سید ابو الحسن ندوی رحمہ اللہ، حصہ ششم، جلد دوم، ص: ۴۸۱ تا ۴۹۵۔

[5] از کتاب: ''سید احمد شہید اور ان کی تحریکِ مجاہدین''، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۷۹۶۔

[6] از کتاب: ''سید احمد شہید اور ان کی تحریکِ مجاہدین''، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۲۰۶ اور ص: ۸۶۵۔

مسلح مزاحمت کی۔ بالخصوص یہ افغانستان پر حملے کے لیے جانے والے انگریزی قافلوں پر گھات لگا کر ان کو بھاری نقصان پہنچایا کرتے تھے۔[7] بالآخر عسکری قوت کے وحشیانہ استعمال اور سازشوں اور شاطرانہ چالوں کے ذریعے فرنگی نے انیسویں صدی کے اواخر تک بلوچستان کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا۔[8] اگرچہ اس کے بعد بھی ہر کچھ عرصے بعد بلوچ قبائل مسلح بغاوتیں کرتے رہے، لیکن اگلے پچاس سال (یعنی قیامِ پاکستان تک) انگریز ہی بحیثیتِ مجموعی بلوچستان کا حاکم رہا۔

انگریز نے بلوچ قوم کی قوت توڑنے کے لیے اسے تقسیم در تقسیم کرنے کا عمل شروع کیا۔ اس کی خاطر بلوچ قبائل کے بعض علاقے افغان حکومت کے حوالے کر دیے گئے اور ایک بڑا حصہ ایران کے قبضے میں دے دیا گیا۔ پھر انگریز نے اپنے زیرِ قبضہ بلوچ علاقے میں بھی اسی مکروہ سیاست پر عمل کیا، ریاستِ قلات کو مزید چھوٹے حصوں میں بانٹا اور اس کے شمالی اور شمال مشرقی علاقوں کو خانِ قلات کی عملداری سے خارج کر کے انہیں 'برطانوی بلوچستان' کا نام دے دیا اور اس کا نظم و نسق براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نیز بعض بلوچ علاقوں کو پنجاب، بعض کو سندھ اور بعض کو سرحد کا حصہ بنا کر اس غیور قوم کی قوت پارہ پارہ کر دی۔[9] دراصل یہ وہی مکروہ سیاست ہے جو انگریز نے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی معزز قوم، یعنی کردوں کے ساتھ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد برتی تھی، جب انہیں ترکی، عراق، ایران، شام اور یونان کے درمیان تقسیم کر کے ان کی قوت توڑ ڈالی تھی۔ یہ مظلوم کرد قوم، جو کبھی اسلام کی سربلندی کا نشان اور کفر کے حلق کا کانٹا تھی، آج اپنے حقوق کی تلاش میں دربدر پھر رہی ہے اور دنیا میں اس کا کوئی وطن نہیں۔ بلوچ قوم کو بھی اس کی

---

[7] آج ایک بار پھر افغانستان پر حملہ آور امریکی اور نیٹو افواج کی رسد کے قافلے بلوچستان کے راستے سے گزرتے ہیں اور الحمدللہ بلوچ مسلمانوں نے ان قافلوں کو نشانہ بنانے کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ اللہ انہیں اس عمل کو مزید تقویت بخشنے کی توفیق دیں، آمین!

[8] بلوچستان پر برطانوی قبضہ بڑی حد تک رابرٹ سنڈیمن نامی شاطر فرنگی جرنیل کا مرہونِ منت ہے جو جوڑ توڑ اور شیطانی سیاست کا ماہر تھا۔ آج تک فوج اور بیوروکریسی بلوچ قوم کو بڑی حد تک سنڈیمن کے چھوڑے ہوئے اصولوں کے مطابق چلاتی ہے۔ یہ بدبخت فوجی افسر بلوچستان پر فرنگی قبضہ مضبوط کرنے کے بعد وہیں مرا اور لسبیلہ میں دفن ہوا جہاں اس کی قبر آج بھی محفوظ ہے۔

[9] از کتاب: "بلوچ قوم، قدیم عہد سے عصرِ حاضر تک" از ڈاکٹر شاہ محمد مری، ص:۱۸۶۔

اسلام سے والہانہ وابستگی کی یہی سزا دی گئی اور اسی لیے یہ قوم بھی آج تک اپنے جائز شرعی حقوق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

بلوچی مسلمان کو کیسی آزادی مطلوب تھی؟

قیامِ پاکستان کے وقت بلوچستان کے بیشتر مسلمانوں نے بھی مسلم لیگ کی جدوجہد کو ایک اسلامی جدوجہد سمجھا اور اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ مسلم لیگ کی قیادت اکثر بلوچستان آتی اور وہاں کے مسلمان اسے ہندوؤں کے مقابلے میں کھڑی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھ کر اس کا بھرپور استقبال کرتے اور اپنے اموال وغیرہ سے اس کی نصرت بھی کرتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود، بلوچ قوم کو یہ خدشہ تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کا سب سے مضبوط ادارہ وہی فرنگی سے تربیت یافتہ فوج کا ادارہ ہوگا جس کی یونٹیں گزشتہ ایک صدی کے دوران انگریز کے حکم پر بلوچ مسلمانوں کا لہو بہاتی رہی تھیں۔ جبکہ بلوچ مسلمانوں کو محض فرنگی سے آزادی نہیں مطلوب تھی بلکہ وہ اس کے قائم کردہ کفریہ نظام سے بھی آزادی چاہتے تھے اور ایک حقیقی اسلامی سرزمین کی تلاش میں تھے جہاں فرنگی کے چھوڑے ہوئے نظام کی بجائے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نافذ ہو۔ بلوچ قوم کی اسی دینی تڑپ کی نمائندگی کرتے ہوئے خانِ قلات میر احمد خان نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو، یعنی انگریز سے آزادی کے معاً بعد، قلات میں جمعے کا خطبہ دیتے ہوئے کہا:

> ”ہماری سلطنت کی آج وہ حالت نہیں جو چند روز پیشتر تھی۔ کل ہم غلام تھے، ہماری کوئی آواز اور پالیسی نہ تھی۔ ہمیں مجبوراً اس حکومت کی پالیسی پر چلنا پڑتا تھا جو ہم سے بالا دست تھی، اس لیے میں خاموش تھا۔ مگر الحمد للہ آج صرف شہنشاہِ حقیقی ہمارا بادشاہ ہے اور میں اپنے اقوال وافعال کا جوابدہ صرف اس ذاتِ پاک اور پھر اپنی قوم کے سامنے ہوں......وہ مسلمان کسی صورت مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں جو خداوندِ ذوالجلال کے سوا کسی اور سے خائف ہو۔ الحمد للہ میں مسلمان ہوں اور اپنے خالق کے سوا کسی طاقت سے نہیں ڈرتا۔ لہٰذا میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ آج کے بعد میں اپنے عمالِ حکومت کے کسی قسم کے ظلم یا ملحدانہ اور غیر شرعی اقدام کو برداشت نہیں کروں گا......میں اپنی پیاری بلوچ قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ آؤ ہم سب مل کر خداوندِ کریم کی مدد سے نفاذِ شرعِ محمدیؐ اور بلوچوں کی

یک جہتی کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں..... اگر آپ اس امر کے خواہش مند ہیں کہ ترقی اور خوشحالی آپ کے قدم چومے تو یاد رکھیے کہ آپ کو اپنی سابقہ روایات کے مطابق شریعتِ اسلامی اور احکامِ الٰہی پر چلنا ہوگا اور اسی میں فلاحِ دارین ہے۔ میں اپنی قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلامی قوانین اور بلوچ روایات کے مطابق ہم سب خدا کے بندے ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ بنی نوع انسان اولادِ آدم ہے اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا کسی فرد کو کسی دوسرے پر تقویٰ اور پرہیز گاری کے سوا کوئی برتری نہیں۔ خان سے لے کر زمیندار، مزدور اور چرواہے تک انسان اور مسلمان ہونے میں سب برابر ہیں۔ ہمارے سلفِ صالحین نے کبھی اپنے آپ کو بادشاہ یا شہنشاہ نہیں کہلایا ...... اسلام میں بادشاہی اور تاج نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفائے راشدین نے اپنے آپ کو کبھی بادشاہ نہیں کہلایا اور نہ ہی سر پر تاج رکھا بلکہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہے...... ان شاء اللہ ہم ان روایات کو قائم رکھتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہر طرح کوشش کریں گے"۔[10]

اسی طرح ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قلات کے دارالعوام میں پاکستان سے الحاق کے مسئلے پر بحث کے دوران معروف بلوچ سیاسی رہنما میر غوث بخش بزنجو نے کہا:

"بہت غور و خوض اور تاریخ کے وسیع مطالعے کے بعد بھی مجھے اس مردِ بیمار، یعنی بلوچ قوم، کے علاج اور شفایابی کے لیے ایک ہی مؤثر و مجرب نسخہ نظر آتا ہے۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ اس مردِ بیمار کے لیے دنیا میں اس سے بہتر علاج کوئی نہیں۔ یہ نسخہ اسلام کے مقدس اصولوں پر عمل کرنا ہے، جنہیں رحمتِ باری نے کلام پاک کی صورت میں جمع کر کے نبیءِ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ دنیا کی قوموں میں سب سے پہلے عرب قوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہبری میں اس تعلیم پر عمل

---

[10] از کتاب: "بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی"، مرتبہ: ڈاکٹر عبد الرحمان براہوی، ص: ۱۵۲ تا ۱۵۶۔ نیز یہی خطبہ کتاب: "بلوچ قوم قدیم عہد سے عصرِ حاضر تک" از ڈاکٹر شاہ محمد مری کے صفحہ ۳۰۱ پر بھی مذکور ہے لیکن مصنف نے اپنے اشتراکی ملحدانہ نظریات کے سبب خطبے کے اسلامی حصے نقل نہیں کیے۔

شروع کیا اور اسلام لانے سے پیشتر وہ جن گوناگوں مصائب، قومی ذلتوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے، اس مقدس کتاب پر عمل کرنے کی برکت سے بہت تھوڑی مدت میں ان کی زحمت رحمت سے بدل گئی۔ یہی قوم دنیا کی بہترین اور مہذب ترین قوم شمار ہو کر دیگر اقوامِ عالم کی راہبر بنی...... جب تک دنیا میں اہلِ اسلام صحیح معنوں میں احکامِ الٰہی کے اس مقدس دستور پر عمل پیرا رہے تو اقبال و کامرانی نے ہمیشہ ان کے قدم چومے۔ اس کے برعکس جس دن مسلمان قوم نے احکامِ الٰہی کی تعمیل میں کسالت اختیار کر کے خلافِ شرع دستور اور اپنی خواہشاتِ نفس کی اطاعت شروع کی، اسی دن سے تباہی اور ذلت و خواری نے انہیں آن گھیرا۔ اے میری عزیز قوم! آؤ، اللہ کو یاد کرو اور قرآنِ پاک کو اپنا دستور العمل بنالو!''[11]

چنانچہ اسی خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے خانِ قلات نے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو شرعی عدالتوں کے قیام کا حکم نامہ جاری کیا اور اس غرض سے ہر تحصیل کی سطح پر ایک قاضی مقرر کر دیا۔ حکم نامے میں کہا گیا کہ:

''آئندہ تمام مقدمات، خواہ وہ سرداروں کے درمیان ہوں یا ان کے فریقین عام عوام سے تعلق رکھتے ہوں، ان کے فیصلے بلا امتیازِ امیر و غریب بذریعۂ شریعتِ مطہرہ ہوا کریں گے۔ اس عمل میں کسی قسم کا لیت و لعل نہ کیا جائے۔ عدالت ہائے متعلقہ کا فرض ہو گا کہ وہ بموجبِ فرمان مکمل طور پر عمل کروایا کریں اور اس سلسلے میں کسی قسم کے عذر و حیلے کی سماعت نہ کیا کریں''۔[12]

بلوچی مسلمان اور قیامِ پاکستان

ریاستِ قلات (یعنی بلوچستان کا بیشتر حصہ) گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کو فرنگی راج سے آزاد ہو گئی، لیکن خانِ قلات نے ۱۴ اگست کو پاکستان سے الحاق نہیں کیا، کیونکہ بلوچ قیادت کے درمیان اس

[11] از کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

[12] از کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۱۷۹۔

مسئلے پر بحث مباحثہ اور باہمی مشاورت ہنوز جاری تھی۔ دوسری طرف حکومتِ پاکستان بلوچ قیادت پر مسلسل دباؤ بڑھا رہی تھی کہ وہ بلا تاخیر پاکستان سے الحاق کریں۔ بلوچ مسلمان یہ دیکھ رہے تھے کہ انھوں نے تو انگریز سے آزادی ملتے ہی اپنے دائرۂ اختیار میں نفاذِ شریعت کی کوشش شروع کر دی تھی، لیکن پاکستان میں اس سمت کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے بلوچی مسلمانوں کی اکثریت اسی رائے کی حامل تھی کہ اگر خالص شرعی نظام مطلوب ہے تو پھر پاکستان میں باقاعدہ ضم ہونے کی بجائے اس سے ایک دوستانہ معاہدہ کر کے اچھے تعلقات رکھے جائیں، ورنہ نفاذِ شریعت کا یہ خواب شاید پورا نہ ہو سکے۔

اس مرحلے پر نوزائیدہ ریاستِ پاکستان کے لیے بلوچی مسلمانوں کے جذبات کیا تھے؟ اس کا اندازہ قلات کے دارالعوام کے رکن، مولوی محمد عمر کی اس بات سے کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو دارالعوام میں خطاب کے دوران کہی۔ آپ کے ان جملوں سے بلوچوں کا خلوص و محبت صاف ٹپکتا نظر آتا ہے:

> ”پاکستان جب بھی ہمیں امداد کے لیے آواز دے گا تو ہم اپنی ڈھاڈری بندوقیں لے کر ان کی امداد کو جا دوڑیں گے...... اگر پاکستان کو ہماری مدد کی ضرورت ہے تو ہم کھجور اور جو، جو ہمارے ملک کی پیداوار ہے بطور تحفہ پہنچاتے رہیں گے“۔[13]

نیز خانِ قلات نے بھی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنے خطبۂ جمعہ کے اختتام پر کہا:

> ”ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آج ہندوستان میں ایک ایسی آزاد خود مختار سلطنت وجود میں آچکی ہے جو بلحاظِ رقبہ و آبادی دنیا بھر میں پانچویں درجے کی اور اسلامی دنیا میں اول درجے کی سلطنت ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس مملکت کی سرحد قلات سے ملتی ہے۔ ہم اس سلطنتِ خداداد پاکستان کے استقلال اور ترقی کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں“۔[14]

---

[13] ازکتاب: ”بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی“، مرتبہ: ڈاکٹر عبد الرحمان براہوی، ص: ۱۹۴ تا ۱۹۵۔

[14] ازکتاب: ”بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی“، مرتبہ: ڈاکٹر عبد الرحمان براہوی، ص: ۱۵۶۔ الجزیرہ کے انگریزی ٹی وی چینل نے جنوری ۲۰۱۲ء میں بلوچستان کے مسئلے پر ایک مفصل دستاویزی فلم پیش کی ہے جس میں الجزیرہ ٹی وی کے

پاکستان سے الحاق پر بلوچ مسلمانوں کے تحفظات

لیکن ان مثبت جذبات کے باوجود دو اہم خدشات بلوچستان کے مسلمانوں کو پاکستان میں ضم ہونے سے روک رہے تھے:

پہلا خدشہ: یہ تھا کہ پاکستانی نظامِ حکومت نفاذِ شریعت کے معاملے میں سنجیدہ نہیں اور اگر وہ شریعت نافذ نہیں کرتا تو اس سے الحاق شرعاً ناجائز ہے۔ اسی نکتے کو مولوی عرض محمد نے ۱۵ فروری ۱۹۴۸ء کو قلات کے دارالعوام سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیا:

''میں آپ صاحبان کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ آیا شرعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے ایسے ممالک کا جن میں سے ایک میں اسلامی قوانین رائج ہوں اور دوسرے میں غیر اسلامی، آپس میں الحاق ہو سکتا ہے؟ بروئے شرعِ انور ایسا الحاق ہرگز نہیں ہو سکتا...... قلات کو گیارہ (۱۱)اگست کو آزادی ملی۔ ہماری ریاستِ قلات میں حکومتِ الٰہیہ قائم ہو گئی ہے۔ حکومتِ قلات اس بارے میں اپنا اعلان شائع کر چکی ہے۔ اب حکومتِ پاکستان کو دیکھا جائے، اس نے تاحال حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کا کیا کام کیا ہے؟ وہاں جو قوانین رائج ہیں ان میں حکومتِ الٰہیہ کے قوانین کی بو تک نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ چھوٹے بھائی نے حکومتِ الٰہیہ کا اعلان کر دیا لیکن بڑے بھائی نے تاحال اسلام کا اصول تک بھی تسلیم نہیں کیا۔ وہاں کے تمام قوانین غیر اسلامی ہیں۔ پھر ہم ایسے ملک کو جہاں قوانین اسلامی نافذ ہونے کا اعلان ہو چکا ہو غیر اسلامی قوانین کے ملک میں کس طرح شریک کر سکتے ہیں؟...... اگر حکومتِ پاکستان ہمارا دانہ پانی بھی بند کر دے تو بھی ہم ان کے نظامِ باطل کو قبول نہیں کریں گے۔ وہ پہلے اپنے نظام کو درست کریں، اور حکومتِ الٰہی قائم کرنے کا اعلان کریں، پھر 'من تو شدم، تو من شدی' والا معاملہ بن سکتا ہے...... اس وقت پاکستان میں مرتد

نمائندے احمد زیدان سے گفتگو کرتے ہوئے خانِ قلات میر احمد یار خان کے فرزند، امیر محی الدین نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس کے والد قیامِ پاکستان کے وقت اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ پاکستان کی صورت میں ایک حقیقی اسلامی سلطنت وجود پذیر ہو گئی ہے، البتہ ان کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہو گئی۔ دیکھیے دستاویزی فلم:

."Baluchistan: Pakistan's Other War"

قوانین جاری ہیں، بدمعاشی کے اڈے اور شراب خانے قائم ہیں، قحبہ خانے ہیں۔ حکومت پاکستان پہلے ان کو بند کرے۔ جب تک یہ نہ ہو، حکومتِ قلات کا موجودہ اسلامی نظام کسی باطل نظام سے نہیں مل سکتا"۔[۱۵]

دوسرا خدشہ: یہ تھا کہ پاکستان سے الحاق کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خوددار بلوچ قوم کے معاملات اسی طرح اس کی مرضی کے بغیر طے پائیں گے جیسے انگریز دور میں طے پاتے تھے اور یوں آزادی کے باوجود بلوچ غلام ہی رہیں گے اور ان کی زمین، ان کے وسائل اور ان کے سیاسی معاملات پر کوئی اور قابض ہو گا۔ اسی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بلوچ رہنما سردار حاجی محمد خان شاہوانی نے کہا:

"ہم اس امر کے لیے تیار ہیں کہ پاکستان کو بڑا بھائی سمجھیں اور اپنے کو چھوٹا، لیکن اس سے پہلے ہم اپنی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور کسی حالت میں بھی اپنی حاصل شدہ آزادی کھونے کو تیار نہیں۔ اپنی مکمل آزادی و خودمختاری قائم رکھتے ہوئے ہم ہر قسم کے دوستانہ معاہدے کے لیے تیار ہیں"۔[۱۶]

نیز معروف بلوچ عالمِ دین، مولوی عرض محمد نے اسی حوالے سے کہا:

"ہم بہت خوش ہیں کہ ایک اسلامی سٹیٹ بن گئی ہے جس کی آبادی ساڑھے نو کروڑ ہے۔ ہماری حیثیت اس کے ساتھ چھوٹے بھائی کی ہے۔ بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر دستِ شفقت رکھنا چاہیے، اس کو ہماری دلجوئی کرنی چاہیے۔ ہم غریب، پسماندہ و پراگندہ لوگ ہیں...... پاکستان اگر ہمارا دل موہ لینا چاہتا تو اس کو چاہیے تھا کہ وہ کہتا کہ خاران و لسبیلہ کیا حقیقت رکھتے ہیں، آؤ ان دونوں علاقوں اور (انگریز دور میں) اجرت پر لیے گئے علاقوں سمیت باقی تمام بلوچ علاقے بھی واپس لے لو۔ تم میرے چھوٹے بھائی ہو، میں تم پر شفقت کرتا ہوں...... پھر پاکستان دیکھتا کہ الحاق تو چھوڑو، ہم کس طرح اس کے تابع بن جاتے، لیکن موجودہ صورتِ حال میں تو ہم ایسا نہیں کر سکتے...... پاکستان الحاق پر زور دے کر ہماری آزادی سلب کرنا چاہتا ہے جس کے لیے ہم ہرگز ہرگز تیار نہیں ہو سکتے۔ ہم ایک

---

[۱۵] از کتاب: "بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی"، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۲۱۹،۲۱۸۔

[۱۶] از کتاب: "بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی"، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۲۰۳۔

باعزت اور دوستانہ سمجھوتہ چاہتے ہیں اور اس انداز سے پاکستان جو چیز ہم سے مانگے ہم دینے کو تیار ہیں"۔[۱۷]

کیا یہ تحفظات غلط تھے؟

آنے والے سالوں اور دہائیوں نے یہ بات ثابت کر دی کہ بلوچ مسلمانوں کے یہ دونوں خدشات درست تھے۔ نہ تو اس ملک میں کبھی ایک دن کے لیے بھی شریعت کا نفاذ ہوا، نہ ہی بلوچی مسلمانوں کو آج تک ان کے جائز شرعی حقوق دیئے گئے۔ بلوچستان کے علاقے سوئی میں ۱۹۵۲ء میں گیس دریافت ہوئی۔ اس وقت سے یہ علاقہ پورے پاکستان کو قدرتی گیس فراہم کر رہا ہے، لیکن آج تک سوئی سے ایک دو کلومیٹر کے فاصلے پر موجود آبادیوں تک میں گیس موجود نہیں۔ قلات میں، جو کبھی بلوچستان کا دل ہوتا تھا، ۲۰۰۵ء میں جا کر پہلی بار گیس کی فراہمی شروع کی گئی، یعنی گیس دریافت ہونے کے تقریباً ۵۳ سال بعد! یہی وہ استحصال اور ظلم ہے جس سے بچنے کے لیے بلوچی مسلمان پاکستان میں ضم ہونے سے ہچکچا رہے تھے۔ ان کا موقف شرعی اور منطقی ہر دو اعتبار سے درست تھا۔ نہ تو ان کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بھارت و اسرائیل کے آلۂ کار تھے، نہ ہی وہ کسی اندھی قوم پرستی کا شکار تھے۔ ہم اوپر خانِ قلات کی وہ تقریر نقل کر چکے ہیں جہاں انہوں نے خطبۂ حجۃ الوداع کا ایک ٹکڑا سنا کر ہر قسم کے قومی، نسلی و لسانی تعصبات کی نفی کی اور ایمان و تقویٰ ہی کو فضیلت کا معیار قرار دیا۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جب اس قوم کو مسلسل دیوار کے ساتھ لگایا گیا، اس پر ظلم توڑے گئے اور دینی جماعتوں نے بھی اس ظلم پر چپ سادھے رکھی، تو ردِ عمل میں ان کے اندر ایسی تحریکات ضرور اٹھیں جو اسلام کی طرف بلانے کی بجائے 'قومیت'، 'اشتراکیت' اور 'سیکولرازم' کی دعوت دینے لگیں۔ لیکن مسئلۂ بلوچستان کے آغاز پر ایسے خلافِ شرع نظریات عام نہیں تھے۔ آج بھی امریکہ کی گود میں بیٹھے دین سے بیگانہ چند قائدین کے سوا بلوچ قوم کی غالب اکثریت اسلام سے محبت اور اپنی اسلامی تاریخ پر فخر کرتی ہے اور نفاذِ شریعت

---

[۱۷] از کتاب: "بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی"، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۱۹۵، ۱۹۶۔ اور کتاب: "بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک"، از ڈاکٹر شاہ محمد مری، ص: ۳۰۳۔

کی خاطر اپنا تن من دھن لٹا دینے کو سرمایۂ افتخار سمجھتی ہے۔ تبھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خطہ گزشتہ دس سال سے امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اقامتِ ثانیہ کی جدوجہد میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے اور عالمِ کفر یہ منظر دیکھ کر سیخ پا ہے۔

بلوچستان کا پاکستان سے جبری الحاق

۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قلات کے دارالعوام کے دونوں ایوانوں نے پاکستان سے الحاق پر اپنا متفقہ فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

> ”خانِ معظم (خانِ قلات) اس وطن کی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھتے ہوئے حکومتِ پاکستان کے ساتھ جو باعزت دوستانہ معاہدہ کرنا چاہیں وہ اس دیوان کو منظور و قبول ہو گا، لیکن یہ دیوان پاکستان کے ساتھ الحاق کو جس سے بلوچ قوم کی جداگانہ ہستی ختم ہو جانے کا خطرہ ہے، قبول کرنے کو تیار نہیں“۔[۱۸،۱۹]

[۱۸] از کتاب: ”تاریخِ بلوچستان“، از میر گل خان نصیر، جلد دوم، ص: ۵۰۳۔

[۱۹] یہاں کوئی شخص یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ اس مضمون میں قلات کے دارالعوام کے فیصلے کا ذکر تو کیا گیا ہے لیکن لسبیلہ، خاران اور مکران کی پاکستان میں شمولیت کے فیصلے کا ذکر نہیں کیا گیا؟ جواباً عرض ہے کہ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ خاران، مکران اور لسبیلہ کی طرف سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن اس موقف کو یہاں نمایاں نہ کرنے کے متعدد اسباب ہیں۔ **پہلا سبب** تو یہ ہے کہ بلوچ عوام کی غالب اکثریت خانِ قلات کو اپنا اصل نمائندہ سمجھتی تھی اور دارالعوام میں تقریباً تمام اہم بلوچ قبائل کی نمائندگی موجود تھی، اسی لیے ان کا فیصلہ ہی بلوچ قوم کا نمائندہ فیصلہ سمجھا جا سکتا ہے۔ **دوسرا سبب** یہ کہ خاران، لسبیلہ اور مکران تینوں ہی دراصل ریاستِ قلات کے علاقے تھے جنہیں انگریز نے چند سال قبل ہی کاٹ کر علیحدہ کیا تھا۔ لیکن قیامِ پاکستان سے قبل خانِ قلات برطانوی قیادت کو تحریراً یہ یادداشت پیش کر چکے تھے کہ انگریز کے جانے کے بعد خاران، مکران اور لسبیلہ پر قلات کی مکمل عمل داری دوبارہ بحال ہو جائے گی اور پاکستان کی سیاسی قیادت نے اس وقت اس موقف کی درستی کو تسلیم کیا تھا۔ (دیکھیے: ”بلوچستان، عالمی قوتوں کے نرغے میں“، ص: ۵۱ تا ۵۳) پھر قیامِ پاکستان کے بعد قلات کے ان علاقوں کو خانِ قلات سے رجوع کیے بغیر پاکستان میں ضم کرنا ہر اعتبار سے بے جواز تھا۔ **تیسرا سبب** یہ کہ خاران، لسبیلہ اور مکران نے اگر پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا تو یہ تو عین متوقع تھا، کیونکہ انگریز کے مضبوط قبضے تلے رہنے والے ان علاقوں کی تقدیر وہاں کے معززین یا عوام کی مشاورت سے نہیں طے ہو رہی تھی بلکہ ان کی گردن پر مسلط انگریزوں کی ٹوڈی قیادت نے انگریز کو راضی کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا جائے گا، انگریز بلوچ قوم کو آزاد نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور

قلات کے دارالعوام کا یہ فیصلہ پاکستان کی فوج اور حکومت کے لیے کوئی غیر متوقع امر نہیں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ قیامِ پاکستان سے چند دن قبل ہی دہلی میں ایک گول میز کانفرنس کے بعد، ۱۱ اگست، ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا تھا جس پر وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن، خانِ قلات، لیاقت علی خان اور محمد علی جناح، سبھی کے دستخط موجود تھے۔ اس اعلامیہ کا پہلا نکتہ ہی یہ تھا کہ:

> ''حکومتِ پاکستان قلات کو ایک **آزاد و خود مختار ریاست** کے طور پر تسلیم کرتی ہے، جس کے برطانیہ سے معاہداتی تعلقات ہیں اور جس کا منصب و مرتبہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے مختلف ہے''۔[20]

لیکن اس کے باوجود، جب قلات کے دارالعوام نے الحاق کے خلاف فیصلہ دیا تو پاکستانی حکومت نے بہت سخت ردِ عمل ظاہر کیا اور خانِ قلات پر یہ بات واضح کر دی کہ پاکستان کو بلوچستان کے الحاق کے سوا کچھ منظور نہیں ہو گا۔ چنانچہ ایک طرف ۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ میں تعینات ۷ ویں بلوچ رجمنٹ کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل گلزار احمد کو حکم دیا گیا کہ وہ قلات کے خلاف کارروائی کے لیے تیار رہے، تو دوسری طرف پاکستانی بحریہ بھی اپنی تاریخ میں پہلی بار حرکت میں آئی (اور وہ بھی مسلمانوں ہی کے خلاف) اور اس کا بحری بیڑہ جیونی اور پسنی پہنچ گیا۔[21]

اسے علی گڑھ کے تربیت یافتہ سیاست دانوں اور انگریز کے پروردہ بیوروکریٹوں اور جرنیلوں ہی کے تابع رکھنا چاہتے تھے جنہیں وہ اپنی وراثت کا امین بنا کر انگلستان واپس جا رہے تھے۔ فرنگی کی خواہش تھی کی وہ جو نظام پیچھے چھوڑ کر جا رہا ہے وہ برقرار رہے اور زمامِ امور اس کے وفادار طبقے کے ہاتھ سے ہرگز نہ نکلے۔ بلوچوں کی دین سے محبت، شریعت نافذ کرنے کی تڑپ اور جنگجوانہ صفات سبھی سے انگریز واقف تھا اور اسی لیے وہ ان کو قوت میں دیکھنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔

[20] از کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۱۰۹؛ کتاب: ''بلوچستان'' از سلطان محمد صابر، ص: ۶۷ اور کتاب: ''بلوچستان عالمی قوتوں کے نرغے میں''، از سید نوید حیدر ہاشمی، ص: ۵۴۔

[21] از کتاب: ''تاریخِ بلوچستان''، از پروفیسر عزیز محمد بگٹی، ص: ۱۰۵۔ نیز دیکھیے کتاب: ''بلوچستان، وسائل میں مسائل''، از عزیز بگٹی، ص: ۱۴؛ اور کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۲۳۹ اور ص: ۲۶۷؛ اور دیکھیے: ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

چند دن قبل ہی قلات کو آزاد ریاست تسلیم کرنے کے بعد حکومتِ پاکستان کی طرف سے اتنا شدید ردِ عمل کیوں سامنے آیا؟ اس کا سبب جاننا بھی اہم ہے۔ دراصل یہ اس امر کا پہلا ثبوت تھا کہ پاکستان آزادی پانے کے باوجود فرنگی کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکا۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت کے مرکزی وزیر برائے ممالکِ دولتِ مشترکہ، آرتھر ہینڈرسن نے حکومتِ پاکستان کے نام اپنے ایک خفیہ مراسلے میں بلوچستان کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کرنے یا اس کے ساتھ برابری کی سطح پر معاہدہ کرنے سے منع کیا تھا۔[۲۲] پاکستانی حکومت و فوج فرنگی کے اسی فرمان کی روشنی میں اپنے مؤقف سے پھر گئی اور عسکری قوت کے بل پر بلوچی مسلمانوں کو اپنے تابع کرنا چاہا۔ جب خانِ قلات نے دیکھا کہ حالات خون خرابے کی طرف جا رہے ہیں تو اس نے مجبوراً الحاق نامے پر دستخط کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۸ مارچ، ۱۹۴۸ء کو خانِ قلات نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر، دارالعوام سے مشورہ کئے بغیر ہی کراچی جا کر الحاق نامے پر دستخط کر دیئے۔ الحاق نامے کی رو سے صرف دفاع، خارجہ اور مواصلات کے امور مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہنے تھے جبکہ باقی تمام امور میں ریاستِ قلات آزاد تھی۔[۲۳]

بلوچستان میں پہلا فوجی آپریشن (۱۹۴۸ء)

ابھی بلوچی مسلمان اس صدمے سے باہر نہیں آئے تھے کہ صرف پندرہ دن بعد ہی گورنر جنرل پاکستان کا نمائندہ برائے بلوچستان، خانِ قلات کے پاس پہنچا اور اسے یہ اطلاع دی کہ آج سے قلات سمیت پورے بلوچستان کے داخلی معاملات بھی مرکزی حکومت نے براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں اور خانِ قلات پر لازم ہے کہ وہ ان امور میں مداخلت نہ کرے۔ اس نئے فرمان کے ساتھ ہی پاکستانی فوج قلات میں داخل ہو گئی اور خانِ قلات کو نظر بند کر دیا۔ بلوچ رہنماؤں کو گرفتار اور ریاست بدر کرنے کے لیے چھاپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، وزیرِ اعظم قلات اور تمام وزراء کو تین

[۲۲] اس خفیہ مراسلے کی اصل انگریزی عبارت اور اردو ترجمہ پڑھنے کے لیے دیکھیں کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۱۸۲، ۱۸۳۔

[۲۳] از کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۲۳۹ اور ص: ۲۶۷۔ نیز دیکھیے کتاب: ''بلوچستان، وسائل میں مسائل''، از عزیز بگٹی، ص: ۱۴۔

گھنٹے کے اندر اندر قلات چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا، میر غوث بخش بزنجو، مولوی عمر، مولوی عرض محمد اور میر گل خان نصیر سمیت متعدد چوٹی کے رہنماؤں کو قید کر لیا گیا اور بہت سے اہم سرکاری ملازمین کو برطرف کر دیا گیا تاکہ مرکز سے وفادار ایک نئی انتظامیہ سامنے لائی جا سکے۔[۲۴] غرض الحاق نامے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے، بلوچی مسلمانوں کے داخلی معاملات بھی مرکزی حکومت نے جبراً اپنے ہاتھ میں لے لیے اور قیامِ پاکستان کے صرف ۸ ماہ کے اندر اندر بلوچستان میں اپنے پہلے فوجی آپریشن کا آغاز کر دیا۔

خانِ قلات کے چھوٹے بھائی، شہزادہ عبدالکریم نے اس ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا فیصلہ کیا اور خان کی خاموش تائید سے مئی ۱۹۴۸ء کو ایک مسلح جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا۔ شہزادہ عبدالکریم نے سرحد پار کر کے افغانستان کے مقام سرلٹھ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں پانچ ہزار مسلح افراد کا لشکر اکٹھا کر لیا۔ پاکستانی حکام نے آپ کے ساتھ مذاکرات شروع کیے اور ہربوئی کی پہاڑیوں میں آپ کے ساتھ ایک سمجھوتے پر دستخط کیے اور قرآن پر حلف اٹھا کر سمجھوتے کی پاسداری کا عہد کیا۔ سمجھوتے کے بعد شہزادے نے اپنے بیشتر مسلح ساتھیوں کو منتشر کر دیا اور صرف سو کے قریب ساتھی ہمراہ لے کر قلات کی طرف روانہ ہوا تو پاکستانی فوج نے خیانت کرتے ہوئے گھات لگائی اور ان سب کو گرفتار کر لیا۔ ان گرفتار شدگان کو مقدمے چلا کر جیلوں میں ڈال دیا گیا اور شہزادہ عبدالکریم کو بھی دس سال قید کی سزا سنا کر جیل بھیج دیا گیا۔[۲۵] یوں فوج کا پہلا آپریشن کامیابی سے اختتام پذیر ہوا اور بلوچ مسلمانوں کے ذہنوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ نقش چھوڑ گیا کہ پاکستان تو آزاد ہو گیا ہے، لیکن بلوچی مسلمان پھر بھی فرنگی کی پروردہ پاکستانی فوج کے غلام ہیں۔

---

[۲۴] از کتاب: ''بلوچستان، وسائل میں مسائل'' از عزیز بگٹی، ص: ۱۵۔

[۲۵] از کتاب: ''بلوچستان، وسائل میں مسائل''، از عزیز بگٹی، ص: ۱۷؛ اور کتاب: ''بلوچستان اور پاکستان، الحاق کی کہانی حقائق کی زبانی''، مرتبہ: ڈاکٹر عبدالرحمان براہوی، ص: ۲۶۹ تا ۲۷۱۔ اور دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: Baluchistan Conflict؛ نیز ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

بلوچستان میں دوسرا فوجی آپریشن (۱۹۵۸ء)

چونکہ مشرقی پاکستان کی آبادی مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کی آبادی سے زیادہ تھی، لہٰذا اس کا توڑ کرنے کے لیے مغربی پاکستان میں بیٹھی اسٹیبلشمنٹ نے ۵۰ء کی دہائی میں "وَن یونٹ سکیم" نافذ کردی۔ اس منصوبے کے تحت پورے مغربی پاکستان (یعنی موجودہ پاکستان) کو ایک صوبہ قرار دے دیا گیا۔ بلوچی مسلمانوں نے، جو پہلے ہی اپنے معاملات میں مرکزی حکومت کی مداخلت سے بیزار تھے، اس منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ شہزادہ عبدالکریم، جو سن ۵۵ء میں رہا ہو گئے تھے، سمیت کئی نمایاں بلوچ سرداروں، قائدین اور علماء نے اس منصوبے کے خلاف بلوچستان بھر میں حکومت سے عدم تعاون کی تحریک کا آغاز کیا۔ حالات کا یہ رخ دیکھ کر ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایوب خان کے احکامات پر فوج نے ایک بار پھر بلوچستان میں فوجی آپریشن کا آغاز کیا تاکہ اس پرامن تحریک کو کچلا جاسکے۔ خانِ قلات اور کئی نمایاں قائدین کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں افغان حکومت کا آلۂ کار بن کر پاکستان میں عدم استحکام پھیلانے کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔[26] خانِ قلات میر احمد یار خان نے اپنی کتاب میں اس آپریشن کے آغاز کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

"اس باب کا آغاز ۱۶ اکتوبر، ۱۹۵۸ء کی ایک خون آشام صبح کو ہوتا ہے جب اذان کی روح پرور گونج خدا پرست پاکستانی بلوچوں سے لبیک وصول کر رہی تھی کہ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور چیختے چنگھاڑتے مٹیالی رنگت کے ٹرکوں کی گڑگڑاہٹ نے سجدۂ عبودیت کی تیاری کرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قلات شہر کو تین اطراف سے گھیرے میں لے لیا گیا۔ نیند سے بیدار ہوتے ہی سادہ لوح بلوچوں نے دیکھا کہ قلات سے کوئٹہ ائیرپورٹ جانے والی طویل سڑک پر فوج ہی فوج ایستادہ ہے۔ قلات کی نواحی پہاڑیوں اور شہر میں جگہ جگہ بڑے دہانے کی توپیں نصب تھیں۔ لوگ حیرت میں غرق سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ لشکرِ عظیم یہاں اچانک کیسے وارد ہوا؟ کہیں ۱۳ نومبر ۱۸۳۹ء کی یاد تو تازہ نہیں کی جارہی؟ مگر کیونکر؟ اس روز تو انگریزی

---

[26] از کتاب: "بلوچستان، وسائل میں مسائل"، از عزیز بگٹی، ص: ۳۰؛ اور دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: Baluchistan Conflict؛ نیز ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

سپاہ نے میر محراب خان شہید پر شب خون مارا تھا۔ مگر آج تو انگریز نہیں ہے، یہ فوج تو پاکستانی ہے۔ یہ شہر بھی پاکستانی ہے اور اس کا شہریار بھی پاکستانی! پھر یہ ہولناک منظر کیوں؟ قلات کے باشندے ابھی کچھ بھی نہ سمجھ پائے تھے کہ توپ کے ایک گولے نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ شاہی مسجد کے مینار پر گولے برسائے جارہے تھے۔ مسجد کے مینار اور مقدس پرچم کو گرانے کے لیے توپیں کلائیو یا ولنگٹن کے احکامات پر لوڈ نہیں ہو رہی تھیں۔ یہ سب کچھ مملکتِ پاکستان کا صدر کروا رہا تھا!''[۲۷]

فوجی مداخلت، مساجد کی تباہی اور عام آبادی کے قتلِ عام کے خلاف نوے سالہ بزرگ بلوچ سردار، نوروز خان زہری نے ہتھیار اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ قلات میں مسلح تصادم ہوئے اور پاکستانی فوج نے امریکی فوج کے تعاون سے وہاں جو فوجی تنصیبات تعمیر کی تھیں، بلوچ چھاپہ مار دستوں نے انہیں خاطر خواہ نقصان پہنچایا۔ فوج نے 'وڈھ' کی طرف پیش قدمی کی تو وہاں بھی قبائلیوں نے مل کر فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ چھاپہ مار جنگ ایک سال سے زائد عرصہ جاری رہی۔ فوج نے اس دوران سردار نوروز خان سمیت بہت سے نمایاں مزاحمت کاروں کے گھر تباہ اور جائیدادیں ضبط کیں، بے سر وسامان بلوچی مسلمانوں کے خلاف ٹینک، بھاری توپوں اور جنگی جہازوں سمیت سبھی مہلک اسلحہ استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کا لہو بہانے سے لمحہ بھر دریغ نہیں کیا۔ ۱۹۶۰ء کے اوائل میں فریقین کے درمیان مذاکرات کامیاب ہو گئے اور سردار نوروز خان نے ہتھیار رکھ دیئے کیونکہ فوج نے ان سے ''وَن یونٹ'' منصوبے کے خاتمے اور تمام مزاحمت کاروں کی عام معافی کا وعدہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ بھی بلوچوں کے اصرار پر ایک بار پھر قرآن پر ہاتھ رکھ کر کیا گیا۔ چنانچہ سردار نوروز پہاڑوں سے اتر آئے اور کرنل ٹکا خان کی زیرِ قیادت موجود فوجیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ایک بار پھر، فوج نے قرآنِ کریم پر عہد کرنے کے بعد عہد شکنی کی اور سردار نوروز، ان کے بیٹوں اور قریبی حامیوں کو گرفتار کر کے قلی کیمپ کے اذیت خانوں میں ڈال دیا۔ سردار کے چھ بیٹوں، قریبی رشتہ داروں اور حامیوں کو پھانسیاں دے کر مار دیا گیا، جبکہ سردار نوروز کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ سردار

---

[۲۷] دیکھیے: ''قومِ بلوچ اور خوانینِ بلوچ'' از خانِ قلات میر احمد یار خان، ص: ۱۷۹۔

نوروز ان صدموں کی تاب نہ لا کر جیل خانے میں فوت ہو گئے۔[۲۸] یوں وقتی طور پر تو بلوچی مسلمانوں کی مزاحمت کی کمر توڑ دی گئی، لیکن اس کے نتیجے میں بلوچ قوم ہمیشہ کے لیے پاکستانی فوج سے ذہناً و قلباً متنفر ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ جو فوج اور حکومت بار بار عہد شکنی کرے، قرآنِ کریم پر لیے گئے حلف توڑ ڈالے، مساجد اور عام آبادیوں پر گولہ باری کرے، قوم کے معززین کو چن چن کر بے دردی سے قتل کرے، اسے کون عقل مند آدمی ''اپنی فوج'' سمجھ سکتا تھا؟

بلوچستان میں تیسرا فوجی آپریشن (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۹ء)

بلوچی مسلمان فوج کے مظالم اور خیانتیں دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ عزت سے جینے اور اپنے جائز حقوق لینے کے لیے انہیں چھاپہ مار جنگ کو مستقل بنیادوں پر اور منظم انداز سے آگے بڑھانا ہو گا۔ دوسری طرف فوج نے بھی ایسے ظالمانہ اقدامات کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا جو اس آگ کو مزید بھڑکانے کا باعث بن رہے تھے۔ فوج نے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں نئی چھاؤنیاں اور فوجی تنصیبات تعمیر کرنا شروع کر دی تھیں اور بلوچی مسلمانوں کو سزا دینے کے لیے نصیر آباد اور لسبیلہ کے علاقوں کو بلوچستان سے کاٹ کر سندھ کا حصہ بنا دیا تھا۔ اسی طرح فوج نے مری قبائل کو سزا دینے کے لیے ان کے علاقے میں واقع تیرہ ہزار (۱۳,۰۰۰) ایکڑ پر پھیلے بادام کے باغات پر بلڈوزر پھروا دیا۔ ان سب اقدامات نے بلوچوں کو مسلح مزاحمت کی راہ اختیار کرنے پر مزید یکسو کر دیا۔ چنانچہ سردار شیر محمد مری اور کئی دیگر بلوچ سرداروں نے پہاڑوں کا رخ کیا اور مینگل، مری اور بگٹی قبائل کے علاقوں میں واقع پہاڑی سلسلے میں عسکری تربیت کے مراکز بنائے۔ یوں بلوچ قوم نے ایک مستقل عسکری مزاحمت کا آغاز کیا جو ۱۹۶۹ء تک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی۔ یہ مزاحمت دبانے کے لیے فوجی آپریشن بھی مستقلاً جاری رہا۔ اس مسلح مزاحمت میں عارضی وقفہ اس وقت آیا جب ۱۹۶۹ء میں یحییٰ خان نے ''وَن یونٹ'' منصوبہ منسوخ کر دیا اور ۱۹۷۰ء میں

---

[۲۸] از کتاب: ''تاریخِ بلوچستان''، از پروفیسر عزیز محمد بگٹی، ص: ۱۱۵؛ اور کتاب: ''بلوچستان، وسائل میں مسائل''، از عزیز بگٹی، ص: ۳۰، ۳۱؛ اور کتاب: ''سلگتا بلوچستان''، از عابد میر، ص: ۸۰۔ اور دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: Baluchistan Conflict؛ نیز ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

بلوچستان کو ایک علیحدہ صوبے کی حیثیت دے دی گئی۔ اس تبدیلی کو دیکھتے ہوئے بلوچ مزاحمت کار بھی فائر بندی پر راضی ہو گئے، لیکن ان کی بہت سی عسکری تربیت گاہیں اور بنیادی مزاحمتی ڈھانچہ اپنی جگہ بر قرار رہا تاکہ ضرورت پڑنے پر مسلح تحریک دوبارہ شروع کی جا سکے۔[۲۹]

بلوچستان میں چوتھا فوجی آپریشن (۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۷ء)

۱۹۷۱ء کے الیکشن میں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ جبکہ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی فتح یاب ہوئی۔ بحیثیتِ مجموعی عوامی لیگ کے ووٹ سب سے زیادہ تھے اور حکومت بنانا اسی کا کام تھا، لیکن اسے یہ موقع نہیں دیا گیا۔ نتیجتاً فوج اور اسٹیبلشمنٹ کے مظالم کے خلاف سالوں سے پکتا لاوا پھٹ پڑا اور مشرقی پاکستان کو علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بننے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ دوسری جانب مغربی پاکستان میں صورتِ حال یہ تھی کہ پنجاب وسندھ میں بھٹو کی جماعت پیپلز پارٹی فتح یاب ہوئی تھی، جبکہ سرحد اور بلوچستان میں جمیعتِ علمائے اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کے اتحاد کو کامیابی ملی تھی۔ بلوچ سیاسی قائدین بھی نیپ کا حصہ تھے۔ چنانچہ فتح کے بعد، بلوچستان میں سردار عطاء اللہ مینگل اور سرحد میں مفتی محمود وزیرِ اعلیٰ بنے۔ بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد بلوچستان میں بھی اپنے حقوق کے مطالبات زور پکڑنے لگے اور بلوچوں نے بھی بتدریج سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ بھٹو ایک انتہائی سفاک طبیعت انسان تھا اور اپنے عوام کے خلاف فوجی قوت کے استعمال سے ذرا نہیں چوکتا تھا۔ نیز وہ کبھی بھی اپنے سیاسی مخالفین کو زور نہیں پکڑنے دیتا تھا اور ہر مکروہ حربہ استعمال کرتے ہوئے ان کی قوت توڑنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے چھ ماہ کے دوران بلوچستان کی دو حکومتیں توڑ ڈالیں، نیپ پر پابندی لگا دی، ۱۹۷۳ء میں سرحد اور بلوچستان میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور بلوچستان کے دو وزرائے اعلیٰ، دو گورنروں اور ۴۴ کے قریب ممبرانِ قومی وصوبائی اسمبلی کو گرفتار کر کے ان کے خلاف حیدر آباد میں قائم خصوصی عدالتوں میں غداری کے مقدمے چلائے۔ ان اقدامات نے ایک بار پھر بلوچستان میں مسلح مزاحمت کو زندہ کر دیا اور ایک بار

[۲۹] از کتاب: ''بلوچستان عالمی قوتوں کے نرغے میں''، از سید نوید حیدر ہاشمی، ص: ۴۵۔ اور دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: Baluchistan Conflict اور Baluch Insurgency؛ نیز ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

پھر فوجی قافلوں اور تنصیبات پر حملوں کا آغاز ہو گیا۔ البتہ اس بار یہ حملے محض فوجی قافلوں تک محدود نہیں تھے، بلکہ کوئٹہ وغیرہ میں مقیم عام پنجابی مسلمانوں کو بھی نشانہ بنایا جانے لگا، جو کہ یقیناً ایک خلافِ شرع اور قابلِ افسوس امر تھا۔ سالہا سال تک پنجاب سے تعلق رکھنے والی فوجی یونٹوں کے ہاتھوں ظلم سہنے کے بعد کئی بلوچ مزاحمت کاروں اور بلوچ قائدین کے نزدیک 'پنجاب' اور 'فوج' کے درمیان کوئی فرق باقی نہ بچا تھا۔ وہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے ہر مسلمان کو ہی فوج کے مظالم کا حامی و مددگار سمجھنے لگے تھے۔

بھٹو نے سول نافرمانی اور مسلح مزاحمت کو زور پکڑتا دیکھ کر اس سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور فوج کو بلوچستان میں اپنا تیسرا آپریشن شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اس نے مزاحمت کاروں کو عراق اور روس کا آلۂ کار قرار دیا اور جنرل ٹکا خان کو مزاحمت کچل ڈالنے کے احکامات دیئے۔ وہی جنرل ٹکا خان جس نے کرنل ہوتے ہوئے قرآن پر عہد کی خلاف ورزی کی تھی اور جو مشرقی پاکستان میں اپنے مظالم کی وجہ سے "The butcher of Bengal" یعنی "بنگالیوں کو ذبح کرنے والا قصائی" کا لقب پا چکا تھا، اب وہ بلوچی مسلمانوں پر بھی یہی تجربات دہرانے کے لیے آگے بڑھا۔ آپریشن کے نقطۂ عروج پر تقریباً اسی ہزار (۸۰,۰۰۰) زمینی فوج بلوچستان میں موجود تھی۔ زمینی فوج کے ساتھ ساتھ فضائیہ بھی حرکت میں آئی اور مزاحمت کاروں اور عام آبادی میں تفریق کیے بغیر، سبھی پر بمباری کی۔ بحریہ کو بھی آپریشن میں شرکت کا حکم دیا گیا اور وائس ایڈمرل پیٹرک سمسن نامی کافر جرنیل کی قیادت میں پاکستانی بحریہ نے بھی اس "کارِ خیر" میں حصہ ڈالا۔ بحریہ نے ایک طرف تو فوج کو پانی کے راستے رسد پہنچانے کا کام کیا اور دوسری طرف بلوچی مسلمانوں کی مکمل بحری ناکہ بندی کر کے ان تک کسی قسم کی بھی بیرونی امداد پہنچنے کے رستے بند کر دیئے۔ پھر یہی نہیں، بلکہ پاکستان نے اپنے ملک کے اس داخلی مسئلے کو حل کرنے اور اپنے عوام کے خلاف جنگ کرنے میں ایک اور ملک سے مدد لی۔ ایران، جو کہ اس وقت برطانیہ و امریکہ کے زیرِ اثر اور ان کا حلیف تھا، بلوچ مزاحمت کاروں کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھتا تھا۔ بلوچی سنی مسلمانوں کا ایک کافی بڑا علاقہ ایران کے زیرِ قبضہ تھا اور بلوچ اسے بھی بازیاب کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ پاکستان نے ایران سے بھی مدد طلب کی۔ ایران نے پاکستانی فوج کو بلوچی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے ۲۰ کروڑ ڈالر دیئے اور اپنے ۳۰ کے قریب 'کوبرا' جنگی ہیلی کاپٹر میدان میں اتارے۔ یہ ہیلی کاپٹر، جنہیں

ایرانی پائلٹ ہی اڑاتے تھے، افواجِ پاکستان کی اجازت سے بلوچ مسلمانوں پر بمباری کرتے تھے۔ ۱۹۷۷ء تک جاری رہنے والے اس آپریشن کے دوران کل تین ہزار (۳۰۰۰) کے قریب فوجی مارے گئے، جبکہ ساڑھے سات ہزار سے نو ہزار (۹۰۰۰) کے درمیان بلوچ مزاحمت کار اور عام بلوچ مرد، عورتیں اور بچے قتل کر دیئے گئے۔[۳۰]

چوتھے اور پانچویں فوجی آپریشن کے درمیان کا عرصہ

ضیاء نے بھٹو کا تختہ الٹنے کے بعد بلوچستان میں جنرل رحیم الدین خان کو گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔ جنرل رحیم نے جس وقت معاملات ہاتھ میں لیے تو بلوچ مزاحمتی تحریک پہلے ہی کافی کمزور ہو چکی تھی۔ ایک طرف ان سے کئی گنا طاقتور پاکستانی فوج اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کی کمر توڑنے کے درپے تھی تو پشت سے ایرانی فوج ان پر دباؤ بڑھا رہی تھی۔ سمندر کی طرف سے بھی مکمل ناکہ بندی تھی۔ اس صورتِ حال نے مسلح تحریک کا گلا بڑی حد تک گھونٹ دیا تھا۔ چنانچہ جنرل رحیم نے معاملات ہاتھ میں لینے کے بعد ہتھیار ڈالنے والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا، کئی بلوچ سیاسی قائدین پر دباؤ ڈال کر انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا، بلوچ قوم سے ترقیاتی کاموں کے وعدے کئے اور یوں زیادہ خون خرابے کے بغیر ہی حالات پر قابو پا لیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد افغانستان میں روس در آیا اور جہادِ افغانستان ساری دنیا کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ بلوچستان کی سرزمین نے بھی اس جہاد میں سینکڑوں شہداء پیش کیے۔ کوئٹہ، چمن اور دیگر سرحدی علاقے افغان اور عرب مجاہدین کے لیے ایک اہم جہادی مرکز کا کام دیتے رہے جہاں زخمیوں کا علاج ہوتا، اسلحے کی خریداری و ترسیل کا کام کیا جاتا اور دیگر ضروری انتظامی امور انجام پاتے۔ اسی عرصے میں جہاں بلوچ قوم کے بہت سے لوگ شریکِ جہاد تھے، وہیں بعض نمایاں بلوچ سیاسی رہنما پاکستانی فوج کے مظالم سے تنگ آ کر سوویت اتحاد کی گود میں جا بیٹھے۔ جہادِ افغانستان کے دوران ان

---

[۳۰] از کتاب: "بلوچستان وسائل میں مسائل"، از عزیز بگٹی، ص: ۳۰، ۳۱؛ اور کتاب: "بلوچستان عالمی قوتوں کے نرغے میں"، از سید نوید حیدر ہاشمی، ص: ۴۶؛ اور کتاب: "سلگتا بلوچستان"، از عابد میر، ص: ۸۱۔ اور دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: Baluchistan Conflict اور Baluch Insurgency؛ نیز ویب سائٹ (Baloch2day.com)۔

سرداروں کا کردار انتہائی منفی رہا اور بلوچ قوم کی تاریخ میں پہلی بار قوم کے بعض بااثر عناصر کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔ عین اس وقت جب بلوچ قوم کے سینکڑوں غیور نوجوان افغانستان جاجا کر شریکِ جہاد ہو رہے تھے اور سوویت فتنے کو روکنے کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے دے رہے تھے تو بعض بلوچ قائدین سرخ جھنڈے لہرا کر بلوچستان میں سوویت افواج کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے[31]۔ لیکن اس غیر شرعی رویے کو بلوچ قوم کا اجتماعی رویہ قرار دینا یا یہ سمجھنا کہ اس عرصے میں پورا بلوچستان ہی اللہ کے انکار پر مبنی ملحدانہ اشتراکی نظریات کی رو میں بہہ گیا تھا، خلافِ واقع ہو گا۔

الغرض، افغان جہاد کے دوران بلوچستان کا مسئلہ کافی حد تک پس منظر میں چلا گیا اور افغانستان ہی توجہ کا مرکز رہا، لیکن چونکہ بہت سے دعووں اور وعدوں کے باوجود بلوچ قوم کے ساتھ حکومت و فوج کے سلوک میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی اس لیے بلوچستان کا مسئلہ پھر بھی ختم نہیں ہو سکا۔

ساٹھ سال بعد بھی بلوچی مسلمانوں کے مسائل جوں کے توں!

تین اقوام ایسی ہیں جن کی نفرت و تحقیر پاکستان کی سول و فوجی اسٹیبلشمنٹ کو فرنگی سے ورثے میں ملی ہے۔ یہ تین اقوام ہیں: بنگالی، بلوچ اور قبائلی علاقہ جات کے پشتون۔ ان تینوں قوموں سے انگریز کی نفرت کا بنیادی سبب ان قوموں کی دین سے والہانہ وابستگی اور ان کے اندر پایا جانے والا بغاوت کا مادہ ہے۔ یہ تینوں اقوام انتہائی خوددار، غیور اور جنگجو اقوام ہیں اور ۱۸۵۷ء سے لے کر قیامِ پاکستان تک انگریز کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک میں یہی سب سے پیش پیش رہی ہیں۔ تبھی فرنگی ان سے شدید نفرت کرتا تھا اور انہیں دبا کر رکھنے اور ان کے حقوق سلب کرنے کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا رہتا تھا۔ افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ فرنگی کو روانہ ہوئے ۶۰ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود، پاکستانی فوج اور انتظامیہ تاحال اس فرنگی ذہنیت سے باہر نہیں نکل سکی اور نجانے

---

[31] از: "موسوعة الذخائر العظام في ما أثر عن الإمام الهمام الشهيد عبدالله عزام رحمه الله"، المجلد الثاني، تحت العنوان: "اليوم أفغانستان و غدًا عربستان"، ص: ۳۷۔

کیوں آج تک ان اقوام کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھنے اور ان سے ظالمانہ سلوک کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے؟ جرنیلوں، جاگیرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل یہ حکمران ٹولہ نہ صرف اسلام سے مخلص نہیں، بلکہ "ملکِ پاکستان" اور "اہلِ پاکستان" سے بھی مخلص نہیں ہے۔ اگر حکمران طبقہ محض "محبِ وطن" بھی ہوتا تو بلوچستان، اندرونِ سندھ اور قبائلی علاقہ جات کے مسائل کو حل کرنے کی طرف بعض قدم اٹھ سکتے تھے، لیکن ہماری بد قسمتی کہ ہم پر ایک ایسی غلامانہ ذہنیت کا حامل بے دین طبقہ مسلط ہے جو آنکھیں بند کر کے اپنے فرنگی آقا کی چھوڑی ہوئی میراث کے ہر ذرے کو تاحال سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ تبھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج تک فوج میں مختلف صوبوں اور اقوام کی نمائندگی انتہائی غیر منصفانہ اور نہایت غیر معقول ہے۔

پاکستانی فوج میں پنشن یافتہ جے سی اوز (نچلی سطح کے افسروں) اور سپاہیوں کا علاقائی لحاظ سے تناسب

پاکستانی فوج میں پنشن یافتہ افسر طبقے کا علاقائی لحاظ سے تناسب[۳۲]

اوپر دیے گئے نقشوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی فوج میں آج تک بلوچوں کی کل نمائندگی ایک فیصد سے بھی کم، بلکہ اتنی ناقابلِ ذکر ہے کہ اسے نقشے میں ظاہر کرنا بھی دشوار ہے۔ پاکستانی فوج میں 'بلوچ رجمنٹ' کے نام سے جو رجمنٹ پائی جاتی ہے اس کا بھی بڑا حصہ بلوچوں پر مشتمل نہیں۔ ۱۹۵٦ء میں بلوچ رجمنٹ میں ۸ویں پنجاب رجمنٹ اور بہاولپور رجمنٹ کو ضم کر دیا گیا تھا[۳۳] اور یوں اس میں پنجاب ہی سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کی اکثریت ہے۔ موجودہ فوجی سربراہ اشفاق پرویز کیانی بھی بلوچ رجمنٹ سے تعلق رکھتا ہے حالانکہ اس کا آبائی علاقہ پنجاب کا خطۂ پوٹھوار ہے۔ نیز یہ بات بھی اہم ہے کہ پنجاب میں بھی ہر علاقے کے لوگوں کو فوج میں نمائندگی نہیں دی گئی بلکہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پنجاب کے صرف تین علاقوں یعنی راولپنڈی، جہلم اور

---

[۳۲] دیکھیے: مصنفہ عائشہ صدیقہ کی کتاب: .Military INC، ص: ۲۱۵، ۲۱۴

[۳۳] دیکھیے: وکی پیڈیا، نامِ عنوان: "بلوچ رجمنٹ"۔

چکوال ہی سے زیادہ تر فوجی بھرتی کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح سرحد میں بھی فوجیوں کی غالب اکثریت محض دو علاقوں یعنی بونیر اور کوہاٹ سے بھرتی کی جاتی ہے جبکہ باقی علاقوں کی نمائندگی نہایت محدود ہے۔ سندھ میں بھی اندرونِ سندھ کی سندھی آبادی کی نمائندگی ایک فیصد سے بھی کم ہے اور سندھ کے کوٹے پر آنے والے فوجیوں کی غالب اکثریت کراچی و حیدر آباد سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اسی متعصب پالیسی کا تسلسل ہے جو اس سے قبل سقوطِ ڈھاکہ کا باعث بن چکی ہے۔ ۱۹۷۱ء تک پاکستانی فوج کے ۲۳ جرنیلوں میں سے کسی ایک کا بھی ملک کے سب سے بڑی آبادی والے صوبے مشرقی پاکستان سے تعلق نہیں تھا، ۳۵ بریگیڈیئروں میں سے صرف ایک بنگالی تھا، ۵۰ کرنلوں میں سے بھی صرف ایک بنگالی تھا، ۶۰۰ میجروں میں سے صرف دس بنگالی تھے، نیوی کے ۶۰۰ افسروں میں سے صرف ۷ بنگالی تھے اور فضائیہ کے ۶۸۰ افسروں میں سے صرف ۴۰ بنگالی تھے۔ بیوروکریسی کا حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ ۱۹ سیکرٹریوں میں سے ایک بھی بنگالی نہ تھا، ۴۱ جوائنٹ سیکرٹریوں میں سے محض تین بنگالی تھے، ۱۳۳ ڈپٹی سیکرٹریوں میں سے صرف ۱۰ بنگالی تھے اور ۵۴۸ انڈر سیکرٹریوں میں سے صرف ۳۸ بنگالی تھے۔ یہی وہ متعصب رویہ ہے جس کے ردِّ عمل میں بنگال میں قوم پرست تحریک کھڑی ہوئی اور پاکستان دولخت ہوا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ملک کی مختلف اقوام کے ساتھ فرنگی کے پیش کردہ "جنگجو اقوام"[34] (Martial Races) کے جاہلانہ فلسفے پر مبنی یہ متعصب رویہ برتنے کے بعد بھی اسٹیبلشمنٹ اور فوج کبھی بنگالیوں، کبھی بلوچوں اور کبھی قبائلی پشتونوں کو 'قوم پرست'، 'متعصب' اور 'ملک دشمن' ہونے کا طعنہ دیتی نظر آتی ہے! فيا للعجب!

مذکورہ اعداد و شمار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلوچستان میں ہونے والی ناانصافیوں کے ذمہ دار پنجاب، سندھ یا سرحد میں بسنے والے عام مسلمان نہیں، بلکہ پنجاب سمیت پورے پاکستان پر مسلط سیاسی و فوجی قیادت کا وہ چھوٹا سا طبقہ ہے جو پاکستان کو آج تک فرنگی کے چھوڑے ہوئے اصولوں ہی کے مطابق چلا رہا ہے اور جس نے خود پنجاب کے عوام کو بھی اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور یقیناً پنجاب سمیت پورے پاکستان کے مسلمانوں کو اس بدبخت حکمران ٹولے سے آزادی پانے کے لیے مل کر

---

[34] اس فلسفے کا مفہوم سمجھنے کے لیے گزشتہ شمارے میں اسی مضمون کی پہلی قسط ملاحظہ کریں۔

جدوجہد کرنا ہوگی۔ بلاشبہ اگر پاکستان میں روزِ اوّل سے شریعت نافذ ہوتی تو تعصبات پر مبنی ان فرنگیانہ پالیسیوں کی جڑ کٹ جاتی، ہر قوم کو اس کے جائز شرعی حقوق مل جاتے اور ملک کے کسی حصے میں بھی قوم پرستانہ بنیادوں پر علیحدگی پسند تحریکات نہ کھڑی ہوتیں۔

بلوچستان میں پانچواں فوجی آپریشن (۲۰۰۵ء سے لے کر تادمِ تحریر)

چونکہ کئی دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی بلوچ قوم کے مسائل جوں کے توں کھڑے تھے اس لیے بلوچ مزاحمتی تحریک بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری تھی۔ البتہ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، اب اس تحریک کے نشانے پر صرف فوج اور حکومت ہی نہیں تھی، بلکہ بلوچ علاقوں میں بسنے والی عام پنجابی، سندھی اور پشتون آبادی بھی ان کا ہدف تھی۔ بلوچستان کی تحریک نے آہستہ آہستہ ایک قوم پرستانہ رنگ اختیار کر لیا تھا اور ایسی کئی مسلح تنظیمیں وجود میں آچکی تھیں جو نظریے کے اعتبار سے سیکولر تھیں اور بلوچستان کی پاکستان سے علیحدگی ان کا بنیادی ہدف تھا۔ ان قوم پرستانہ تنظیموں کے نظریات اور طریقِ کار شرعاً وعقلاً جتنے بھی قابلِ مذمت ہوں، لیکن یہ بلوچستان کے مسائل کا تاریخی پس منظر بھلانے، فوج کے مظالم سے نظریں چرانے اور ان کو برحق قرار دینے کا جواز نہیں بن سکتا، نہ ہی اس بنیاد پر بلوچستان کی عام آبادی کے خلاف عسکری قوت کے وحشیانہ استعمال کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

چونکہ فوج و حکومت نے اپنی زیادتیوں کی تلافی کرنے اور بلوچی مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرنے کی سمت کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا تھا، اس لیے اندر ہی اندر بلوچ مزاحمت جان پکڑ رہی تھی۔ بالآخر اس مزاحمت کا نقطۂ عروج اس وقت آیا جب 'سُوئی' شہر میں فوج کے چھاؤنی نما علاقے میں واقع ہسپتال میں کام کرنے والی ایک خاتون 'ڈاکٹر شازیہ خالد' کی عصمت دری کی گئی۔ اس بھیانک واقعے کا مرکزی کردار 'کیپٹن حماد' نامی فوجی افسر تھا، لیکن اس بدبخت کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کی گئی، بلکہ الٹا ڈاکٹر شازیہ اور ان کے شوہر کو پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے ڈرا دھمکا کر ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہی نہیں، بلکہ کسی قسم کی تحقیقات کیے بغیر پرویز مشرف نے ٹی وی پر بیان دیتے ہوئے فوجی افسر کو معصوم قرار دیا اور اس سارے واقعے کو فوج کے خلاف الزام تراشی کی مہم کے طور پر پیش کیا۔ اس المناک واقعے کے خلاف ردِ عمل میں بلوچی مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا

اور بگٹی قبائل نے سوئی کے علاقے میں فوج پر حملے کیے۔ نیز انھوں نے گیس پائپ لائن بھی متعدد مقامات سے تباہ کر دی جس سے پورے ملک کو گیس کی فراہمی کئی ہفتے متاثر رہی۔[۳۵] یوں فوج اور بلوچوں کے درمیان ایک اور تصادم کا آغاز ہو گیا۔ اس موقع پر پرویز مشرف نے بلوچوں کو دھمکی دیتے ہوئے نہایت متکبرانہ لہجے میں کہا کہ:

"ہم تمہیں وہاں سے ماریں گے جہاں سے تمہیں خبر بھی نہ ہو گی!"

نواب اکبر بگٹی اور اس کے حامیوں کے خلاف آپریشن کے دوران کئی اعلیٰ سطحی فوجی افسران زخمی اور ہلاک ہوئے اور فوج کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۹ء کے درمیان چار سو (۴۰۰) کے قریب فوجی افسر و سپاہی اس جنگ میں مارے گئے۔ دوسری طرف ہزاروں بلوچ بھی اس جنگ میں قتل ہوئے۔ فوج کے جدید ترین جنگی جہازوں نے عام آبادیوں اور بازاروں پر بم برسائے، بھاری توپوں نے بگٹی قبائل کے علاقے پر اندھا دھند گولہ باری کی، سینکڑوں لوگوں کو علیحدگی پسند تنظیموں سے تعلق کے الزام میں اغواء کر کے ان کی بوری بند مسخ شدہ لاشیں بلوچستان کے مختلف علاقوں میں پھینکی گئیں اور بلوچ خواتین تک کو اس ظلم و ستم سے معاف نہیں رکھا گیا۔ ابھی بھی ایک سو چالیس سے زائد بلوچ خواتین پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی قید میں ہیں،[۳۶] جن میں سے زرینہ مری نامی خاتون کی المناک داستان سب سے زیادہ معروف ہے۔ ۲۰۰۵ء کی بلوچ بغاوت کے مرکز 'کوہلو' سے تعلق رکھنے والی یہ ۲۳ سالہ بلوچ خاتون ایک مقامی سکول میں پڑھاتی تھی اور اسے سال ۲۰۰۵ء کے اواخر میں آئی ایس آئی اہلکاروں نے اغواء کیا تھا۔ آئی ایس آئی کے خفیہ قید خانوں سے رہائی پانے والے عینی شاہدین کے مطابق خفیہ اہلکاروں نے ان کی نگاہوں کے سامنے کئی مرتبہ اس خاتون کی عصمت دری کی اور ان قیدیوں سے بھی یہی گھناؤنا فعل

---

[۳۵] دیکھیے: بی بی سی اردو کی ویب سائٹ پر ڈاکٹر شازیہ خالد کے ساتھ انٹرویو جو ۱۰ ستمبر ۲۰۰۵ کو لیا گیا تھا؛ نیز ویب سائٹ: "بلوچ سرماچار" پر مضمون بعنوان: عافیہ صدیقی، زرینہ مری اور ڈاکٹر شازیہ خالد؛ اور وکی پیڈیا، نامِ عنوان: "شازیہ خالد" اور Balochistan Insurgency۔

[۳۶] دیکھیے: ویب سائٹ "PK Politics Discuss Forum"۔

کرنے کا مطالبہ کیا۔ جو قیدی بھی ایسا کرنے سے انکار کرتا اسے شدید تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔[۳۷] اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ خاتون کسی علیحدگی پسند تنظیم سے تعلق رکھتی تھی، تو کیا پھر بھی اس کے ساتھ ایسے وحشیانہ و شرمناک سلوک کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ مسلمان تو کسی کافر عورت کی عفت و حرمت بھی پامال نہیں کرتا، کجا یہ کہ ایک مسلمان خاتون کے ساتھ ایسا معاملہ کرے! یقیناً یہ واقعات جاننے کے بعد کوئی عقلمند شخص تو اس دھوکے میں نہیں رہ سکتا کہ پاکستانی فوج کا حقیقی شعار ''ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ'' ہے!

بلوچوں کی اس مزاحمت کو اس وقت ایک شدید جھٹکا لگا جب فوج نے بگٹی قبیلے کے سردار، نواب اکبر بگٹی کو قتل کر دیا۔ فوج نے ایک کرنل اور دو میجروں سمیت متعدد فوجیوں کو غیر مسلح حالت میں نواب سے مذاکرات کے لیے بھیجا۔ ایک دفعہ پھر بلوچوں نے یہی سمجھا کہ اس بار یہ فوج ان سے دھوکہ نہیں کرے گی، مگر ہوا پھر وہی۔ جب یہ فوجی اکبر بگٹی کے غار تک پہنچ گئے تو ان کے پاس موجود سیٹلائٹ فون کے ذریعے پیچھے موجود فوجی افسروں کو نواب کی پناہ گاہ کا مقام معلوم ہو گیا۔ فوج کی اعلیٰ قیادت کے احکامات پر اس غار پر بمباری کی گئی جس سے غار بیٹھ گیا اور اکبر بگٹی، ایک کرنل اور دو میجر مارے گئے۔ فوج نے ایک بار پھر بلوچوں سے دھوکہ کیا اور اس بار اپنے 'اعلیٰ مقاصد' کے حصول کے لیے اپنے ہی تین افسروں کو بھی قربان کر دیا۔ پھر اس واقعے کے تقریباً ایک سال بعد، نواب خیر بخش مری کے بیٹے اور بلوچ علیحدگی پسند رہنما بالاچ مری کو بھی فوج نے مار ڈالا۔[۳۸] اگرچہ وقتی طور پر ان دو واقعات سے بلوچ عسکری مزاحمت کمزور ہوئی ہے، لیکن ایسا ہر واقعہ بلوچ قوم اور فوج کے درمیان خلیج کو مزید بڑھا دیتا ہے اور بلوچستان کے مسائل مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔

---

[۳۷] از کتاب: ''سلگتا بلوچستان''، از عابد میر، ص: ۲۰۰ سے ۲۰۴؛ نیز ویب سائٹ: ''بلوچ سرماچار'' پر مضمون بعنوان: عافیہ صدیقی، زرینہ مری اور ڈاکٹر شازیہ خالد؛ اور وکی پیڈیا، نامِ عنوان: ''اکبر بگٹی'' اور ''Balochistan Insurgency''۔

[۳۸] وکی پیڈیا، نامِ عنوان: ''اکبر بگٹی''، ''Balochistan Insurgency'' اور ''بالاچ مری''؛ اور کتاب: ''بلوچستان عالمی قوتوں کے نرغے میں''، از سید نوید حیدر ہاشمی، ص: ۴۶۔

بلوچستان کی تازہ صورت حال اور امریکہ کی مداخلت

آج بھی ہر کچھ دن بعد بلوچستان کے مختلف علاقوں میں فوج پر حملے ہوتے رہتے ہیں اور تقریباً روزانہ کی بنیادوں پر بلوچی نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں کی مسخ شدہ لاشیں برآمد ہونے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بلوچستان کوئی تنہا مسئلہ نہیں، پاکستان تو گوناگوں مسائل میں گھر چکا ہے اور اپنی تاریخ کے بدترین بحرانوں سے دوچار ہے۔ ملک کی معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ نئے صوبے بنانے کے مطالبے ہر سمت سے سر اٹھا رہے ہیں۔ اسی نازک صورتِ حال میں امریکہ نے بھی اپنا پتا کھیلنے کا فیصلہ کیا ہے اور پہلی بار امریکی ایوانِ نمائندگان میں آزاد بلوچستان کے حق میں قرار داد پیش کی گئی ہے، جس پر بحث تاحال جاری ہے۔ یقیناً امریکہ کی اسلام اور اہلِ اسلام سے دشمنی کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ جو بدبخت افغانستان میں قرآنِ کریم کے سینکڑوں نسخوں کو آگ لگاتے ہیں، رسولِ عالی شان صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکے بنانے کی مہم کی سربراہی کرتے ہیں، عراق کی پہلی جنگ میں دواؤں کی ترسیل پر پابندی لگا کر پانچ لاکھ معصوم بچوں کو شہید کرتے ہیں، گوانتانامو اور بگرام میں مسلمان قیدیوں پر بدترین تشدد کرتے ہیں...... اور جن کی تاریخ ہے کہ وہ جس ملک میں بھی گھسے ہیں وہاں فساد مچا کر، مقامی لوگوں کو آپس میں لڑا کر، اپنا مفاد پورا کرنے کے بعد ایک خانہ جنگی کی سی کیفیت چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں...... ان بدبختوں کے بارے میں یقیناً کوئی بلوچ یا غیر بلوچ مسلمان یہ توقع نہیں رکھ سکتا کہ وہ سنجیدگی سے بلوچ قوم سے ہمدردی رکھتے ہیں یا غیور بلوچ مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ کے پیشِ نظر تو بس اپنے مفادات ہیں:

- امریکہ چاہتا ہے کہ بلوچستان کی علیحدگی کی تائید کر کے پاکستانی فوج اور حکومت پر دباؤ بڑھایا جائے اور اسے اپنی مرضی کے فیصلوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا جائے، جن میں سرِ فہرست شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن اور افغان طالبان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا مطالبہ ہے۔ گویا اسے بلوچ مسلمانوں کی حالتِ زار سے کوئی غرض نہیں بلکہ وہ بلوچستان کو اپنے اور پاکستان کے درمیان مسائل میں ایک فٹبال کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔
- امریکہ بلوچستان میں اپنے لیے ایک ایسے مستقل فوجی اڈے کے قیام کا خواہاں ہے جس کے ذریعے وہ بیک وقت پاکستان، ایران، افغانستان پر اور پاکستانی قبائلی علاقہ جات میں موجود

مجاہدین پر دباؤ برقرار رکھ سکے اور بوقتِ ضرورت سہولت سے ان کے خلاف کارروائی کر سکے۔

- امریکہ بلوچستان کے ساحلی علاقوں کے ذریعے افغانستان میں تعینات اپنی افواج کے لیے رسد کا ایک محفوظ رستہ بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔
- امریکہ بلوچستان کے قدرتی وسائل خصوصاً توانائی کے ذخائر میں خصوصی دلچسپی رکھتا ہے اور ان وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔
- نیز بعید نہیں کہ یہ امریکہ کے ان منصوبوں کی طرف ابتدائی قدم ہو جن کا ذکر امریکی تھنک ٹینک کافی عرصے سے کر رہے ہیں اور جن کے مطابق پاکستان کے متعدد ٹکڑے کرنا اور کچھ پر خود قبضہ کرنا اور کچھ پر بھارت کو قبضہ دلانا مقصود ہے۔

یقیناً اس مبارک اسلامی سرزمین سے تعلق رکھنے والے بلوچ مسلمان جہاں صحابہؓ و تابعینؒ دفن ہیں، کبھی نہیں چاہیں گے کہ وہ امریکہ کے ان ناپاک عزائم کا حصہ بنیں، خود کو برضا و رغبت امریکی غلامی میں دینے پر تیار ہوں اور اپنی سرزمین کو اس منبعِ شر و فساد اسلام دشمن ریاست کے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال ہونے دیں۔ بلوچ قوم کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ گورے کی ناک میں دم کیے رکھا ہے اور کبھی اس کا غلام بننا اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونا قبول نہیں کیا۔ ایسا راستہ اختیار کرنا شرعاً بھی قطعی حرام ہے اور کسی مسلمان کو زیبا نہیں اور عقلاً بھی حماقت ہے کہ جس کے نتیجے میں ایک ایسی فسادی کافر فوج کو قدم جمانے کا موقع مل جائے جس کی تاریخ ہی یہ ہے کہ وہ جہاں بھی گھسی وہاں کسی کی جان، مال، عزت سلامت نہیں چھوڑی اور ایک عظیم فساد برپا کیا۔

جو لوگ بھی بلوچ قوم کو اس راہ پر لے جانا چاہتے ہیں وہ اس کے خیر خواہ نہیں۔ کچھ دن قبل ہی الجزیرہ ٹی وی سے بات کرتے ہوئے بلوچ سردار خیر بخش مری نے کہا:

> ”بھارت تو بھارت، ہم ایسی حالت میں ہیں کہ کوئی خنزیر بھی ہماری مدد کرنا چاہے گا تو ہم انکار نہیں کریں گے، جبکہ ہندو تو جانور نہیں انسان ہیں، مہذب ہیں، پھر ان سے مدد لینے میں کیا حرج ہے؟ کیا وہ اتنے بڑے شیاطین ہیں کہ ہم ان سے مدد نہ لیں؟ یا کیا ہم اس وجہ سے ان سے مدد نہ لیں کہ ہم سچے پاکستانی اور سچے مسلمان ہیں؟ نہیں، ہم تو یہ دونوں ہی

نہیں ہیں۔ پاکستانی تو ہم ویسے ہی نہیں ہیں اور ہماری مسلمانی ہماری ذات کے لیے ہے، وہ ہمیں بھارت سے مدد لینے سے نہیں روکتی"۔[39]

علامہ اقبالؒ نے شاید ایسی ہی گمراہ کن آراء پر کان دھرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی مشہور نظم "بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو" میں کہا:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

بلوچستان کے مسائل کا حل

بلوچ قوم کے بنیادی مسائل دو ہیں، جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ انہی دو مسائل کا ذکر خطیبِ لال مسجد مولانا عبدالعزیز غازی دامت برکاتہم بھی اپنی تصنیف "اسلامی نظام، تمام مسائل کا حل" میں کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"بلوچ قوم سے میرے دو تعلق ہیں، پہلے اسلام کا، پھر قومیت کا۔[40] چنانچہ میں نے ان سے کئی بار خود نشستیں کیں اور ان سے پوچھا کہ آخر آپ لوگوں کے مسائل کیا ہیں؟ آپ کیوں پاکستان سے علیحدگی چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے 'اسلام' اور 'حقوق' کے لیے پاکستان سے الحاق کیا تھا لیکن یہ دونوں چیزیں ہمیں نہ مل سکیں"۔[41]

ان دونوں مسائل کا حل نہ امریکہ کے پاس ہے اور نہ پاکستان کے حکمران طبقے کے پاس۔ دونوں اسلام سے باغی اور اللہ کے دشمن ہیں، لہٰذا اسلام ان کے ہاتھوں آنا ناممکن ہے۔ دونوں حریص اور مفاد پرست ہیں، اس لیے یہ بلوچ قوم کے وسائل تو لوٹ سکتے ہیں، لیکن اسے اس کے جائز حقوق نہیں دے سکتے۔ ان دونوں مسائل کا حل یہی ہے کہ:

---

[39] بحوالہ: جنوری ۲۰۱۲ء میں الجزیرہ کے انگریزی ٹی وی چینل کی طرف سے پیش کردہ دستاویزی فلم:
"Baluchistan: Pakistan's Other War".

[40] یاد رہے کہ مولانا خود بھی ڈیرہ غازی خان میں آباد ان بلوچ قبائل سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں انگریز نے پنجاب میں ضم کر دیا تھا۔

[41] کتابچہ: "اسلامی نظام کا نفاذ، مسائل کا حل"، از مولانا عبدالعزیز غازی، ص: ۵۷۔

- بلوچستان سمیت سارے ملک میں شرعی نظام نافذ کیا جائے اور فرنگی کے اس قابلِ نفرت نظام کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ شریعت کا ایسا فوری اور مکمل نفاذ ہو جو کسی پارلیمان سے منظوری کا محتاج نہ ہو بلکہ محض رب کا حکم ہونے کی بناء پر سب اس کے سامنے سر جھکائیں اور علمائے حق کی رہنمائی میں اور صالح قبائلی رہنماؤں اور قومی نمائندوں کی معاونت سے اسے نافذ کریں۔
- بلوچ قوم کے قاتلوں کو شرعی عدالتوں کے سامنے پیش کیا جائے اور انہیں قرآن و سنت کے مطابق سزا دی جائے۔ نیز بلوچ قوم کو اس کے شرعی حقوق، اس کے وسائل، اس کی عزت و شرف واپس لوٹایا جائے۔ اور بلوچ قوم اور دیگر اقوام کے درمیان موجود زمین وغیرہ کے تنازعات سمیت تمام تنازعات کو قرآن و سنت ہی کے مطابق حل کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب جو فیصلہ سنائے اس کے سامنے سب بلاچون وچراں سر جھکائیں۔
- بلوچ قوم کو کسی دوسری قوم کا دستِ نگر بنانے کی بجائے اس کے معاملات اسی قوم کے علماء اور صالح قبائلی معززین کے سپرد کئے جائیں جو اپنی قوم کی مشاورت سے شریعت کی روشنی میں اپنے اجتماعی معاملات چلائیں۔

پس بلوچستان کے مسائل کا حل شریعت اور بس شریعت میں پوشیدہ ہے۔ اسی میں اس قوم کی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔ لیکن ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ اقتدار پر مسلط حکمران طبقہ کبھی بھی اسلام کا مبنی بر عدل نظام ٹھنڈے پیٹوں نہیں قبول کرے گا، الّا یہ کہ اس سے یہ اقتدار بزورِ بازو چھین لیا جائے اور فرنگی کے چھوڑے ہوئے نظام کو پیوندِ خاک کر کے، شریعتِ مطہرہ کو حاکم بنا دیا جائے۔ امیر المؤمنین ملا محمد عمر کی قیادت تلے متحد مجاہدین آج افغانستان وپاکستان میں اسی لیے بر سرِ پیکار ہیں تا کہ ان مفاد پرست فرعونوں کی جھوٹی بادشاہتیں خاک میں ملا کر ایک شہنشاہِ حقیقی کی بادشاہت قائم کر دی جائے، جس میں رب کے سب بندے برابر ہوں اور فضلیت کا معیار بس تقویٰ ہو![۴۲] (جاری ہے)

---

[۴۲] یہاں ہم تمام جہادی مجموعات کے افراد کو اور دین کا غم رکھنے والے داعیانِ دین وعلماء کو اس سمت خاص توجہ دلانا چاہیں گے کہ اس سے قبل کہ بے دین سیکولر نظریات کی حامل تحریکات بلوچستان کی اسلامی سرزمین کو امریکہ یا بھارت کے فوجی اڈے میں تبدیل کر دیں، ہم پر لازم ہے بلوچ قوم پر محنت تیز کر دی جائے اور اس کی تحریک کو شرعی اور جہادی رخ دیا جائے تا کہ اس کے نتیجے میں اللہ کا کلمہ ہی سربلند ہو اور کفر کو اس خطے میں قدم جمانے کا موقع نہ مل سکے۔

كنتم خير أمة أخرجت للناس

فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکَر......... ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام

محمد مثنّیٰ حسان

(دوسری قسط)

باب دوم

فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر؛ فقہی احکامات

اس باب میں ہم درج ذیل چار موضوعات پر گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ۔

فصل اول: شریعتِ اسلامیہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم

فصل دوم: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرائط

فصل سوم: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مراتب

فصل چہارم: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کے درجات

فصل اول: شریعتِ اسلامیہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم

سلف وخلف کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک فرض عبادت ہے۔ اس کی فرضیت قرآن وسنت کی صریح نصوص اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ یہاں ہم فرضیتِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے چند دلائل ذکر کیے دیتے ہیں:

قرآنِ مجید سے دلیل

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر اور مختلف پیرایوں میں اس عبادت کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اس کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: 104)

"تم میں ایسے لوگ ضرور ہونے چاہییں جو خیر کی طرف بلائیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

یہ آیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت کی صریح دلیل ہے۔ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قَدْ حَوَتْ هَذِهِ الْآيَةُ مَعْنَيَيْنِ .

أَحَدُهُمَا : وُجُوبُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ......."

"اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، جن میں سے ایک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا (امتِ محمدیہ پر) فرض ہونا ہے......"۔[1]

۲۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اس فریضے کو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین امت ہونے کی شرط کے طور پر بیان فرماتے ہیں:

---

[1] أحكام القرآن؛ ج ٢، ص ٣١٥، ط دار إحياء التراث العربي

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (ال عمران: 110)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عَلَى هَذَا الشَّرْط أَنْ تَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنْهَوْا عَنْ الْمُنْكَر, وَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ"۔

"تم بہترین امت اس شرط پر ہو کہ تم نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ"۔[۲]

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں واضح کیا ہے کہ اس فریضے کو ترک کرنے پر بنی اسرائیل لعنت کے مستحق ہوئے۔ ارشادِ ربِ کریم ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ • كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (المائدۃ: 78-79)

"بنی اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کی زبان سے لعنت بھیجی گئی۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے۔ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل نہایت برا تھا"۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی سزا کا ذکر ہمارے لیے بطور تنبیہ فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بات تو اہلِ علم کے یہاں معروف ہے کہ وعید صرف فرض کے ترک کرنے پر ہی نازل ہوتی ہے۔

یہاں ہم ان تین صریح آیات کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں، ورنہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اس فریضے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

---

[۲] جامع البيان في تأويل أي القرآن؛ ج ٥، ص ٦٧٣، ط دار هجر للطباعة والنشر مصر

سنتِ مبارکہ سے دلیل

ہمارے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی بے شمار احادیث میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جن کا احاطہ کرنے کے لیے تو مکمل کتاب درکار ہے۔ یہاں ہم ان میں سے چند احادیث کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“۔

”تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ایسا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے، اور اگر ایسا کرنے کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے“۔[3]

۵۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنْ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ“۔

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور تم ضرور برائی سے روکو گے، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائیں گے، پھر تم دعا مانگو گے تو تمہاری دعا قبول نہ ہو گی“۔[4]

۶۔ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ يَا هَذَا اتَّقِ اللَّهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنْ الْغَدِ فَلَا

---

[3] الصحيح لمسلم؛ كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ج١، ص ٢٤٣، ط مكتبة البشرىٰ كراتشي باكستان

[4] جامع الترمذي؛ كتاب الفتن، باب ما جاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ج ٢، ص ١١٢، ط الطاف ايند سنز كراتشي باكستان

يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ

{ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ... إِلَى قَوْلِهِ... فَاسِقُونَ }

ثُمَّ قَالَ كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنْ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيْ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا۔ وفي رواية۔ أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللَّهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ"۔

"بنی اسرائیل میں پہلی کمزوری یہ داخل ہوئی کہ جب کوئی شخص دوسرے سے ملتا تھا تو اسے کہتا تھا کہ اے فلاں! اللہ سے ڈر اور جو برائی تو کرتا ہے اسے چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ لیکن جب اگلے دن اس سے ملتا تو (اس کی) یہ (برائی) اسے اس کے ساتھ کھانے، پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے نہ روکتی۔ پس جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں ایک سا کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"بنی اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کی زبان سے لعنت بھیجی گئی... الخ" (المائدۃ:۷۸ تا ۸۱)

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم لوگ ضرور نیکی کا حکم دوگے اور ضرور برائی سے روکو گے، اور ضرور ظالم کا ہاتھ پکڑوگے، اسے حق کی طرف لوٹاؤ گے اور اسے حق قبول کرنے پر مجبور کروگے" (ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ:) "وگرنہ اللہ تعالیٰ ضرور تمہارے دلوں کو آپس میں خلط ملط (، حق سے عاری اور سیاہ[5]) کر دیں گے اور جیسے ان پر لعنت کی، اسی طرح ضرور تم پر بھی لعنت کریں گے"۔[6]

---

[5] نقل صاحب 'عون المعبود' عن ابن الملک أنه قال: الباء السببية أي سود الله قلب من لم يعص بشؤم من عصى فصارت قلوب جميعهم قاسية بعيدة عن قبول الحق والخير أو الرحمة بسبب المعاصي ومخالطة بعضهم بعضاً، انتهى قوله۔

[6] سنن أبي داود؛ كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ج ٦، ص ٣٩١۔ ٣٩٢، ط دار الرسالة العالمية دمشق۔ الملاحظة: قد ضعف هذا الحديث بعض الناس لعدم سماع أبي عبيدة بن عبدالله بن مسعود من أبيه، ولكن الحديث حسن عندنا لثلاثة اوجه۔ أحدها؛ أن أبا عبيدة مع عدم سماع من أبيه، كان أعلم

اجماع سے دلیل

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت پر دورِ اوّل سے امت کا اجماع رہا ہے۔ اس اجماع کو سلف کے بہت سے علماء نے نقل کیا ہے۔ مثلاً:

ا۔ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أَكَّدَ اللَّهُ تَعَالَى فَرْضَ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ فِي مَوَاضِع مِنْ كِتَابِهِ، وَبَيَّنَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَخْبَارٍ مُتَوَاتِرَةٍ عَنْهُ فِيهِ، وَأَجْمَعَ السَّلَفُ وَفُقَهَاءُ الْأَمْصَارِ عَلَى وُجُوبِهِ"۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بہت سے مقامات پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت پر زور دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی متواتر روایات میں اس فرضیت کو واضح فرمایا ہے اور اس پر اسلاف اور فقہائے زمانہ کا اجماع ہے"۔[٢]

٢۔ امام الحرمین ابو المعالی الجوینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ وَاجِبَانِ بِالْإِجْمَاعِ عَلَى الْجُمْلَةِ، وَلَا يكْتَرِثْ بِقَوْلِ من قال من الرَّوَافِضِ إنَّ الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر مَوْقُوفان عَلَى ظُهُورِ الْإِمَامِ، فقد أجمع المسلمون قبل أن ينبغ هؤلاء على التواصي بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وتوبيخ تاركه"۔

"نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اجماع کی رو سے واجب ہے، اور اس معاملے میں روافض کے اس قول پر توجہ نہیں دی جائے گی کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امامِ غائب کے ظاہر ہونے تک موقوف ہے۔ مسلمانوں کے یہاں تو ان روافض کے پیدا ہونے سے بھی پہلے

بحديث أبيه وقد أخذ أحاديث أبيه من أمه زينب الثقفية ومسروق، وكلاهما ثقتان، ولذا أثبت المحدثون أحاديث أبي عبيدة عن أبيه۔ الثاني: أخرج ابن ماجه والترمذي الحديث عن أبي عبيدة مرسلاً ومراسيل التابعين مقبولة عند أصحابنا الحنفية۔ الثالث: روى الطحاوي الحديث في 'شرح مشكل الآثار' عن أبي عبيدة عن أبي موسى الأشعري وليس فيه إنقطاع۔ فثبت أن الحديث حسن۔

[٢] أحكام القرآن: ج ۴، ص ١۵۴، ط دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان

اس پر اجماع ہو چکا تھا کہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے کی تاکید کی جائے اور اس فرض کے تارک کی سرزنش کی جائے"۔[8]

۳۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَقَدْ تَطَابَقَ عَلَى وُجُوبِ الْأَمْر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَنْ الْمُنْكَرِ الْكِتَاب وَالسُّنَّة وَاجْمَاعُ الْأُمَّة .... وَلَمْ يُخَالِف فِي ذَلِكَ إِلَّا بَعْض الرَّافِضَة ، وَلَا يُعْتَدّ بِخِلَافِهِم"۔

"کتاب وسنت اور اجماعِ امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت کو یکساں ثابت کرتے ہیں...... اور سوائے بعض روافض کے کسی نے اس کی فرضیت سے اختلاف نہیں کیا اور روافض کا اختلاف لائقِ التفات نہیں ہے"۔[9]

۴۔ علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اتفقت الأمة كلها على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بلا خلاف من أحد منهم"۔

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت پر پوری امت کا اتفاق ہے اور کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں"۔[10]

۵۔ امام قرافی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال العلماء الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجب إجماعا ......"

"علماء نے کہا ہے: اس بات پر اجماع ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے"۔[11]

پس کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماع کے دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے۔ البتہ اسے فرض ماننے کے بعد دو آراء ہیں؛ جمہور علماء کے مطابق

---

[8] كتاب الإرشاد إلى قواطع الأدلةفي أصول الإعتقاد، ص ٣٦٨، ط مكتبة الخانجي مصر

[9] شرح الإمام النووي (طبع على هامش الصحيح لمسلم)، ج ١،ص ٢٤٥، ط مكتبةالبشرىٰ كراتشي باكستان

[10] الفصل في الملل والأهواء والنحل؛ ج ٥، ص ١٩، ط دار الجيل بيروت

[11] الذخيرة لشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافي؛ ج ١٣، ص ٣٠٥، ط دار الغرب الإسلامي

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حیثیت تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ کی ہے، جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ امر بالمعروف ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ اب اس مسئلے کو ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

جمہور علماء کا موقف:

جمہور علماء کے موقف کی وضاحت کے لیے پہلے ہم علمائے مذاہبِ اربعہ کے اقوال نقل کریں گے اور پھر ان کے دلائل لائیں گے۔

احناف:

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ 'أحکام القرآن' میں سورۂ آلِ عمران کی آیت "ولتكن منكم أمة..." ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قَدْ حَوَتْ هَذِهِ الْآيَةُ مَعْنَيَيْنِ .
أَحَدُهُمَا : وُجُوبُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ .
وَالْآخَرُ : أَنَّهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ لَيْسَ بِفَرْضٍ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ فِي نَفْسِهِ إذَا قَامَ بِهِ غَيْرُهُ."

"اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں؛
ایک یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے، اور دوسری یہ کہ یہ فرضِ کفایہ ہے، (یعنی) جب کوئی شخص اسے انجام دے دے تو یہ ہر ایک پر فرداً فرداً فرض نہیں رہتا"۔[۱۲]

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"......ثم إن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض كفاية، إذا قام به البعض سقط عن الباقين، وإذا ترك الجميع أثم كل من تمكن منه......"

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے، اگر کچھ افراد ادا کر دیں تو باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر سب ترک کر دیں تو وہ تمام افراد گنہگار ہوں گے جو اس کی قدرت رکھتے تھے"۔[۱۳]

---

[۱۲] أحكام القرآن؛ ج ۲، ص ۳۱۵، ط دار إحياء التراث العربي

[۱۳] شرح سنن أبي داود؛ ج ۴، ص ۴۸۶، ط مكتبة الرشد الرياض

مالکیہ:

امام ابن العربی المالکی سورۂ آلِ عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فِي هَذِهِ الْآيَةِ وَفِي الَّتِي بَعْدَهَا وَهِيَ قَوْلُهُ : { كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنْ الْمُنْكَرِ فَرْضُ كِفَايَةٍ"۔

"اس آیت میں اور اس کے بعد آنے والی آیت{ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} میں اس بات کی دلیل ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے"۔[۱۴]

شوافع:

امام الحرمین ابو المعالی الجوینی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'الإرشاد' میں لکھتے ہیں:

"ثُمَّ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ وَلِلْآمِرِ بِالْمَعْرُوفِ أَنْ يَصُدَّ مُرْتَكِبَ الْكَبِيرَةِ بِفِعْلِهِ إِنْ لَمْ يَنْدَفِعْ عَنْهَا بِقَوْلِهِ"۔

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے اور نیکی کا حکم دینے والے کے لیے جائز ہے کہ اگر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا زبانی کہنے سے باز نہیں آتا تو وہ اسے بالفعل روکے"۔[۱۵]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ثُمَّ إِنَّ الْأَمْر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَنْ الْمُنْكَر فَرْض كِفَايَة إِذَا قَامَ بِهِ بَعْض النَّاس سَقَطَ الْحَرَج عَنْ الْبَاقِينَ، وَإِذَا تَرَكَهُ الْجَمِيع أَثِمَ كُلّ مَنْ تَمَكَّنَ مِنْهُ بِلَا عُذْرٍ وَلَا خَوْف. ثُمَّ إِنَّهُ قَدْ يَتَعَيَّن كَمَا إِذَا كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يَعْلَم بِهِ إِلَّا هُوَ أَوْ لَا يَتَمَكَّنُ مِنْ إِزَالَته إِلَّا هُوَ"۔

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے۔ اگر کچھ افراد اسے انجام دے دیں تو باقی افراد سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر سب ترک کر دیں تو وہ سب لوگ گنہگار ہوتے ہیں، جو قدرت رکھتے ہوں اور جنھیں کوئی عذر اور خوف نہ ہو۔ پھر بعض صورتوں میں یہ فرضِ عین بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی فرد ایسی جگہ پر ہو جہاں ہونے والے منکر کا اس کے سوا

---

[۱۴] أحكام القرآن لابن العربي؛ ج ١، ص ٣٨٣، ط دار الكتب العلمية بيروت لبنان

[۱۵] الإرشاد؛ ص ٣٦٩، ط مكتبة الخانجي مصر

کسی کو معلوم نہ ہو اور وہ اسے ختم کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو اس منکر کا مٹانا اس پر فرض ہو جاتا ہے"۔[16]

امام نووی کا یہ قول بہت واضح ہے، اور خاص طور پر اس کا دوسرا حصہ قابلِ غور ہے۔ ان شاء اللہ ہم آگے چل کر اس پر بات کریں گے۔

حنابلہ:

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ ' الآداب الشرعية ' میں فرماتے ہیں:

"وَهُوَ فَرْضُ كِفَايَةٍ عَلَى مَنْ لَمْ يُعَيَّنْ عَلَيْهِ"۔

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر عام حالت میں فرضِ کفایہ ہے، ہاں کسی صورت میں فرضِ عین بھی ہو سکتا ہے"۔[17]

علامہ ابو النجا حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومن فروض الكفايات الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر"۔

"وہ عبادات جو فرضِ کفایہ ہیں، ان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی شامل ہے"۔[18]

فرضِ عین کے قائلین

وہ علمائے امت جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرضِ عین قرار دیتے ہیں، ان میں شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان على كل مسلم حر مكلف عالم بذلک......"

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر آزاد مکلف مسلمان پر فرض ہے جو اس کا علم رکھتا ہو"۔[19]

---

[16] شرح الإمام النووي (طبع على هامش الصحيح لمسلم)، ج ۱،ص ۲۴۵، ط مکتبةالبشریٰ کراتشي باکستان

[17] الآداب الشرعية؛ ج ۱، ص ۱۸۴، ط مؤسسة الرسالة بيروت

[18] الإقناع لطالب الإنتفاع؛ ج ۲، ص ٦۴، ط دارة الملك عبدالعزيز

[19] الغنية لطالبي طريق الحق؛ ج ۱، ص ۱۴۰، ط دار الجيل بيروت

امام ابن حزم ظاہری 'المحلّی' میں فرماتے ہیں:

"والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض على كل مسلم......"

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر ایک مسلمان پر فرض ہے"۔[20]

ابن رشد 'الجد'[21] مالکی لکھتے ہیں:

"الأمر بالمعروف والنَّهي عن المُنكر واجبٌ على كُلِّ مُسلم بثلاثة شروط......"۔

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر مسلمان پر تین شرائط[22] کے ساتھ فرض ہے"۔[23]

اختلاف کی حقیقت

دراصل یہ اختلاف نصوص سے معنی اخذ کرنے کے دوران پیدا ہوا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر بھی کیا تھا:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: 104)

"تم میں ایسے لوگ ضرور ہونے چاہییں جو خیر کی طرف بلائیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

اس آیت میں مذکور 'منکم' میں لفظ 'مِن' مدارِ اختلاف ہے۔ جمہور علمائے کرام کی رائے میں 'مِن' یہاں 'تبعیض'[24] کے معنی میں آیا ہے۔ یہی بات بیان کرتے ہوئے علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:

---

[20] المحلّى في شرح المجلّى بالحجج والآثار؛ ص ۱۵۳۵، ط بيت الأفكار الدولية

[21] یہ فلسفی ابن رشد (صاحبِ بداية المجتهد) کے دادا ہیں، ابہام ختم کرنے کی غرض سے ان کے نام کے ساتھ 'الجد' لگایا جاتا ہے، جبکہ صاحب بداية المجتهد کے نام کے ساتھ 'الحفید' لگایا جاتا ہے۔ ان کی تاریخ وفات ۵۲۰ھ ہے۔

[22] امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بحث میں شرائط کے ذکر سے حکمِ اصلی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور ہم یہاں حکمِ اصلی کی بات کر رہے ہیں۔ جہاں تک شرائط اور ان کی بنا پر مرتب ہونے والے احکامات کا تعلق ہے تو اس پر ہم تفصیل سے ان شاء اللہ دوسری فصل میں گفتگو کریں گے۔

[23] المقدمات الممهدات لبيان ما اقتضته رسوم المدونة من الأحكام الشرعيات، ج۳، ص ۴۲۵، دار الغرب الإسلامی۔

[24] عام فہم انداز میں کہا جائے تو 'تبعیض' سے مراد یہ ہے کہ بات 'سب' کی بجائے 'بعض' کی طرف پھر جائے۔

"و«من» للتبعيض لأن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية"۔

"آیت میں مذکور لفظِ 'من' تبعیض کے لیے ہے، کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے"۔[25]

امام جصاص رحمہ اللہ جمہور کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَحَقِيقَتُهُ تَقْتَضِي الْبَعْضَ دُونَ الْبَعْضِ، فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ فَرْضُ الْكِفَايَةِ إذَا قَامَ بِهِ بَعْضُهُمْ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِينَ"۔

"(آیت میں مذکور ولتكن منكم کے) حکم کا تقاضا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب سے نہیں بلکہ بعض افراد سے مطلوب ہو۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے، اگر کچھ افراد اسے انجام دے دیں تو باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے"۔[26]

اس کے برخلاف فرضِ عین کے قائلین کہتے ہیں کہ یہاں من 'تبعیض' کے لیے نہیں، بلکہ وہ بطورِ مجاز استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن میں بعض دوسرے مواقع پر استعمال ہوا ہے، مثلا ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ اور ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ وغیرہ میں۔ ان آیات میں لفظِ 'من' بالاتفاق تبعیض کے لیے نہیں آیا۔ امام جصاص رحمہ اللہ ان علماء کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ هُوَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ فِي نَفْسِهِ وَيَجْعَلُ مَخْرَجَ الْكَلَامِ مَخْرَجَ الْخُصُوصِ فِي قَوْلِهِ : { وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ } مَجَازًا ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: { يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ } وَمَعْنَاهُ : ذُنُوبَكُمْ "۔

"اور لوگوں میں سے کچھ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر ایک مسلمان پر فرداً فرداً فرض ہے۔ یہ لوگ آیت {وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ} کا مقصود مجازی معنی میں خاص سمجھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں فرمایا ہے: { يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ } (یہاں بھی

---

[25] مدارك التنزيل وحقائق التأويل؛ ج ١، ص ٢٨٠، قديمي كتب خانه كراتشي

[26] أحكام القرآن؛ ج ٢، ص ٣١٥، دار إحياء التراث العربي

من کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن) اس کے معنی ہیں: تمہارے گناہ معاف فرما دے گا (نہ یہ کہ تمہارے گناہوں میں سے کچھ کو معاف فرمادے گا)"۔[27]

لہٰذا یہ لوگ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت یہ نہیں کہہ رہی کہ تم میں سے کچھ مسلمانوں پر امر بالمعروف فرض ہے بلکہ سب ہی پر فرض قرار دے رہی ہے۔ تاہم عملی طور پر وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اس فرض سے شریعت کا مقصود نیکی کو رائج کرنا اور منکر کو زائل کرنا ہے، اور جب کسی موقع پر یہ کام انجام پا جائے اور برائی مٹ جائے تو باقی افراد پر فرضیت باقی نہیں رہے گی اور ان پر کچھ گناہ نہیں ہو گا۔ سو ان کی بیان کردہ اس تفصیل کو جاننے سے اختلاف کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ جو فرض کچھ لوگوں کے ادا کرنے کے سبب باقی افراد سے ساقط ہو جائے اسے ہی فرضِ کفایہ کہا جاتا ہے۔ اسی بات کو واضح کرتے ہوئے امام جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَالَّذِي يَدُلُّ عَلَى صِحَّةِ هَذَا الْقَوْلِ (أي قول الجمهور) أَنَّهُ إِذَا قَامَ بِهِ بَعْضُهُمْ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِينَ، كَالْجِهَادِ وَغُسْلِ الْمَوْتَى وَتَكْفِينِهِمْ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِمْ وَدَفْنِهِمْ، وَلَوْلَا أَنَّهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ لَمَا سَقَطَ عَنْ الْآخَرِينَ بِقِيَامِ بَعْضِهِمْ بِهِ"۔

"جو چیز (جمہور کے) موقف کا صحیح ہونا ثابت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ (فرضِ عین کے قائلین بھی اس سے انکار نہیں کرتے کہ) اس فریضے کو جب کچھ لوگ انجام دے دیں تو یہ باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے جہاد، میت کا غسل، اس کی تکفین و تدفین اور نمازِ جنازہ کا معاملہ ہے۔ اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ کفایہ نہ ہوتا تو کبھی بھی کچھ لوگوں کے انجام دینے سے باقیوں پر سے ساقط نہ ہوتا"۔[28]

فرضِ کفایہ کی تشریح

فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرضِ عین اور فرضِ کفایہ ہونے میں جو اختلاف تھا، اس کی حقیقت گزشتہ سطور میں واضح کر دی گئی ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ:

[27] أحكام القرآن؛ ج ٢، ص ٣١٥، دار إحياء التراث العربي

[28] أحكام القرآن؛ ج ٢، ص ٣١٥، دار إحياء التراث العربي

۱۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکم کا خطاب اصولاً تمام مسلمانوں سے ہے۔

۲۔ جب مطلوبہ موقع پر ان میں سے کچھ مسلمان اس فرض کو ادا کر دیتے ہیں تو وہ باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی فرضِ کفایہ کہلاتا ہے۔

اہم تنبیہ:

یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ کسی عبادت کو فرضِ کفایہ کہنے سے مراد یہ نہیں کہ اس سے غفلت برتی جائے اور یہ سوچ لیا جائے کہ کوئی اور اٹھ کر اس کو پورا کر ہی دے گا لہٰذا میرے اٹھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا رویہ انسان تبھی اختیار کرتا ہے جب اسے فرضِ کفایہ کے معنی کا ٹھیک علم نہ ہو۔ چنانچہ یہاں یہ بھی واضح کیے دیتے ہیں کہ فرضِ کفایہ سے شریعت کا مقصود کیا ہوتا ہے اور کس بنا پر یہ کچھ افراد کے ادا کرنے سے باقی افراد سے ساقط ہوتا ہے؟

علمائے اصول فرضِ کفایہ کی تعریف یہ کرتے ہیں، بالفاظِ ابن امیر الحاج:

"وهو مهم متحتم مقصود حصوله من غير نظر بالذات إلى فاعله"۔

"فرضِ کفایہ وہ فعل ہے جس کی ادائیگی کروانا تو ہر صورت مطلوب ہوتا ہے، لیکن یہ ادائیگی کسی خاص فرد سے کروانا لازم نہیں ہوتا"۔[۲۹]

گویا فرضِ کفایہ میں کسی خاص مقصد کا حصول شریعت کو مقصود ہوتا ہے قطعِ نظر اس سے کہ کون اس مقصد کو پورا کر دے۔ جب وہ مقصد پورا ہو گیا تو سب پر سے گناہ ہٹ جائے گا۔ مثلا شریعت کو مقصود ہے کہ وفات کے موقع پر میت کی تکفین وتدفین کا انتظام کیا جائے۔ پس جب کچھ لوگوں نے مل کر اس مقصد کو حاصل کر لیا تو سب بستی والوں پر سے اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی آگے نہ بڑھا یا کچھ لوگ آگے تو بڑھے مگر تکفین وتدفین کے لیے جو اموال وانتظامات درکار تھے وہ پورے کرنے کے لیے وہ لوگ ناکافی ثابت ہوئے تو ساری بستی گناہ گار ہو گی۔ اس کے برعکس وہ فرائض جو فرضِ عین ہیں، ان میں ہر مکلف پر اس کی ادائیگی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور کسی ایک کا کرنا کسی دوسرے سے اسے ساقط نہیں کرتا، مثلاً کسی محلے میں نمازِ ظہر پر پوری مسجد اہلِ محلہ سے آباد ہو اور نماز بحیثیتِ مجموعی قائم ہو، لیکن محلے کا ایک فرد نماز میں حاضر نہ ہو تو سب اہلِ محلہ کے نماز پڑھ

---

[۲۹] التقرير والتحبير؛ ج۲، ص ۱۳۵، المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر

لینے سے اس پیچھے رہنے والے فرد کا گناہ ساقط نہیں ہو گا، کیونکہ شریعت کو محض نماز کا قائم اور مسجد کا آباد ہونا مطلوب نہیں بلکہ اسے فرداً فرداً ہر ہر مکلف سے نماز ادا کروانا بھی مطلوب ہے۔ گویا فرضِ کفایہ میں فرض کردہ فعل اصل مطلوب ہوتا ہے اور فرضِ عین میں فعل کی ادائیگی اور متعین افراد سے ادائیگی دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ علامہ عبد العلی انصاری صاحبِ فواتح الرحموت اس فرق کو ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں:

"المقصود من الإيجاب قد يكون إتعاب المكلف بالإشتغال به كما في الأركان الأربعة، وقد يكون المقصود شيئا آخر يجب لأجله ما يحصل المقصود بحصوله فإذا حصل المقصود لا يبقى الواجب واجبا كالجهاد فإنه إنما وجب لإعلاء كلمة الله تعالى فإذا أتى به البعض حصل الإعلاء وسقط الوجوب"۔

"بعض اوقات (شریعت کا) کسی کام کو واجب ٹھہرانے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر مکلّف کو اس کی انجام دہی کی مشقت میں مبتلاء کیا جائے، جیسا کہ ارکانِ اربعہ (یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ وحج) میں ہے، جبکہ بعض اوقات مقصود کچھ اور ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے کسی کام کو فرض کیا جاتا ہے، چنانچہ جب وہ مقصد حاصل ہو جائے تو وہ فرض باقی نہیں رہتا۔ جہاد کی مثال لے لیجیے۔ یہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے فرض کیا گیا ہے، پس جب کچھ لوگوں کے جہاد کرنے سے اللہ کا کلمہ سربلند ہو جائے تو فرضیت ساقط ہو جاتی ہے"۔[۳۰]

معلوم ہوا کہ فرضِ کفایہ کے ذریعے جس مقصد کا حصول لازم ہوتا ہے جب تک وہ مقصد حاصل نہ ہو جائے، وہ فرض تمام مسلمانوں سے اس کا مطالبہ کرتا رہتا ہے اور اسی وجہ سے جب مسلمان اس مقصد کو حاصل نہ کر پائیں تو سب کے سب گنہگار ہوتے ہیں۔ اس کی سب سے واضح مثال جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جہاد کا عمومی حکم فرضِ کفایہ ہونے کا ہے، اور اس سے مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد حاصل ہوتا رہے گا تو کچھ مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی پر سے گناہ ساقط ہوتا رہے گا، مگر ایسی صورت میں جب یہ مقصد حاصل نہ ہو پا رہا ہو...... جیسے مسلمان کفار کے کسی قلعے کو فتح کرنا چاہ رہے ہوں اور ناکافی افرادی یا مالی قوت کے سبب ایسا نہ ہو پا رہا ہو...... تو اس صورت میں

---

[۳۰] فواتح الرحموت؛ ج ۱، ص ۵۲، قديمي كتب خانه كراتشي

اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد حاصل کرنے کے لیے جہاد کرنا باقی مسلمانوں پر بھی فرض ہو جائے گا۔ وجہ یہی ہے کہ شریعت کو اس فرض سے خاص مقصد کا حصول درکار ہے، خواہ وہ دو افراد پورا کر دیں یا اس کے لیے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی ضرورت پڑ جائے۔ یہی بات امام جصاص رحمہ اللہ ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

"فَدَلَّ (عَلَى) أَنَّهُ وَإِنْ كَانَ الْخِطَابُ بِهِ مُتَوَجِّهًا إِلَى الْجَمِيعِ فَإِنَّ لُزُومَ فَرْضِهِ مَقْصُورٌ عَلَى وُقُوعِ الْكِفَايَةِ (بِهِ) مِنْ بَعْضِهِمْ، فَمَنْ وَقَعَ ذَلِكَ مِنْهُمْ نَابُوا عَنْ (النَّاسِ) الْبَاقِينَ، عَلَى هَذَا مَضَى السَّلَفُ وَسَائِرُ الْخَلْفِ مِنْ عَصْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَوْمِنَا هَذَا".

"یعنی فرضِ کفایہ میں اگرچہ خطاب سب کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن فرض اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اس کے لیے مسلمانوں میں سے کچھ کی ادائیگی کے ذریعے کفایت پوری نہ ہو جائے۔ پس جب کچھ افراد یہ کفایت پوری کر دیں تو وہ باقی افراد کی طرف سے بھی فرض ادا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک سبھی سلف و خلف فرضِ کفایہ سے یہی مراد لیتے رہے ہیں"۔[۳۱]

اب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو سمجھیے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے شریعت کا مقصود معروف کو قائم کرنا اور منکر کو روکنا اور زائل کرنا ہے۔ پس جہاں کہیں منکر ہو رہا ہو تو وہاں موجود تمام مسلمانوں پر اسے روکنا اور اس کا زائل کرنا فرض ہے۔ اگر کسی ایک فرد کے قدم اٹھانے سے وہ منکر زائل ہو جائے تو باقی افراد سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور اگر وہ تنہا اس منکر کو مٹانے کے لیے ناکافی ثابت ہو تو باقی افراد پر بھی فرض ہو گا کہ وہ اس کا ساتھ دیں تا آنکہ منکر زائل ہو جائے۔ امام ابن عبد البر 'التمہید' میں لکھتے ہیں:

"فقد أجمع المسلمون أن المنكر واجب تغييره على كل من قدر عليه"۔

---

[۳۱] الفصول في الأصول؛ ج ۲، ص ۱۵۷، ط وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية دولة الكويت

''بلاشبہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ منکر کو روکنا اور زائل کرنا ہر اس شخص پر فرض ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہو''۔ [۳۲]

پس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرضِ کفایہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کے کسی خطے میں بھی اگر کوئی بھی شخص اس فرض کو ادا کر رہا ہے تو باقی تمام امت سے یہ ساقط ہو گیا۔ نہیں! بلکہ مسلمان معاشروں میں جس جس جگہ بھی کوئی معروف معطل ہو رہا ہو اور منکر پھیل رہا ہو تو ان تمام جگہوں کے باسیوں پر اس فریضے کا انجام دینا فرض ہے۔ آج کے حالات میں تو ہر ہر گلی اور ہر ہر محلے کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے، کیونکہ آج تو ہر گلی محلے میں منکرات کی کثرت اور معروف کی پامالی عام ہے۔ اگر یہ منکرات باقی رہے اور مسلمانوں نے انھیں نہ روکا تو یقیناً سب گنہگار ہوں گے۔ [۳۳]

---

[۳۲] التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد، ج ۲۳، ص ۲۸۱، طبع بإشراف وزارة الشؤون الإسلامية بالمغرب العربي۔

[۳۳] یہاں ایک اور بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ ہم نے یہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت کے حوالے سے دو موقف نقل کیے ہیں؛ فرضِ عین اور فرضِ کفایہ۔ جبکہ امام ابو بکر خلال نے اپنی کتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن شُبرُمہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اسے نفل گردانتے تھے۔ جواباً ہم عرض کرتے ہیں کہ بوجوہ یہ اقوال قابلِ قبول نہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع سے اس کی فرضیت ثابت ہو جانے کے بعد ان بزرگوں سے ان کی مخالفت محال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اصحاب کے دیگر اقوال اور عمل اس کے خلاف ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی میں بہت جری تھے حتیٰ کہ سلاطین کے دربار میں بھی حق بات کہنے سے نہیں چوکتے تھے، حجاج اور ابن ھبیرۃ کے ساتھ ان کا تعامل اس کا واضح ثبوت ہے۔ اسی طرح ابن شبرمہ کا مشہور قول جو علمائے احناف نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، وہ امر بالمعروف کی فرضیت ہی کو ثابت کرتا ہے۔ ابن شبرمہ امر بالمعروف کی ادائیگی کو جہاد میں زحف سے مشابہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح اس میں تین سے بھاگنا جائز ہے لیکن دو سے بھاگنا جائز نہیں، اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی معاملہ ہے، یعنی اگر فردِ واحد نے تین افراد کے جتھے کو امر و نہی کرنا ہے تو اس کے لیے رخصت ہے، اس سے کم کی صورت میں خوف کی شرط معتبر نہیں۔ ان توجیہات کے علاوہ ان کے اقوال کی یہ تاویل بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک ایسے زمانے میں امر بالمعروف کا حکم بیان کر رہے تھے جب حجاج اور عبد الملک بن مروان نے ظلم کی انتہاء کر رکھی تھی اور ان کی منکرات پر ٹوکنے والوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ ایسے میں عدمِ قدرت اور خوف کا عذر ہونے کے سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط ہو گئی تھی، جیسا کہ امام جصاص نے احکام

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرضِ عین ہونے کی بعض صورتیں

ہم یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ علمائے امت نے بعض ایسی صورتوں کی نشاندہی بھی کی ہے جن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ کفایہ سے فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ ہم ان میں سے چند صورتوں کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

حکام کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے

حکام المسلمین کے حق میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنا کسی انسان کے پاس قدرت واستطاعت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس پر ذمہ داری بڑھتی جاتی ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ چونکہ حکمرانوں کو سب مسلمانوں سے بڑھ کر قدرت واستطاعت حاصل ہوتی ہے اسی لیے ان پر فرضیت بھی سب سے بڑھ کر عائد ہوتی ہے۔ امام عبدالرحمٰن حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ويتأكد وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر على أعيان المسلمين وهم ذوو ولاية والسلطان، فعليهم من الوجوب ما ليس على غيرهم، فإن مناط الوجوب هو القدرة فيجب على القادر ما لا يجب على العاجز"۔

"مسلمانوں کے نمائندہ افراد یعنی ان کے حکام وامراء کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی کی خاص تاکید ہے اور ان کے حق میں اس کی فرضیت باقی مسلمانوں کی نسبت کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ فرضیت کا دارومدار قدرت پر ہے، اسی لیے جس سطح کی فرضیت صاحبِ قدرت شخص پر ہوگی اس طرح کسی دوسرے پر نہیں ہو سکتی"۔[۳۴]

اس بات کی دلیل خود قرآنِ مجید کی نص ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

القرآن میں ذکر بھی کیا ہے، پھر خود ابن شبرمہ کے قول میں واضح عذر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ استثنائی حالت کا حکم بیان کر رہے تھے۔ نیز ثابت ہوا کہ امر بالمعروف ونہی المنکر کو اصلاً ہی نفل قرار دینے کا موقف درست نہیں، فافهم!

[۳۴] الكنز الأكبر من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر؛ ص ۱۱۳-۱۱۴، ط دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔ یہی بات امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے 'الحسبة في الإسلام أو وظيفة الحكومة الإسلامية' میں کہی ہے۔

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج: 41)

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر انھیں زمین میں اقتدار عطا کیا جائے تو یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور انجامِ کار اللہ ہی کے لیے ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علمائے کرام نے خلیفہ وامیر کی مستقل ذمہ داری قرار دیا ہے اور اسے 'ولاية الحسبة' کی صورت میں خلافتِ اسلامیہ کا مستقل شعبہ گردانا ہے۔ پھر تاریخِ اسلام میں یہ شعبہ ہمیشہ قائم رہا ہے۔ ابن خلدون اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"أما الحسبة فهي وظيفة دينية من باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الذي هو فرض على القائم بأمور المسلمين"۔

"جہاں تک شعبۂ حسبہ کا تعلق ہے تو یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب سے تعلق رکھنے والا ایک دینی فریضہ ہے، جو مسلمانوں کے امور کے والی (یعنی حاکم) پر فرض ہے"۔[۳۵]

اس موقع پر ہم مجاہدین کے ہاتھوں خراسان، یمن، عراق اور صومالیہ میں قائم ہوتی امارت کو اس اہم فریضے کی ادائیگی اور اس شعبے کے قیام کی طرف توجہ دلانا چاہیں گے، کیونکہ مسلمانوں کو انھی سے توقع ہے کہ وہ دینِ اسلام کو دنیا میں پورا پورا قائم کریں گے اور خلافت علی منہاج النبوۃ کا نمونہ پیش کریں گے۔ جہاں تک مسلمانوں کے سروں پر مسلط حکمرانوں کا تعلق ہے تو وہ سراسر دین وشریعت کے برخلاف حکومتیں چلا رہے ہیں اور اپنے اعمالِ بد کے سبب...... شریعت کی نظر میں...... اس منصب سے معزول ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نجات دیں اور ان کی جگہ علماء، صلحاء اور مجاہدین کی قیادت وسیادت عطا فرمائیں، آمین۔

محتسب کے حق میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ عین ہے

[۳۵] مقدمة ابن خلدون؛ ص ۲۱۹، ط دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع بيروت لبنان

محتسب یا محتسبِ منصوب سے مراد وہ فرد ہے جسے خلیفہ یا امیر شعبۂ حسبہ کی ذمہ داری سونپ دے۔ اس فرد پر بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ محتسب میں اور عام فرد میں......جو اس فریضے کو ادا کر رہا ہو......چند فرق ہوتے ہیں جنھیں ہم آئندہ باب میں ذکر کریں گے، ان شاء اللہ۔ امام نظام الدین نیشاپوری حنفی فرماتے ہیں:

"ثم إن نصب لذلك رجل تعين عليه بحكم الولاية وهو المحتسب"۔

"اگر اس فریضے کی ادائیگی کے لیے (حاکم کی طرف) سے کوئی شخص متعین کر دیا جائے تو حاکم کے حکم کی وجہ سے اس پر یہ فرضِ عین ہو جاتا ہے، ایسے فرد کو محتسب کہتے ہیں"۔[۳۶]

علمائے کرام کے حق میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ويجب على أولي الأمر وهم علماء كل طائفة وأمراءها ومشايخها أن يقوموا على عامتهم ويأمروهم بالمعروف وينهوهم عن المنكر"۔

"اولوا الامر یعنی مسلمانوں کے ہر گروہ (ہر قوم، قبیلے، علاقے، جماعت وغیرہ) کے علمائے کرام اور ان کے امراء ومشائخ پر فرض ہے کہ وہ اپنے عام افراد کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔[۳۷]

امام عبد الرحمان بن ابو بکر حنبلی اپنی کتاب "الكنز الأكبر" میں ابو طالب عمر بن ربیع کا قول نقل کرتے ہیں:

"فالحق الواجب على العلماء والفقهاء والفرض اللازم لهم الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والتعليم لأهل الجهل والأخذ على أيديهم ومنعهم من إظهار المنكرات لعلهم ينجون من الويل والوعيد الذي جاء على لسان رسول الله ﷺ في الكتاب والسنة، وإلا كانوا آثمين لتركهم ما وجب عليهم من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والنصيحة اللازمة لهم"۔

---

[۳۶] غرائب القرآن ورغائب الفرقان (طبع على هامش تفسير الطبري)؛ ج ۴، ص ۳۱، المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق مصر

[۳۷] مجموع فتاوى شيخ الإسلام أحمد بن تيمية؛ ج ۳، ص ۴۲۳، ط مجمع الملك فهد

"علماء وفقہاء پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجبِ حقی اور فرضِ لازمی ہے۔ اسی طرح جہلاء کو دین کی تعلیم دینا، ان کا ہاتھ پکڑنا اور انھیں منکرات سے روکنا بھی ان کا فرض ہے تا کہ اس طرح وہ اس وعید سے بچ جائیں جو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے قرآن اور سنت[۳۸] کی صورت میں ہم تک پہنچی، وگرنہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نصیحت کے فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے"۔[۳۹]

اگرچہ فقہاء نے یہ بات صراحتاً نہیں لکھی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی علمائے کرام پر فرضِ عین ہے، تاہم مذکورہ اقوال سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ علمائے کرام کے حق میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت عام مسلمانوں کی نسبت بدرجہا زیادہ ہے اور یہ ان کی خاص مسئولیت ہے۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ چونکہ علمائے کرام کا شمار مسلمانوں کے اولوا الامر میں ہوتا ہے اور اس منصب کا لازمی تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے دینی امور کی نگہبانی کی جائے، سو ان پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس فریضے کو ادا کریں اور اس کی ادائیگی کے لیے دوسرے مسلمانوں کی بھی رہنمائی فرمائیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتمانِ علم سے سختی سے منع فرمایا ہے، اور پھر بہت سی منکرات ایسی ہوتی ہیں جنھیں عام انسان جانتا ہی نہیں ہے[۴۰]، علمائے کرام ہی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ ایسے میں علمائے کرام کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے؛ ایک تو یہ کہ عام مسلمانوں کو منکرات کی پہچان کرائیں اور دوسرا یہ کہ خود بڑھ کر ان منکرات کو روکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے جو علمائے کرام کی مسئولیت کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں:

"ألا لا يمنعن رجلا هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه"۔

---

[۳۸] یہاں کلامِ الٰہی کی وعید سے مراد سورۂ مائدہ کی آیت ۷۸، ۷۹ ہے اور سنت سے مراد اس آیت کی وہ تفسیر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی اور جو آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

[۳۹] الكنز الأكبر من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ص ۱۱۵، ط دار الكتب العلمية بيروت لبنان

[۴۰] خاص طور پر آج کے زمانے میں تو بہت سی منکرات ایسی پائی جاتی ہیں جنھیں عام مسلمان جہالت کے سبب منکرات سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ معاشرہ اس نہج پر جا پہنچا ہے کہ منکر کا تصور بدلتا جا رہا ہے۔ بہت سے چھوٹے بڑے گناہ لوگوں کی نظر میں گناہ ہی نہیں رہے۔ افسوس صد افسوس!

"خبر دار! تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت وہ حق بات کہنے سے روک نہ دے جس کا اسے علم ہو"۔[41]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو رو پڑے اور فرمانے لگے کہ واللہ! ہم نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جن کی ہیبت نے ہمیں خاموش رکھا۔ غور کیا جائے تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ تبصرہ خود اس حکمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگینی واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

عام مسلمانوں کے حق میں فرضیتِ عینی کی بعض صورتیں:

بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں عام مسلمانوں کے حق میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرضِ عین ہو جاتا ہے، مثلاً

۱۔ اگر کسی جگہ معروف کو ترک کیا جارہا ہو اور منکر کا ارتکاب کیا جارہا ہو اور اس کا علم صرف ایک ہی فرد کو ہو تو ایسی صورت میں معروف کا حکم دینا اور منکر کو روکنا اس فرد پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقد يتعين كما إذا كان في موضع لا يعلم به إلا هو أو لا يتمكن من إزالته إلا هو وكمن يرى زوجته أو ولده أو غلامه على منكر"۔

"امر بالمعروف و نہی عن المنکر کبھی فرضِ عین بھی ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کے سوا کسی کو (منکر کا) علم نہیں یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس پر فرضِ عین ہو جائے گا۔ یا جیسے کوئی شخص اپنی بیوی، بچے یا غلام کو منکر کا ارتکاب کرتے دیکھ لے"۔[42]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول کو اپنی شرح مشکوٰۃ میں بھی نقل کیا ہے۔[43]

---

[41] جامع الترمذي: أبواب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب ما أخبر النبي ﷺ أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، ج ٢، ص ١٢٠، ط الطاف ايند سنز كراتشي باكستان

[42] شرح النووي (طبع على هامش الصحيح لمسلم)؛ ج ١، ص ٢٤٥، ط مكتبة البشرىٰ كراتشي باكستان

[43] مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح؛ ج ٩، ص ٣٢٧، ط دار الكتب العلمية بيروت لبنان

۲۔ مذکورہ بالا قول سے ایک اور صورت بھی واضح ہوگئی ہے اور وہ یہ کہ جب کسی موقع پر منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو اور کوئی شخص باقی افراد کی نسبت اسے روکنے کی زیادہ قدرت رکھتا ہو تو اس پر اس منکر کو روکنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اپنے تحت کچھ رعیت رکھتا ہو مثلاً: والد، شوہر، استاد، سربراہِ خاندان و قبیلہ، امیرِ جماعت، منتظمِ ادارہ، امرائے جہاد وغیرہ۔

۳۔ ایک تیسری صورت کا ذکر امام ابن عربی مالکی نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"وقد يكون فرض عين إذا عرف المرء من نفسه صلاحية النظر والإستقلال بالجدال أو عرف ذلك منه"۔

"یہ اس وقت بھی فرضِ عین ہو جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے اندر بصیرت اور مباحثہ وجدال کی صلاحیت پاتا ہو، یا دوسرے اس میں یہ صلاحیت دیکھتے ہوں"۔[۴۴]

اس فریضے کی انجام دہی کی ایک صورت زبان سے منکر کو روکنا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص زبان کے ٹھیک استعمال پر قادر نہیں ہوتا۔ سو جب کہیں زبان سے نیکی کا حکم دینے یا برائی سے روکنے کا موقع آجائے تو ایسے موقع پر موجود افراد میں سے جو شخص گفتگو کا سلیقہ جانتا ہو اور کلام میں مہارت رکھتا ہو تو اس پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرضِ عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس زبان سے منع کرنے کی قدرت باقیوں کی نسبت زیادہ ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[۴۴] أحكام القرآن لابن العربي؛ ج ۱، ص ۳۸۳، ط دار الكتب العلمية بيروت لبنان

مومن تو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا
لیکن ہم.........؟

اسد اللّٰہ خان

لاوا جو پھٹنے کو ہے!

دہائیوں تک فرنگی کے اس قابلِ نفرت نظام تلے پسے رہنے والے عوام کے صبر کے پیمانے لبریز ہو رہے ہیں۔ ظلم ایک ایسی سطح تک پہنچ گیا ہے کہ اٹھ کھڑے ہونے اور آگے بڑھ کر اپنا حق چھین لینے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں بچا۔ بلوچستان کے ویرانوں سے مسخ شدہ لاشیں برآمد ہونے کا سلسلہ جاری ہے، قبائلی مسلمانوں پر ڈرون حملوں کی خونی بارش بھی تھمتی نظر نہیں آرہی، جنوبی وزیرستان تا خیبر و مہمند عام آبادیاں تا حال فضائیہ کے جہازوں کے لیے تختۂ مشق بنی ہوئی ہیں اور مجاہدین سے تعلق کے الزام میں قید باحمیت نوجوانوں کی تشدد زدہ لاشیں سڑکوں اور چوراہوں پر پھینکنے کا وحشیانہ اسلوب بھی ابھی تک نہیں بدلا۔ عام آدمی کو ایسے ظالمانہ معاشی شکنجے میں کس دیا گیا ہے کہ اپنی حیوانی ضروریات پوری کرنے سے بڑھ کر کوئی عالی تر مقصد اس کے پیشِ نظر باقی نہیں بچا اور اللہ کا خلیفہ بنا کر دنیا میں اتارے جانے والے انسان کے لیے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہی زندگی کا واحد محور بن گیا ہے۔ یہ ریاستی نظام شرعاً تو پہلے بھی ڈھائے جانے کا مستحق تھا، لیکن اب تو عقلاً بھی تبدیلی ناگزیر ہو گئی ہے۔ ملک کے کسی ادارے پر عوام کا اعتماد باقی نہیں بچا۔ سیاست دانوں کی بدعنوانی و مفاد پرستی ضرب المثل بن چکی ہے۔ فوج اور خفیہ ایجنسیوں کا ظلم و سربریت اور فوجی

جرنیلوں کی عیاش طرزِ زندگی سبھی سے پردے اٹھ چکے ہیں۔ عدلیہ کے کالے کوٹوں میں چھپے کالے دل بھی سیاسی کھیل تماشوں میں مشغول اور عوام کو انصاف فراہم کرنے میں قطعاً ناکام رہے ہیں۔

پاکستان کے عوام میں پکتے اس لاوے کو عرب دنیا کی باغیانہ تحریکوں نے مزید مہمیز دی ہے۔ چالیس چالیس سال سے عرب مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط حکمران و فوجی جرنیل جو اپنے تخت کی پائیداری اور اپنے نظام کی قوت پر نازاں تھے، انھی فرعونوں کو دنیا نے گلی کوچوں میں عام نوجوانوں کے ہاتھوں عبرت کا نشان بنتے دیکھا ہے۔ تیونس کا صدر ابنِ علی جان بچا کر ملک سے فرار ہونے پر مجبور ہوا، مصر کا حسنی مبارک اپنی بدبخت اولاد سمیت جیل میں ڈال دیا گیا، یمن کا علی عبداللہ زخمی ہونے کے بعد اقتدار اپنے نائب کو دے کر امریکہ جا بیٹھا اور قذافی اور اس کے بیٹے کو لیبیا کی سڑکوں پر گھسیٹ گھسیٹ کر قتل کیا گیا۔ ان سب واقعات نے یقیناً اس ملک کے باحمیت لوگوں میں بھی جذبے بیدار کیے ہیں اور انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

انقلاب کو روکنے کے لیے 'کنٹرولڈ انقلاب' کا منصوبہ

لیکن ملک کے اربابِ اقتدار اس ساری صورتِ حال سے کسی طور بھی غافل نہیں۔ وہ بھی حالات کو پلٹا کھاتے اور عوام کے تیور بدلتے دیکھ رہے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے عوام کے جذبات کو کسی خطرناک رخ پر جانے سے روکنے اور اپنا مطلوبہ رخ دینے کے لیے، ان کے غصے کو تحلیل کرنے اور ان کے دلوں میں موجزن تحریک کے ثمرات پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ایک پرانا اور آزمودہ نسخہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے قبل کہ لوگ کوئی حقیقی انقلاب برپا کرنے اٹھ کھڑے ہوں، ایک 'کنٹرولڈ انقلاب' لانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے سجائے گئے اس نئے سٹیج کے مکروہ کردار بھی گزشتہ ایک ڈیڑھ سال میں صاف نظر آنے لگے ہیں۔ مستقبل کی جو تصویر کل تک ذرا دھندلی تھی اس کے خدوخال آج بڑی حد تک نمایاں ہو گئے ہیں۔ تبدیلی کا نعرہ بلند کرنے والے شخص کے ارد گرد وہی قبیح بدقماش ٹولہ اکٹھا ہو رہا ہے جس کا احتساب کرنے کے نام پر یہ 'عوامی سونامی' برپا کی جارہی ہے۔ اصولاً اس کھیل سے دھوکہ کھانے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ایسی قوم جو ٹی وی دیکھ دیکھ کر اور اخبارات پڑھ پڑھ کر اپنی ایمانی بصیرت بڑی حد تک کھو بیٹھی ہو اور جسے میڈیا ہنسائے تو ہنس پڑے، رلائے تو رو پڑے اور

اٹھائے تو اٹھ کر جس طرف وہ چلانا چاہے چل پڑے، اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس سیدھے سادے فریب ودھوکے کو پہچاننے میں بالکل ہی ناکام رہے اور ایک بار پھر بے وقوف بن جائے۔

انگریز کی سکھلائی ہوئی مکار حکمتِ عملی

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع نہیں جب حکمران طبقہ اس ملک کے سادہ لوح عوام کے پاکیزہ جذبات کو، ان کی اسلام سے محبت کو، ان کے جذبۂ قربانی کو استعمال کر کے اپنے مکروہ اہداف حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ فرنگی کے شاطرانہ ذہن کے زیرِ تربیت رہنے والا یہ حکمران طبقہ اس فن میں طاق ہے کہ جب کبھی عوام ظلم سے تنگ ہو کر بجنگ آمد ہو جائیں، جب کبھی وہ اپنے حقوق لینے اٹھ کھڑے ہوں تو اپنے ہی میں سے کچھ لوگ نہایت سلیقے کے ساتھ ان میں داخل کر دیئے جائیں جو آہستہ آہستہ عوامی تحریک پر قبضہ کر لیں اور اسے وہی رخ دے دیں جو حکمران ٹولے کو مطلوب ہو۔ ویسے بھی جمہوری نظام کی یہ خاصیت ہے کہ یہ عوام کا غصہ کسی ایک نقطے پر مرتکز نہیں ہونے دیتا۔ جب بھی لوگ کسی ایک چہرے سے تنگ آ جائیں تو نظام میں کوئی جوہری تبدیلی لائے بغیر ہی کسی دوسرے چہرے کو سامنے لے آیا جاتا ہے۔ اور یوں عوام سالہا سال کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی محدود سے دائرے میں گھومتے رہتے ہیں، کبھی ایک سراب کے پیچھے دوڑ دوڑ کر ہلکان ہوتے ہیں تو کبھی دوسرے کے پیچھے، لیکن ان کے ہاتھ تھکن، خواری اور ذلت کے سوا کچھ نہیں آتا۔

ایک خواب جو کبھی حقیقت نہ بن سکا

ہمیں بے وقوف بنانے کا یہ سلسلہ قیامِ پاکستان کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ وہ سارے غدارانِ دین وملت جو کبھی رنجیت سنگھ کی چوکھٹ پر اور کبھی برطانوی جرنیلوں کے قدموں میں سجدہ ریز نظر آئے، وہ بدبخت جو شمعِ جہاد کے پروانوں کا لہو بیچ کر جاگیردار اور وڈیرے بنے، جنھوں نے انگریزی سرکار کے احکامات کی تعمیل میں ہزارہا علماء کے خون سے ہاتھ رنگے، جنھوں نے جنگِ عظیم اوّل میں خلافتِ عثمانیہ کو گرانے کے 'مقدس فریضے' میں فرنگی کا ساتھ دیا، جنگِ عظیم دوم میں سلطنتِ برطانیہ کی مدد کے لیے گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع کیا اور اپنے خاندانوں اور قبیلوں کے ہزاروں نوجوانوں کو جہنم کا ایندھن بننے کے لیے میدان میں اتارا، برصغیر کے یہ رذیل ترین لوگ

جو دو سو سال تک فرنگی کے پاؤں دھو دھو کر پیتے رہے اور امت کی تاریخ میں غداری اور پست کرداری کا سیاہ ترین باب رقم کر گئے، ایک ایسا باب کہ جس کے ذکر سے بھی گھن آئے اور جس کے تعفن سے روح کانپ اٹھے......... یہی رذیل لوگ جن سے نجات پانے کے لیے عوام نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے آقا و حاکم بن بیٹھے اور مسلمانانِ برصغیر نے لاکھوں جانیں دے کر، ہزارہا عزتیں لٹوا کر، تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی اور خونی ہجرت کر کے جو ہدف حاصل کرنا چاہا تھا، اس کے پورے ہونے میں یہی ابن الوقت طبقہ، یہی عبّادِ درہم و دینار حائل ہو گئے۔

غداروں کی شیطانی مثلث

جاگیرداروں کا یہ غدار ٹولہ قیامِ پاکستان کے عین قبل تک انگریز کے اشاروں پر تشکیل کردہ 'یونینسٹ پارٹی' میں مجتمع تھا۔ یہ پارٹی بنیادی طور پر پنجاب کے ان جاگیرداروں، خان بہادروں، نوابوں اور سجادہ نشینوں کا اکٹھ تھا جنھیں انگریز نے ان کی لازوال وفاداری کے صلے میں القابات، اعزازات، خطیر رقوم اور بڑی بڑی زمینوں سے نوازا تھا۔ سندھ میں بھی اسی طرز پر 'یونائیٹڈ پارٹی' کے نام سے ایک جماعت موجود تھی جس کے اہم رہنماؤں میں بھٹو کا باپ 'سر' شاہنواز بھٹو بھی شامل تھا۔ سرحد میں انگریز کے ٹوڈی خوانین (مثلاً ہوتی اور شیر پاؤ خاندان) بالعموم آزاد امیدواروں کے طور پر انتخابات میں اترتے تھے۔ جبکہ قبائلی علاقہ جات اور بلوچستان میں انتخابات کے دھوکے باز نظام کی بجائے پولیٹیکل ایجنٹ کا ظالمانہ نظام مسلط تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے قوم کے نمائندہ روایتی مشران کی جگہ انگریز کے چنیدہ سرکاری ملکان اور سرداران کو سامنے لایا گیا۔ یوں انگریز نے ہر قوم کے رذیل ترین لوگوں کو چن کر ان کی سرپرستی کی اور انھیں پہلے اپنی قوم پر اور آہستہ آہستہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں پر مسلط کیا۔ انھی غدار طبقوں کی اولادیں اور انھی کے خاندانوں اور قبیلوں کے لوگ شاہی ہندی فوج میں بھی آگے آگے نظر آتے تھے۔ سول انتظامیہ (بیوروکریسی) میں بھی انھی کی جڑیں سب سے مضبوط تھیں۔ یہ درحقیقت فرنگی کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والا

- فوج

- جاگیر دار سیاسی خاندانوں
- اور بیوروکریسی

کا ایک ابلیسی گٹھ جوڑ تھا جو آج تک بر قرار ہے۔ آج بھی اس ملک پر اسی شیطانی مثلث کی حکومت ہے۔

فرنگی کے پجاری!

چاپلوسوں اور خوش آمدیوں پر مشتمل خسیس لوگوں کا یہ بد طینت گروہ انگریز کو اسی طرح پوجتا تھا جیسے مسلمان اپنے رب کو پوجتا ہے۔ ان کے نزدیک ان کا رازق و مالک بھی فرنگی تھا اور ملجا و ماویٰ بھی فرنگی، ان کی محبت واطاعت کا، سجدوں اور نیازوں کا اور تسبیح و تہلیل کا مستحق بھی یہی فرنگی تھا۔ ذیل میں اسی مشرکانہ طرزِ عبادت کا ایک نمونہ نقل کیا جارہا ہے۔ تاجِ برطانیہ ایڈورڈ ہفتم کے جشنِ تاج پوشی کے موقع پر ڈیرہ غازی خان کے رئیسوں اور سرداروں نے برطانوی سرکار کو یہ عرض داشت پیش کی تھی تاکہ نئے برطانوی فرمانروا کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا جا سکے۔ اس دستاویز پر دستخط کرنے والوں میں پاکستانی سیاست میں نظر آنے والے کئی نمایاں ناموں مثلاً فاروق لغاری، میر بلخ شیر مزاری، سردار نصر اللہ خان دریشک اور ذوالفقار علی کھوسہ کے آباء واجداد بھی شامل تھے۔ پڑھتے جایئے اور شرماتے جایئے:

"عرض داشت گر قبول افتد زہے عزو شرف

بعد عرض فیض عرض باریافتگان پایۂ سریر سلطانی، ظلِ یزدانی، آیتِ دولتِ جاودانی، عدل و انصاف اور جہاں بانی کے مصدر و منبع، اعلیٰ حضرت، شہنشاہِ عالی جاہ، عالم پناہ، والدِ بارگاہ، خدیو گیہان، منصفِ دوران، سلیمانِ زماں، جمشیدِ جہاں، جناب معلیٰ القاب، فیضِ مآب، معدلتِ انتساب، شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم، اللہ ان کے اقبال اور شان و شوکت کو تا ابد قائم و دائم رکھے!

بے حد عجز و انکساری کے اظہار اور تسلیماتِ بے اندازہ و تعظیماتِ بے شمار کے بعد، ہم ساکنانِ ڈیرہ غازی خان صوبہ پنجاب ملک ہندوستان، یعنی بلوچی سرداران، ملازمان، رئیسان، میونسپل کمشنران اور دیگر رعایا بہ ادب و نیاز، پایۂ تختِ اعلیٰ حضرت شہنشاہِ جہاں

پناہ، منبعِ فیوض و برکات کو بوسہ دیتے ہوئے بادشاہ سلامت کی تاج پوشی کے جشن پر یہ پُر خلوص ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں۔ در حقیقت ہمارے لیے یہ جشنِ سعید ہے کہ شہنشاہِ برطانیہ اور قیصرِ ہند کی تاج پوشی کے باعث ہم جانثار و وفادار بندوں کو اس پر مسرت موقع پر بے حد خوشی اور سرور حاصل ہوا۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ہم سلطنتِ عظمیٰ کے دوسرے ممالک میں بسنے والوں کا مقابلہ علوم و فنون کی تحصیل اور تجارت و زراعت کی ترقی میں کسی طور پر نہیں کر سکتے، مگر ہم اس بات پر بجا طور پر نازاں ہیں کہ ہم برطانیہ ء عظمٰی کے تخت کی تابعداری اور فرمانبرداری میں ان سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ہم بصد عقیدت و احترام حضرت ملکۂ معظمہ مغفورہ و مرحومہ قیصرۂ ہند کی ذاتِ والا صفات کے مداح ہیں جو ہمارے لیے گنجینۂ فیوض و برکات تھیں۔ وہ بے شمار اوصافِ حمیدہ کی حامل تھیں جنہیں حیطۂ تحریر و تقریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ ملکۂ ممدوحہ مغفورہ نہ صرف عدل پرور اور کرم گستا تھیں بلکہ ہندوستان کی رعایا کے لیے شفقت و مہربانی کے لحاظ سے مادر بھی تھیں۔ اس ملک میں ولی عہدی کے زمانے میں حضورِ پر نور کی تشریف آوری اب تک ہمارے لیے انتہائی مسرت اور طمانیت کا باعث ہے۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ حضورِ انور شہنشاہِ اکبر اپنے عہدِ حکومت میں انھی خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرماتے ہوئے اس دور افتادہ علاقے کے باسیوں کو حسبِ معمول اپنے شاہانہ اور کریمانہ الطاف و عنایات سے نوازتے رہیں گے جن کے پیشِ نظر حضور نے اس سر زمین کو وقار بخشا تھا۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال شہنشاہِ با استقلال اور عالم پناہِ باکمال کے اقبال و اجلال کو ہمیشہ عروج بخشے اور سایہ ء ہما پایہ، فیضِ گنجور حضرت ملکۂ معظمہ کے فیوضات کا ظہور اہلِ جہاں کی پیشانی پر تا ابد قائم و دائم رہے۔ اقبال و اجلالِ شہنشاہِ با استقلال و عالم پناہِ باکمال را پیوستہ بعروجِ داراد و سایۂ ہما پایہ حضور فیضِ گنجور حضرت ملکۂ معظمہ، صفالینِ ظہوبر مفارقِ عالمیان تابقائے جہاں دائم و قائم داراد وبحرمتِ النون والضاد، آمین یا الٰہ العالمین!''[1]

---

[1] از کتاب: ''سیاست کے فرعون''، از وکیل انجم، ص: ۲۲، ۲۳، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ۔

غیور بلوچ قبائل کو غلام بنائے رکھنے کے لیے اسی طرح کے رذیل، چاپلوس اور انگریز کے ٹوڈی سرداروں کو اوپر لایا گیا تھا جو ہر قسم کی دینی حمیت اور قومی غیرت سے عاری تھے۔ یہ تو محض ایک نمونہ ہے، ورنہ ہندوستان کے ہر علاقے کے کمینے ترین لوگ اسی طرح انگریز کے تلوے چاٹ چاٹ کر اس سے پیسے اور جاگیریں بٹورتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس خطے کے غیور مسلمانوں پر حاکم بن بیٹھے۔

ضمیر فروشی کی دستاویز

۱۹۲۵ء میں برطانوی فرمانروا و ملکہ کے عہدِ حکومت کے پچیس سال پورے ہونے پر ملتان ڈویژن کی سیاسی قیادت نے فرمانروا و ملکہ کی خدمت میں ایک مبارک بادی پیغام بھیجا جو ان غداروں کی ضمیر فروشی اور غاصب انگریزی حکومت سے ان کی مکمل وفاداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت ملتان ڈویژن میں ملتان، مظفر گڑھ، جھنگ، ڈیرہ غازی خان، فیصل آباد اور سیالکوٹ کے اضلاع شامل تھے۔ یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ دستخط کرنے والوں میں سب سے اوپر وزیرِ اعظم پاکستان یوسف رضا گیلانی کے دادا کے بھائی مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی کا نام ہے۔ ذیل میں اس سپاس نامے کا متن نقل کیا جا رہا ہے:

"سپاس نامۂ تہنیت

بر جشنِ سلور جوبلی حضور شہنشاہِ معظم و ملکۂ معظمہ

منجانب رعایا ملتان ڈویژن

بحضورِ فیضِ گنجور کمشنر صاحب بہادر ملتان

حضورِ والا!

آج کے دن کی تاریخ برطانوی سلطنت کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ شہنشاہِ معظم اور ملکۂ معظمہ کی سلور جوبلی منانے کے لیے سلطنتِ برطانیہ کے ہر کونے میں ہر زن و مرد، پیر و جوان بے تاب نظر آتا ہے۔ اور اس عالمگیر خوشی کا اظہار نہ تو قلم صحیح طور پر کر سکتا ہے اور نہ زبان۔

اس جذبہء محبت کی تہہ میں شہنشاہِ معظم کی ہمہ گیر شخصیت ہے جنھوں نے ہر موقع پر اپنے افعال و اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ رعایا کی خوشی ان کی خوشی ہے اور رعایا کا غم ان کا غم۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رعیت کا ہر فرد و بشر ان کے عہدِ حکومت کے پچیس سال گزرنے پر نہ صرف شادمان ہے بلکہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہمارے سر پر عرصۂ دراز تک سلامت رکھے تاکہ ہم ان کی گولڈن اور ڈائمنڈ جوبلی بھی اسی شادمانی اور خوشی کے ساتھ منائیں۔ حضورِ والا! آپ کو یاد ہو گا کہ عالمگیر جنگ کے خاتمے پر کس طرح اتحادی سلطنتیں دشمن سے سخت ترین بدلہ لینے کے لیے تیار تھیں۔ لیکن یہ شہنشاہِ معظم ہی کا ہمدردی سے بھرا ہوا دل تھا جس نے اتحادیوں کو مجبور کیا کہ وہ فتح و نصرت حاصل کرنے کے بعد بھی دشمن سے صلح کرتے وقت اپنے دل میں غصہ و انتقام کو جگہ نہ دیں۔ شہنشاہِ معظم کے اس صلح جویانہ اصول نے دشمنوں کے دل پر بھی فتح حاصل کر لی۔ انگلستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ کو "فاتح"، کسی کو "اعظم"، کسی کو "نیک" اور کسی کو "صلح کل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے شہنشاہِ معظم کو آئندہ آنے والی نسلیں "شریف دل" کے نام سے یاد رکھیں گی۔

آئیں ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شریف دل بادشاہ کو ابد تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

وہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

دستخط کنندگانِ سپاس نامہ، ملتان ڈویژن کی جملہ لوکل باڈیوں میں کل رعایا کے نمائندگان ہیں۔ اور ہم حضورِ والا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان جذباتِ محبت و عقیدت و وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے اس ڈویژن کی برطانوی رعایا کے لاکھوں افراد کی بالکل صحیح نمائندگی کر رہے ہیں، جن کے دل میں حضور شہنشاہِ معظم و ملکہء معظمہ کے لیے محبت و وفاداری کے جذبات نہایت جوش و خروش کے ساتھ موجزن ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ حضورِ والا ہمارے ان دلی جذبات کو جنھیں ہم نے اس صفحہ پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے، بذریعہ لوکل گورنمنٹ حضور شہنشاہِ معظم و ملکہء معظمہ کی خدمتِ اقدس میں ضرور بھجوادیں گے۔

المرقوم: ماہِ مئی، ۱۹۲۵ء"[۲]

......جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

ایسا ہی ایک دعانامہ پنجاب کے سجادہ نشینوں اور نام نہاد 'اولیائے کرام' نے سن ۱۹۱۹ء میں گورنر پنجاب مائیکل اوڈوائر کی خدمت میں پیش کیا، وہی اوڈوائر جس کے احکامات پر جلیانوالہ باغ میں عوام الناس کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا تھا اور جس کے دورِ حکومت میں لاہور، گوجرانوالہ اور امرتسر سمیت پنجاب کے بیشتر اہم علاقوں میں مارشل لاء نافذ کر کے شدید مظالم توڑے گئے تھے۔ اس دستاویز کو تو نقل کرتے ہوئے بھی سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ ہماری قوم میں ایسے پست کردار اور فرنگی سے ایسی دیوانی محبت رکھنے والے لوگ بھی موجود تھے! اللہ ہمیں اس قابلِ نفرت مخلوق کے غلیظ گناہوں کی نحوست سے بچالے اور اس خطے کی پیشانی پر لگے بدنما دھبوں کو اپنے خون سے ہمیشہ کے لیے دھوڈالنے کی توفیق دے۔ آمین! ملاحظہ کیجئے:

"حضورِ والا!

ہم خادم الفقراء، سجادہ نشینان و علماء مع متعلقین شرفائے حاضر الوقت مغربی حصۂ پنجاب نہایت ادب و عجز وانکساری سے یہ دعانامہ لے کر خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمیں یقینِ کامل ہے کہ حضورِ انور جن کی ذاتِ عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی، ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے ہم خاکسارانِ باوفا کے اظہارِ دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہِ فخر کو چار چاند لگادیں گے۔

سب سے پہلے ہم ایک دفعہ پھر حضورِ والا کو مبارک باد کہتے ہیں۔ جس عالمگیر و خوفناک جنگ (یعنی جنگِ عظیم اوّل) کا آغاز حضور کے عہدِ حکومت میں ہوا وہ حضور ہی کے زمانے

---

[۲] از کتاب: "سیاست کے فرعون"، ص: ۲۷۔۴۔ اصل دستاویز کا عکس مضمون کے آخر میں دیا جارہا ہے۔

میں بخیر وخوبی انجام پا گئی اور یہ بابرکت و باحشمت سلطنت، جس پر پہلے بھی سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا اب آگے سے زیادہ مستحکم اور آگے سے زیادہ روشن اور اعلیٰ عظمت کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئی، جیسا کہ شہنشاہِ معظم نے اپنی زبانِ مبارک سے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ واقعی برطانوی تلوار اس وقت نیام میں داخل ہوئی جب دنیا کی آزادی، امن و امان اور چھوٹی چھوٹی قوموں کی بہبودی مکمل طور پر حاصل ہو کر بالآخر سچائی کا بول بالا ہو گیا۔ حضور کا زمانہ ایک نہایت نازک زمانہ تھا اور پنجاب کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی عنانِ حکومت اس زمانے میں حضور جیسے صاحبِ استقلال، بیدار مغز اور عالی دماغ حاکم کے مضبوط ہاتھوں میں رہی جس سے نہ صرف اندرونی امن ہی قائم رہا بلکہ حضور کی دانشمندانہ رہنمائی میں پنجاب نے اپنے ایثار و وفاداری اور جانثاری کا وہ ثبوت دیا جس سے "شمشیرِ سلطنت" کا قابلِ فخر لقب پایا۔ پھر بھرتی کا معراج، صلیبِ احمر کی اعجاز نما دستگیری، قیامِ امن کی تدبیر، تعلیم کی ترقی، سب حضور ہی کی کاوشیں ہیں اور حضور ہی ہیں جنھوں نے ہر موقع پر اور ہر وقت پنجاب کی خدمات اور حقوق پر زور دیا۔ صرف جنابِ والا کو ہی ہماری بہبود مطلوب نہ تھی بلکہ صلیبِ احمر یعنی ریڈ کراس اور تعلیمِ نسواں کے نیک کام میں حضور کی ہم دم اور ہم راز جنابہ لیڈی اوڈوائیر صاحبہ نے، جن کو ہم مروّت کی زندہ تصویر سمجھتے ہیں، ہمارا ہاتھ بٹایا اور ہندوستانی مستورات پر احسان کر کے ثوابِ دارین حاصل کیا۔ ہماری ادب سے التجا ہے کہ وہ ہمارا دلی شکریہ قبول فرماویں۔

حضورِ انور! جس وقت ہم اپنی آزادیوں کی طرف خیال کرتے ہیں جو ہمیں سلطنتِ برطانیہ کے طفیل ہوئیں، جب ہم دخانی جہازوں کو سطحِ سمندر پر اٹکھیلیاں کرتے دیکھتے ہیں جن کے طفیل ہمیں اس مہیب جنگ میں امن و امان حاصل رہا ہے، جب ہم تارِ برقی کے کرشموں پر، علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور و پشاور جیسے اسلامی کالجوں اور دیگر قومی درس گاہوں پر نظر ڈالتے ہیں، اور پھر جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں، تو ہمیں ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دیتے ہیں۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

کسے را بہ کسے کارے نباشد

باوجود فوجی قانون کے جو کہ خود فتنہ پردازوں کی شرارت کا نتیجہ تھا، مسلمانوں کے مذہبی احساس کا ہر طرح سے لحاظ رکھا گیا۔ شبِ برأت کے موقع پر ان کو خاص رعایتیں دکھائیں۔ رمضان المبارک کے واسطے حالانکہ اہلِ اسلام کی درخواست یہ تھی کہ فوجی قانون ساڑھے گیارہ بجے شب سے دو بجے تک محدود کیا جاوے لیکن حاکم سرکار نے یہ وقت بارہ بجے سے دو بجے کر دیا۔ شاہی مسجد، جو فی الاصل قلعے کے متعلق تھی اور جو ابتدائی عملداریء سرکار ہی میں واگزار ہوئی تھی، اہالیانِ لاہور نے اس مقدس جگہ کو ناجائز سیاسی امور کے واسطے استعمال کیا۔ جس پر متولیان مسجد نے جو خود مفسدہ پردازوں کو روک نہیں سکتے تھے، سرکار سے امداد چاہی۔ یہی وجہ تھی کہ سرکار نے اس کا ایسا ناجائز استعمال بند کر دیا۔ ہم تہہ دل سے مشکور ہیں کہ حضور والا نے پھر اس کو واگزار فرما دیا۔ سرکار نے حج کے متعلق جو مہربانی کی ہے ہم اس سے ناآشنا نہیں اور مشکور ہیں۔

ہم سچ عرض کرتے ہیں کہ جو برکات ہمیں اس سلطنت کی بدولت حاصل ہوئیں، اگر ہمیں عمرِ خضر بھی نصیب ہو تو بھی ہم ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کے لیے سلطنتِ برطانیہ ابرِ رحمت کی طرح نازل ہوئی اور ہمارے ایک بزرگ نے، جس نے پہلے زمانے کی خانہ جنگیاں، خون ریزیاں اور بد امنیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں، اس سلطنت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا:

ہوئیں بد نظمیاں سب دُور، انگریزی عمل آیا

بجا آیا، بہ استحقاق آیا، بر محل آیا

ہم کو وہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا جب ترکوں نے ہمارے مشورے کے خلاف کوتاہ اندیشی سے ہمارے دشمنوں کی رفاقت اختیار کی تو ہمارے شہنشاہ نے ازراہِ کرم ہم کو یقین دلایا کہ ہمارے مقدس مقامات کی حرمت میں سرِ مو فرق نہیں آئے گا۔ اس الطافِ خسروانہ نے ہماری وفا میں نئی روح پھونک دی، "هل جزاء الإحسان إلا الإحسان"

(احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں)، ہم ان احسانوں کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ اب اس جنگِ عظیم کے خاتمے پر صلح کانفرنس میں سلطنتِ ترکی کی نسبت جلد فیصلہ ہو جانے والا ہے۔ ممکن ہے یہ فیصلہ مسلمانوں کی امیدوں کے بر خلاف ہو۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس فیصلے میں سرکارِ برطانیہ اکیلی مختارِ کار نہیں ہے بلکہ بہت سی دوسری طاقتوں کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ شہنشاہِ معظم کے وزراء جو کوششیں ترکی کے حق میں کرتے رہے ہیں ہم ان کے واسطے ان کے بہر حال مشکور ہیں۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ جنگ مذہبی اغراض پر مبنی نہ تھی اور اپنے اپنے عمل کا اور اس کے نتائج کا ہر ایک خود ذمہ دار ہے۔

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروشی

مگر ہمیں پوری توقع ہے کہ ہماری گورنمنٹ اس بات کا خیال رکھے گی کہ مقاماتِ مقدسہ کا اندرونی نظم و نسق مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہے۔ ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ جب حضور وطن کو تشریف لے جائیں تو تاجدارِ ہندوستان (یعنی فرمانروائے برطانیہ) کو یقین دلائیں کہ چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو، ہماری وفاداری میں سرِ مو فرق نہ آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروواں اور مریدان فوجی وغیرہ، جن پر سرکارِ برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں، ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جانثار رہیں گے۔

ہمیں نہایت رنج و افسوس ہے کہ ناتجربہ کار نوجوان امان اللہ خان والیء کابل نے کسی غلط مشورے پر عہد ناموں کی اور اپنے باپ دادا کے طرز کی خلاف ورزی کر کے خداوند تعالیٰ کے صریح حکم: ”وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا“ (یعنی وعدے کا ایفاء کرو، ضرور وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا) کی نافرمانی کی۔ ہم جنابِ والا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم افغانستان کے اس طرزِ عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اہالیانِ پنجاب احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور نادر شاہی قتل و غارت گری کو نہیں بھول سکتے۔ ہم اس غلط اعلان کی جس میں اس نے سراسر خلافِ واقع لکھا ہے کہ سلطنت کی مذہبی آزادی میں خدانخواستہ

کسی قسم کی کوئی رکاوٹ واقع ہوئی ہے، زور سے تردید کرتے ہیں۔ امیر امان اللہ خان کا خاندان سرکارِ انگلشیہ ہی کی بدولت بنا اور سرکار کی احسان فراموشی کفرانِ نعمت سے کم نہیں۔

ہم کو ان کوتاہ اندیش دشمنانِ ملک (یعنی کہ مجاہدین) پر بھی سخت افسوس ہے جن کی سازش سے تمام ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ اور جنھوں نے اپنی حرکاتِ ناشائستہ سے پنجاب کے نیک نام پر دھبہ لگایا۔ مقابلہ بالآخر مقابلہ ہی ہے۔ ہم حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ و جاہلانہ حرکات کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے قرآنِ کریم میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ "ولا تفسدوا في الأرض" (یعنی دنیا میں فساد و بدامنی مت پیدا کرو) اور "إن الله لا يحب المفسدين" (یعنی بے شک خدا فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا)۔

حضورِ والا! اگرچہ آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے،

سرِ غم سے کھنچے کیوں نہ سردار ہمارا

لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سر ایڈورڈ میکلیکن، جن کے نامِ نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے اور جن کا حسنِ اخلاق رعایانوازی میں شہرہء آفاق ہے، ان کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کی خدمتِ والا میں یقین دلاتے ہیں کہ ہم بہ مثلِ سابق اپنے جوشِ عقیدت اور وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔

حضور اب وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں۔ ہم دعا گویان جنابِ باری میں دعا کرتے ہیں کہ حضور بمع لیڈی صاحبہ و جمیع متعلقین خیریت کے ساتھ اپنے پیارے وطن پہنچیں، تا دیر سلامت رہیں اور وہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اتاریں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!"[۳]

---

[۳] از کتاب: "سیاست کے فرعون"، ص: ۲۳ تا ۲۷۔ اصل دستاویز کا عکس مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے۔

تُف ہے چوپایوں سے بدتر اس مخلوق پر! اور تُف ہے ان کی اولاد و متبعین میں سے ہر اس شخص پر جو آج تک اسی غلیظ راہ پر چل رہا ہے! اللہ ان سب غداروں کو اپنی گرفت میں لیں اور اس خطے کے مسلمانوں کو اس موذی سرطان سے نجات دیں، آمین!

غداروں کی پہلی قلابازی

برصغیر کی سیاست پر نگاہ رکھنے والے لوگ ۱۹۴۳ء سے ہی یہ بات محسوس کرنے لگے تھے کہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے اور برصغیر کے مسلمان آہستہ آہستہ مسلم لیگی قیادت کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ حالات کا رخ بدلتا دیکھ کر چڑھتے سورج کے پجاریوں نے بھی قلابازی لگانے کا فیصلہ کیا۔ دو سو سال سے بلا ناغہ انگریز کی مالا جپنے والے سیاست دانوں نے اپنے کچھ معتمد نمائندے یونینسٹ پارٹی سے نکال کر مسلم لیگ میں داخل کر دیئے تا کہ مستقبل کا منظر نامہ جو بھی ہو، اس میں ''سیاسی خاندانوں، فوج اور بیوروکریسی'' کی شیطانی مثلث کے مفادات محفوظ رہیں۔ مسلم لیگ میں شامل ہونے والا سب سے نمایاں نام لیفٹیننٹ سردار شوکت حیات خان کا تھا۔ سردار شوکت حیات کا تعلق واہ (اٹک) کے کھٹڑ خاندان سے تھا۔ اس خاندان کا شمار برصغیر میں انگریز کے وفادار ترین خاندانوں میں ہوتا تھا۔ یہ خاندان تین پشتوں سے انگریز کی خدمت میں جتا ہوا تھا۔ سردار شوکت حیات کا پردادا، کرم حیات خان فرنگی جرنیل نِکلسَن کے زیرِ کمان لڑنے والا ایک وفادار سپاہی تھا، جس نے انگریزی فوج میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو بھرتی کروا کر انگریز کا اعتماد حاصل کیا تھا۔ کرم حیات کا بیٹا محمد حیات خان بھی باپ کے نقشِ قدم پر قائم رہا۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کے دوران محمد حیات خان نے پشاور میں انگریز کے خلاف اٹھنے والی بغاوت کچلنے میں اساسی کردار ادا کیا اور بغاوت کرنے والے مجاہدین کو وحشیانہ سزائیں دیں۔ دہلی پر مجاہدین کے قبضے کے بعد جب برطانوی لشکر اپنا قبضہ بحال کرنے کے لیے دہلی پر حملہ آور ہوا تو اس لشکر میں بھی محمد حیات خان شامل تھا اور صلیبیوں کے دفاع میں لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا۔ صحت یاب ہونے کے چند سال بعد اس بدبخت کو محمد خیل وزیر قبائل کی شورش کچلنے کی ذمہ داری سونپی گئی جو اس نے کامیابی سے پوری کی۔ انھی خدمات کے صلے میں اسے خان بہادر کا لقب، اَسِسٹنٹ کمشنر کا عہدہ، مستقل پنشن، مراعات اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ محمد حیات خان کے ایک بیٹے سردار لیاقت حیات خان کو

۱۸۵۷ء میں مجاہدین کی جاسوسی کرتے ہوئے نمایاں خدمات انجام دینے کے صلے میں 'شاہی پولیس تمغہ' اور 'خان بہادر' اور 'کے بی ای' کے خطابات سمیت کئی انعامات سے نوازا گیا۔ نیز اسے بطور جاگیر بہت بڑی زمین بھی دی گئی۔ محمد حیات خان کے ایک پوتے (اور شوکت حیات خان کے چچازاد بھائی) کیپٹن مسعود حیات خان نے ۱۹۰۲ء میں خیبر ایجنسی میں فوجی آپریشنوں میں شرکت کی اور پہلی جنگِ عظیم میں عراق کے محاذ پر عثمانی افواج کے خلاف لڑا۔ محمد حیات خان کے بیٹوں میں سب سے نمایاں مقام شوکت حیات کے باپ سردار سکندر حیات خان نے پایا۔ اس بدبخت نے یونیورسٹی کالج لندن سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شاہی ہندی فوج میں بطور افسر شمولیت اختیار کی۔ فرنگی اس شخص پر ایسا اندھا اعتماد کرتے تھے گویا وہ انھی میں سے ہو، اسی لیے تیسری افغان جنگ میں اسے انگریز سپاہیوں اور افسروں کی قیادت تھما کر افغانی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے فوج میں میجر کا عہدہ پایا جو اس دور میں کم ہی کسی ہندوستانی کے حصے میں آتا تھا۔ نیز اسے مختلف سول اور ملٹری اعزازات، بھاری رقوم اور بڑی بڑی جاگیروں سے بھی نوازا گیا۔[۴] قیامِ پاکستان سے قبل سردار سکندر حیات پنجاب کا گورنر، یونینِسٹ پارٹی کا سربراہ اور پنجاب کا پہلا منتخب وزیرِ اعظم بھی رہا۔ اس غدار ابنِ غدار کا غدار بیٹا لیفٹیننٹ سردار شوکت حیات خان حالات کو بدلتا دیکھ کر ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا تا کہ اگر مسلم لیگ کامیاب ہو جائے تو نہ صرف اس خاندان کے مفادات محفوظ رہیں، بلکہ سیاسی خاندانوں، فوج اور بیوروکریسی پر مشتمل شیطانی مثلث پر بھی آنچ نہ آنے پائے۔

[۴] انھی مثالوں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فوج اور جاگیر دار سیاسی خاندان آپس میں کیسے جڑے؟ دراصل جاگیریں حاصل کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد انھی لوگوں پر مشتمل تھی جو برطانوی سرکار کے لیے نمایاں فوجی خدمات پیش کرتے رہے۔ یعنی وہ اپنی فوجی خدمات ہی کے سبب جاگیر دار بنے۔ پھر یہی جاگیریں اور فوج سے یہ گہرا تعلق ان خاندانوں میں نسل در نسل منتقل ہوا اور آج تک ملکی سیاست پر اس گٹھ جوڑ کے نقوش بالکل واضح ہیں۔

منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنے والوں کا فیصلہ درست تھا۔ مسلم لیگ نے یونینسٹ پارٹی کو بری طرح شکست دی اور یہ بات واضح ہو گئی کہ پاکستان بننے کا مرحلہ اب زیادہ دور نہیں۔ بظاہر تو یہ ایک انقلابی فتح تھی، لیکن حقیقت میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ جیتنے اور ہارنے والے سبھی ایک ہی شیطانی مثلث کا حصہ تھے۔ دونوں پارٹیوں میں سے جو بھی کامیاب ہوتی، فتح اس مثلث ہی کو ہونی تھی۔ عوامی جماعت ہونے کی دعویدار مسلم لیگ جب فتح یاب ہوئی تو کھٹڑ، ٹوانے، دولتانے، نون، گیلانی، چٹھے، گردیزی، ہوتی، لغاری، الغرض ملک کے تمام ہی اہم جاگیر داراورانگریز نواز خاندانوں کے نمائندے مسلم لیگ کی قیادت میں شامل نظر آئے۔

پھر قیامِ پاکستان کے بعد یہی غدار ملک کے حاکم بنے۔ سردار شوکت حیات خان قیامِ پاکستان کے بعد وزیرِمال کے عہدے پر فائز رہا۔ انگریز کا معتمدِ خاص، سرکار کی طرف سے 'سر' کے خطاب کا حامل، برطانوی دور میں وزیرِ تعلیم اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن رہنے والا فیروز خان نون مسلم لیگ میں شامل ہو کر پہلے پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ اور مشرقی بنگال کی گورنری پر فائز رہا اور بعد میں ملک کا وزیرِ اعظم بھی بن گیا۔ شاہ جیونہ کا گدی نشین سید مبارک شاہ، جس کے خاندان کی زمینیں پہلے سکھوں اور پھر انگریزوں سے وفاداری کا صلہ تھیں، اور جو ۱۹۴۶ء تک 'زمیندارہ پارٹی' کا اہم رہنما تھا، ۱۹۴۶ء کے انتخابات سے عین قبل مسلم لیگ میں شامل ہو گیا اور انتخابات میں کامیاب ہو کر مسلم لیگ کے اہم قائدین میں شمار ہونے لگا۔ پنڈ دادن خان میں انگریز کے بل پر بڑی بڑی جاگیریں اور سیاسی اثر ورسوخ حاصل کرنے والا فتح خان کھوکھر کا خاندان بھی پیچھے نہ رہا اور انگریز کے وفادار غلام، شیر دل خان کھوکھر کا پوتا راجہ غضنفر علی خان مسلم لیگ میں شامل ہو کر انتخابات جیت گیا۔ چٹھہ برادری کی تاریخ کو بٹّہ لگانے والے انگریز کے وفادار غلام ''خان بہادر'' چوہدری کرم الٰہی خان کا بیٹا اور پوتا، دونوں ہی مسلم لیگ میں شامل ہو کر انتخابات میں کامیاب ہوئے۔ چوہدری صلاح الدین چٹھہ گوجرانوالہ سے اور محمد امین چٹھہ شیخوپورہ سے جیتا۔ اوّل الذکر قیامِ پاکستان کے بعد اقوامِ متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ، مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری اور قومی اسمبلی کا

رکن رہا، جبکہ مؤخر الذکر شخص بھی قومی اسمبلی کا رکن رہا۔ یونینسٹ پارٹی کے اہم رہنما اور علاقہ لڈہن کے جاگیر دار احمد یار خان دولتانہ کا بیٹا میاں ممتاز دولتانہ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو کر مختلف وزارتوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز رہا۔ ربوہ کے قادیانی بھی اسی فہرست میں شامل تھے۔ ملعون مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے دادا کے بھائی غلام محی الدین کو ربوہ کی زمین پہلے سکھوں نے اور پھر انگریزوں نے اس کی مسلم دشمنی اور کفر دوستی کے صلے میں دی تھی۔ یہ اسلام دشمن قادیانی ٹولہ قیامِ پاکستان کے بعد کمزور پڑنے کی بجائے مزید مضبوط ہو گیا اور اس کے ایک نمایاں رہنما 'سر' ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ نے ملک کا پہلا وزیرِ خارجہ بنا دیا۔ نیز اس ٹولے نے فوج اور بیوروکریسی میں بھی اپنی جڑیں بہت مضبوط کر لیں۔ موجودہ قائدِ حزبِ اختلاف اور نواز شریف کے قریبی ساتھی چوہدری نثار علی خان کا خاندان بھی غداروں کی اسی شرمناک فہرست میں شامل تھا۔ فتح جنگ (راولپنڈی) سے تعلق رکھنے والے الیپال راجوں کا یہ خاندان بھی انگریز کے قدموں میں بیٹھ کر جاگیریں حاصل کرتا رہا تھا۔ چوہدری نثار علی کے پر دادا چوہدری شیر خان نے ۱۸۵۷ء کے جہاد کے دوران مجاہدین کی مخبری کرنے کے علاوہ مری کے علاقے سے اٹھنے والی بغاوت کو کچلنے کے لیے ایک لشکر بھی ترتیب دیا۔ چوہدری نثار کے دادا صوبے دار میجر چوہدری سلطان خان کو قبائلی علاقہ جات میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے صلے میں "وزیرستان فورس تمغہ" دیا گیا۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد یہی خاندان اقتدار کے ایوانوں میں سب سے آگے آگے اور معزز و مکرم نظر آیا۔ سرگودھا کے ٹوانے جو انگریز سے وفاداری میں اپنی مثال آپ تھے اور قیامِ پاکستان تک یونینسٹ پارٹی سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، ان کا سیاسی اثر و رسوخ بھی قیامِ پاکستان کے بعد جوں کا توں برقرار رہا۔ اس خاندان کی کم از کم پانچ پشتیں پہلے سکھوں اور پھر انگریزوں کی وفادار غلام بن کر رہیں۔ ۱۸۴۹ء میں ملتان کی بغاوت دبانے اور ۱۸۵۷ء میں جہادِ آزادی کو کچلنے میں اس قوم کے بدبخت سرداروں نے انگریز کا بھرپور ساتھ دیا۔ صرف پہلی جنگِ عظیم کے دوران انھوں نے انگریزی فوج کو تین سو گھڑ سوار اور چھ ہزار پیادہ سپاہی فراہم کیے۔ اس خاندان میں انگریزوں کا سب سے وفادار خادم عمر حیات خان ثابت ہوا۔ اس ضمیر فروش شخص کو مسلمانوں سے پے در پے غداریوں کے صلے میں فوج میں میجر جنرل کا عہدہ دیا گیا، 'سر' اور 'نواب'

کے لقب سے نوازا گیا، 'کے سی آئی ای'، 'او وی او' اور 'او بی ای' جیسے اعلیٰ فوجی اور سول اعزاز دیئے گئے، سیکرٹری آف سٹیٹ بنا کر انگلستان بھیجا گیا اور فری میسن تنظیم کا رکن بنا لیا گیا۔ اس کے بیٹے میجر خضر حیات خان ٹوانہ پر بھی انعام و اکرام کی یہ بارش جاری رہی۔ خضر حیات قیامِ پاکستان سے قبل پنجاب کا آخری گورنر تھا اور عوام اس کے مظالم کے سبب اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد اس کے مختلف رشتہ دار ہر الیکشن میں اسمبلیوں تک پہنچتے اور مختلف سرکاری عہدے سنبھالتے نظر آئے۔ یہ محض چند مثالیں ہیں، ورنہ لغاری، مخدوم، قریشی، مزاری، زرداری، بھٹو، گیلانی، غرض سبھی جاگیر دار خاندانوں کے انگریز نواز رہنماؤں کا سیاسی اثر و رسوخ پاکستان بننے سے کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا۔ اقتدار باری باری ان سب کے درمیان گردش کرتا رہا اور سادہ لوح عوام ۱۹۴۷ء میں اپنے تئیں جو انقلاب لانے چلے تھے وہ نہایت عیاری سے اغواء کر لیا گیا۔

غداروں کی دوسری قلابازی

قیامِ پاکستان کے ابتدائی عرصے میں مسلم لیگ ہی مسلمانانِ پاکستان کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت سمجھی جاتی تھی اور قیامِ پاکستان کا سہرا بھی اسی کے سر باندھا جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، عوام اس جماعت کی حقیقت کچھ کچھ پہچاننے لگے۔ اسلام کا نام استعمال کر کے اسلام سے منہ پھیرنے والی اور عوام سے ووٹ بٹور کر جاگیر داروں کے مفادات کا تحفظ کرنے والی اس سیکولر جماعت سے عوامی بیزاری رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ سیاسی خاندانوں، فوج اور بیوروکریسی پر مشتمل شیطانی مثلث نے خطرے کو بھانپتے ہوئے ایک بار پھر چہروں کی تبدیلی کا جمہوری کھیل کھیلنے کا فیصلہ کیا، تاکہ عوام کو یہ باور کروایا جا سکے کہ "اگر مسلم لیگ ناکام ہو گئی ہے تو کیا ہوا؟ تم پریشان ہو کر کسی بغاوت کی راہ پر مت جاؤ، نہ ہی اس جمہوری نظام سے امیدیں توڑو...... مسلم لیگ کی جگہ کوئی نئی سیاسی جماعت سامنے آکر عوام کی امنگوں کو پورا کر دے گی"۔

چنانچہ اپریل ۱۹۵۶ء میں اسٹیبلشمنٹ نے محلاتی سازشوں کے ذریعے راتوں رات 'ری پبلکن پارٹی' کے نام سے ایک نئی جماعت میدان میں اتاری، جو چند دنوں میں ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی اور یوں عوام ایک نئے سراب کے پیچھے دوڑنے لگے۔ عوام بے چارے یہی سمجھے کہ

مسلم لیگ کا عہدِ حکومت ختم ہو گیا ہے اور ایک نئی اور بے داغ شہرت کی حامل سیاسی جماعت سب ظلم ختم کرنے، سب وعدے وفا کرنے اور سب کچھ بدل دینے کے لیے میدان میں آئی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ ری پبلکن پارٹی کا صرف نام ہی مختلف تھا، ورنہ حقیقت میں یہ انھی غداروں پر مشتمل ایک نیا مرکب تھا جو پہلے یونینسٹ پارٹی سے نکل کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے اور اب مسلم لیگ سے ری پبلکن میں منتقل ہو گئے تھے۔

ری پبلکن پارٹی کی بنیاد گورنر پنجاب میاں مشتاق گورمانی نے ڈاکٹر خان (خان عبدالجبار خان) کے ساتھ مل کر رکھی۔ پارٹی میں شامل ہونے والے جاگیر دار طبقے میں سرِ فہرست تو مشتاق گورمانی خود تھا۔ گورمانی خاندان بھی کئی نسلوں سے انگریز کی خدمت کے سبب معروف تھا اور مظفر گڑھ کے بڑے جاگیر دار خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ مشتاق گورمانی مسلم لیگ حکومت میں وزیرِ داخلہ کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا لیکن جب ہوا کا رخ بدلا تو اس نے ری پبلکن پارٹی میں شامل ہوتے دیر نہ لگائی۔ اسی طرح اٹک کی اعوان برادری سے تعلق رکھنے والے 'خان بہادر' ملک محمد امین کا بیٹا ملک محمد اکرم، مسلم لیگ کی طرف سے وزیرِ اعلیٰ پنجاب رہنے والا نواب افتخار ممدوٹ، مسلم لیگی عہدِ حکومت میں تعلیم اور مواصلات کی وزارتیں سنبھالے رکھنے والا کرنل عابد حسین (یعنی جھنگ سے تعلق رکھنے والی معروف شیعہ سیاست دان عابدہ حسین کا باپ اور سابق وزیرِ داخلہ فیصل صالح حیات کے دادا کا کزن)، بہاولپور کے نواب، ملتان کے گیلانی...... غرض بیشتر معروف سیاسی خاندان مسلم لیگ چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں آ گئے۔ فیروز خان نون بھی مسلم لیگ کی چوٹی کی قیادت میں شامل رہنے کے بعد ری پبلکن پارٹی میں شامل ہوا اور ۱۹۵۷ء میں اسی پارٹی کی حمایت سے ملک کا وزیرِ اعظم بنا۔ ری پبلکن پارٹی میں شامل ہونے والوں میں لاہور کے ایک با اثر شیعہ سیاسی خاندان سے تعلق رکھنے والا 'نواب' مظفر قزلباش بھی قابلِ ذکر ہے۔ مظفر قزلباش یونینسٹ پارٹی کے مرکزی رہنماؤں میں شمار ہوتا تھا اور اس نے آخری دم تک یونینسٹ پارٹی سے وفاداری نبھائی تھی، یہاں تک کہ ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں بھی یونینسٹ پارٹی سے علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان سے قبل آخری ایام میں اہلِ لاہور ہر روز اس کے گھر کے سامنے اکٹھے ہو کر یونینسٹ پارٹی کے گورنر خضر حیات کے استعفے کا مطالبہ کرتے تھے اور نواب مظفر کے خلاف بھی نعرے بازی کرتے تھے۔ یہ

قابلِ نفرت شخص بھی پاکستان بنتے ساتھ ہی پہلے مسلم لیگ میں شامل ہو گیا اور مسلم لیگی عہد میں بیک وقت دو وزارتوں پر فائز رہنے کے بعد پوری ڈھٹائی کے ساتھ ری پبلکن پارٹی میں چلا آیا۔

یوں حکمران طبقے کی شیطانی مثلث اور غداروں کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے ایک 'کنٹرولڈ انقلاب' لے آیا گیا، جس سے عوام اگلے کچھ عرصے کے لیے ٹھنڈے ہو گئے اور اسی پر خوش ہوتے رہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کو اقتدار سے باہر کر دیا ہے۔

غداروں کی تیسری قلابازی

ظاہر ہے کہ سطحی تبدیلی آجانے کے باوجود چونکہ حقیقت میں کچھ نہیں بدلا تھا اس لیے بدعنوانی، لوٹ مار، دھوکے، فریب، مفاد پرستی اور دین دشمنی پر مبنی سیاسی فضاجوں کی توں برقرار رہی۔ کچھ عرصے میں عوام کو اندازہ ہونے لگا کہ ری پبلکن پارٹی بھی اس خطے کے مسلمانوں کی نہیں، بلکہ اسی غدار طبقے کی نمائندہ ہے جو پہلے مسلم لیگ میں اکٹھا تھا۔ اس بار عوام اس بات سے ہوشیار تھے کہ اگر کوئی مزید سیاسی پارٹی بنا کر انھیں دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی تو وہ ایسا نہیں ہونے دیں گے، اس لیے سیاسی خاندانوں، فوج اور بیوروکریسی پر مشتمل شیطانی مثلث نے ایک نیا پتا کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۵۸ء میں سکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء لگا کر ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا۔ چند دن بعد ایوب خان نے سکندر مرزا کو حکومت سے باہر اٹھا پھینکا اور صدارت پر خود قابض ہو گیا۔ گویا اس بار سیاست دانوں کی بجائے فوج نے آگے بڑھ کر نظام کی بقاء کی خاطر ایک ظاہری انقلاب برپا کیا۔ ایوب نے سیاست دانوں کے سخت احتساب کا وعدہ کیا، ملک کی تباہی کا سارا الزام سیاست دانوں پر دھرا اور یوں عوام کو مطمئن کر دیا کہ وہ انھی کے دل کی آواز بن کر اٹھا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں صدارتی ریفرنڈم کروایا گیا جس میں ایک ہی امیدوار تھا، یعنی ایوب خان۔ عوام کو درج ذیل سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دینے کی اجازت دی گئی:

"کیا آپ کو صدرِ پاکستان، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان پر اعتماد ہے؟"

ظاہر ہے جب سوال اپنی مرضی کا تھا تو جواب بھی اپنی مرضی ہی کا آنا تھا۔ حکومت کے بقول ملک کے ۹۸ فیصد ووٹروں نے ایوب کے حق میں ووٹ دیا اور یوں اس کی صدارت پکی ہو گئی۔

ایوب خان نے صدارت سنبھالنے کے بعد ایک طرف بدعنوان سیاست دانوں کو نااہل قرار دینے کے لیے ایبڈو ٹریبونل قائم کیا اور دوسری طرف زرعی اصلاحات کا اعلان کرکے عوام کو یقین دلایا کہ جلد ہی جاگیرداروں سے زمینیں ضبط کرکے ان کے تسلط کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ لیکن نااہل قرار دینے کے معاملے میں یہ چور دروازہ خود ہی چھوڑ دیا گیا کہ جو سیاست دان چھ سال کے لیے رضا کارانہ طور پر سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں تو ان کا احتساب نہیں ہوگا۔ نیز زرعی اصلاحات میں بھی یہ چور دروازہ سلیقے سے چھوڑ دیا گیا کہ زمینداروں کے گھوڑے پالنے کے فارم، مویشی فارم، باغات اور شکار گاہیں ان اصلاحات سے مستثنیٰ قرار دے دی گئیں۔[۵] اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایوب کا مقصد کسی طور بھی یہ نہ تھا کہ وہ اس فرنگی نظام کی اصلاح کرے اور ملکی سیاست پر سے ان غداروں کی گرفت توڑے۔ اسے تو صرف اس سے غرض تھی کہ میدانِ سیاست میں اس کا کوئی حریف باقی نہ بچے اور میدان اس کے لیے خالی ہو جائے۔ ایوب سے کسی خیر کی توقع ہو بھی کیسے سکتی تھی جبکہ وہ خود اس ضمیر فروش طبقے سے تعلق رکھتا تھا جو فرنگی کا انتہائی مقرب تھا۔ اسے تو انگریزوں نے برطانیہ میں واقع فوجی اکیڈمی 'سینڈہرسٹ' میں تربیت دی تھی جو وہ کم ہی کسی ہندوستانی کو دیا کرتے تھے۔ پھر یہ بدبخت جنگِ عظیم دوم میں برطانوی سلطنت کے دفاع کے لیے لڑ چکا تھا اور وزیرستان میں بھی بطور بریگیڈیئر مجاہدین کے خلاف کارروائیاں کرتا رہا تھا۔ پس انگریز کے اس وفادار غلام سے کوئی خوش فہمی وابستہ کرنا بالکل عبث تھا۔

ایوب نے اپنے ضمیر فروش سیاست دان بھائیوں کے لیے جو چور دروازے کھلے چھوڑے، ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے سیاست دانوں نے چند سال کے لیے سیاست سے رضاکارانہ علیحدگی اختیار کرلی اور یوں ایبڈو قانون کی پکڑ میں آنے سے صاف بچ نکلے۔ بعض دوسروں نے قانون کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا تو کم ہی کوئی شخص ایسا نکلا جس کا دامن بدعنوانی سے پاک ہو، اس لیے کئی 'بڑے' نام سیاست کے لیے نااہل قرار دے دیئے گئے جن میں دس سابق وزرائے اعلیٰ سمیت کئی معروف سیاست دان شامل تھے، مثلاً: میاں ممتاز دولتانہ، نواب مظفر قزلباش، نواب افتخار

---

[۵] از کتاب: ''پاکستان جاگیرداری زمینداری نظام کے شکنجے میں''، از انجنیئر محمد نعیم اللہ، مطبوعہ: بک ایج پبلشرز، ص: ۲۶۱۔

حسین ممدوٹ، ایوب کھوڑو، مقصود لغاری، کرنل عابد حسین، مشتاق گورمانی، سید علی گردیزی، محمد حسین چٹھہ اور سید علمدار حسین گیلانی۔

دوسری جانب زرعی اصلاحات سے بچنے کے لیے کئی سیاست دانوں نے اپنی وسیع اراضی کو باغات یا شکار گاہوں یا مویشی فارموں کے نام پر رجسٹر کروالیا تھا۔ لیکن پھر بھی بعض ایسے سیاست دان جنھیں ان چور دروازوں کا بروقت علم نہ ہو سکا یا جو یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ حکمران ان اصلاحات کو عملاً بھی نافذ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے، وہ ان کی لپیٹ میں آگئے اور ان سے وسیع و عریض اراضی ضبط کر لی گئیں۔ وقتی طور پر یہی محسوس ہوا کہ شاید پہلی بار جاگیر داروں کی جڑیں حقیقتاً کٹنے لگی ہیں۔ لیکن یہ محض ایک خام خیالی ثابت ہوئی۔ ایوب خان نے ۱۹۶۵ء میں صدارتی انتخابات کروانے کا اعلان کیا اور کنونشن مسلم لیگ کے نام سے ایک نئی جماعت تشکیل دی۔ اپنی سیاسی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اس فوجی جرنیل کو سیاست دانوں کی حمایت کی ضرورت تھی، چنانچہ اس نے اپنے دروازے ان سب سیاست دانوں کے لیے کھول دیے جن کے احتساب کے نام پر وہ برسرِ اقتدار آیا تھا۔ یہی نہیں، بلکہ سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدنے کے لیے ان میں سے بعض کو تو ان کی ضبط شدہ زمینیں واپس کر دی گئیں اور بعض سے وہ زمینیں قیمتاً خرید لی گئیں۔ پھر یہ خریدی ہوئی زمینیں بھی مزید وفاداریاں خریدنے کے لیے استعمال کی گئیں، البتہ اس بار عنایات کا یہ سلسلہ صرف سیاست دانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ بیوروکریٹوں، فوجی افسروں اور ججوں کو بھی بڑی بڑی زمینیں دے کر ساتھ ملایا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کل پچاس ہزار (۵۰,۰۰۰) ایکڑ قیمتی زمین ان مکروہ مقاصد کی خاطر تقسیم کی گئی۔ نیز کل دولاکھ (۲۰۰,۰۰۰) ایکڑ بیش قیمت زمین مختلف سیاست دانوں کو بلا کرایہ پٹّے پر دے دی گئی۔[۶]

کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہونے والے نمایاں جاگیر داروں میں نواب محمود خان لغاری، سردار بہادر خان دریشک، سابق وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی کا باپ مخدوم سجاد حسین قریشی، میجر

---

[۶] جن سیاست دانوں، بیوروکریٹوں، ججوں اور فوجی افسروں میں زمینیں تقسیم کی گئیں ان کے ناموں کی فہرست دیکھنے کے لیے کتاب ''سیاست کے فرعون'' کے صفحہ ۶۴ سے صفحہ ۷۵ تک کا مطالعہ کر لیجیے۔

عاشق حسین قریشی، یوسف رضا گیلانی کا چچا مخدوم حامد رضا گیلانی، نواب مظفر قزلباش کا بھائی میجر ذوالفقار علی قزلباش اور نوابزادہ چوہدری اصغر علی خان شامل تھے۔ چوہدری اصغر علی کا تعلق گجرات کے نوابزادہ خاندان سے تھا۔ یہ خاندان بھی غداروں کی اس طویل فہرست میں پیش پیش تھا جو ۲۰۰ سال تک برطانوی قبضے کو مستحکم کرنے میں مصروف رہے۔ چوہدری اصغر کے چچا چوہدری محمد خان نے جنگِ عظیم کے دوران ایک ہزار نوجوانوں کو شاہی ہندی فوج میں بھرتی کروایا تھا جس کے صلے میں اسے خان بہادر کا خطاب، خلعت اور خصوصی تمغہ دیا گیا تھا۔ چوہدری اصغر کے باپ چوہدری فضل علی نے بھی جنگِ عظیم کے دوران ۱۵۰۰ نوجوان بھرتی کروائے تھے اور دو ہزار روپے[۷] برطانوی فوج کو بطور قرض دیئے تھے۔ نیز اس سے قبل اس نے انگریزوں کو چترال پر حملے کے دوران بار برداری کے جانور فراہم کیے تھے۔ تبھی انگریزوں نے اسے خان بہادر کا خطاب، بڑی بڑی جاگیریں اور بیوروکریسی میں نمایاں عہدے بھی دیے۔ نیز یہ شخص فرنگی فوج کے گھوڑے بھی پالتا تھا، جس کے لیے فرنگی نے اسے ساڑھے دس مربع زمین عطا کی تھی۔ کچھ ایسی ہی شرمناک کہانی بہاولپور کے نوابوں کے خاندان کی بھی تھی۔ بہاولپور کئی سو سال سے ایک آزاد مسلم ریاست کے طور پر موجود تھی اور اس کی تاریخ میں کئی روشن کردار بھی گزرے ہیں۔ لیکن انگریز کے زمانے میں اس خاندان کے امراء نے ایسی پست حرکتیں کیں کہ مسلمانانِ برصغیر کا سر شرم سے جھک گیا۔ ۱۸۴۰ء کی دہائی میں نواب بہاول خان سوم انگریز کی قیادت تلے سکھوں کے خلاف لڑتا رہا۔ نواب کا پوتا، نواب صادق خان چہارم اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا اور افغانستان پر برطانیہ کے دوسرے حملے میں ۲۰ ہزار سے زائد اونٹ، سینکڑوں خچر اور بیل انگریز سپاہ کی نقل و حرکت کے لیے وقف کر دیے۔ نیز ۵۰۰ سپاہیوں کا ایک خصوصی دستہ بھی انگریز کی مدد کے لیے ہمراہ کیا۔ اس کے علاوہ جنگِ عظیم اوّل کے دوران سوڈان اور مصر کے محاذوں پر بھی اس نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر برطانوی افواج کی مدد کی۔ اس کے صلے میں نواب کو Grand Cross of the Star

---

[۷] اس دور میں دو ہزار روپے کوئی معمولی رقم نہ تھی۔

of India کا اعزاز دیا گیا۔ اسی غدار کا پڑپوتا نواب عباس خان عباسی بھی ایوب دور میں الیکشن جیتنے والوں میں شامل تھا۔

غداروں پر مشتمل اس کنونشن مسلم لیگ نے الیکشن لڑا اور ایوب خان، فاطمہ جناح کو شکست دے کر ایک بار پھر صدر منتخب ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ سب جاگیر دار سیاست دان بھی پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اقتدار میں واپس آگئے جن کے احتساب کا وعدہ کر کے ایوب نے عوام کا اعتماد جیتا تھا۔

غداروں کی چوتھی قلابازی

۶۰ء کی دہائی کے آخر تک ایوب کی مقبولیت دن بدن گرتی جا رہی تھی اور عوام ایک بار پھر سڑکوں پر آچکے تھے۔ ایک اور سیاسی بحران کو سامنے کھڑا دیکھ کر سیاسی خلاء پر کرنے کے لیے نوجوان ذوالفقار علی بھٹو آگے بڑھا اور نہ صرف فوجی اقتدار کے خاتمے پر زور دیا بلکہ جاگیر داروں اور وڈیروں کے احتساب کا مطالبہ اور عوام کے لیے 'روٹی، کپڑا اور مکان' کا نعرہ بھی بلند کیا۔ بھٹو کی مسحور کن تقریروں اور پر کشش نعروں کے پیچھے اکٹھے ہونے والے عوام یہ بنیادی سی بات سمجھنے سے قاصر رہے کہ جاگیر داروں کے احتساب کی بات کرنے والا یہ بد کردار شخص خود بھی سندھ کے ایک معروف جاگیر دار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بھٹو کا باپ شاہنواز بھٹو قبل از قیامِ پاکستان سندھ کی وڈیرہ جماعت 'یونائیٹڈ پارٹی' کا ایک سرکردہ رہنما اور انگریز کا نہایت معتمد ساتھی تھا۔ انگریز نے اسے کافی عرصے تک جونا گڑھ ریاست کا وزیرِ اعظم اور سندھ کا گورنر بنائے رکھا تھا، لاڑکانہ میں وسیع جاگیریں عطا کی تھیں اور 'او بی ای' اور 'خان بہادر' کے خطابات دینے کے بعد سب سے بڑے خطاب 'سر' سے بھی نواز دیا تھا۔ بھلا ایسے غدار کا بیٹا کیسے غداروں کا احتساب کر سکتا تھا؟[8] لیکن......

---

[8] یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اگرچہ پاکستان ایک سنی اکثریتی علاقہ ہے، لیکن پاکستان پر کئی شیعہ حکمرانی کر چکے ہیں۔ مثلاً: سکندر مرزا، جس کا پورا نام صاحبزادہ سید سکندر علی مرزا تھا، جو برصغیر کے بدنام کردار 'میر جعفر' کی اولاد میں سے تھا اور ایک معروف شیعہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی تدفین بھی ایران میں سرکاری اعزاز کے ساتھ ہوئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے

سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

...... کے مصداق سادہ لوح عوام، جو اب فوجی حکمران اور اس کے گرد اکٹھے سیاسی چہروں سے تنگ آ چکے تھے اور تبدیلی کے خواہاں تھے، نوجوان بھٹو کے پیچھے چل پڑے۔ بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت ۶۹ء میں ایوب نے اقتدار جنرل یحییٰ خان قزلباش کے حوالے کر دیا۔ یحییٰ خان بھی یہ بھانپ چکا تھا کہ عوام اب کسی خالص فوجی حکومت کو برداشت نہیں کریں گے، اس لیے اس نے صدارت اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے ۱۹۷۰ء میں پارلیمانی انتخابات کروائے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ بحیثیت صدر اور آرمی چیف برقرار رہے، اور منتخب سیاسی قائدین اس کے تحت نظام چلائیں۔ انتخابات میں پیپلز پارٹی کو مغربی پاکستان میں بڑی واضح کامیابی ملی۔ عوام نے ایک بار پھر اپنے تئیں ایک انقلاب برپا کر دیا، ایک فوجی کو ہٹا کر ایک جمہوری عوامی نمائندے کو کامیاب کروا دیا، لیکن سیاسی شور شرابے اور نعرہ بازی میں یہ حقیقت دب گئی کہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے لوگ بھی دراصل غدار جاگیر دار طبقے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ پی پی کی طرف سے کامیاب ہونے والے جاگیرداروں میں دریا خان کھوسہ، غلام مصطفیٰ جتوئی، آصف زرداری کا باپ حاکم علی زرداری، آفتاب خان شیر پاؤ کا بھائی حیات خان شیر پاؤ (جن کا باپ سرحد کا ایک معروف جاگیر دار تھا اور انگریز سے وفاداری کے صلے میں 'خان بہادر' کا لقب بھی پا چکا تھا، یعنی خان بہادر غلام حیدر خان شیر پاؤ)، ممتاز علی بھٹو،

باپ کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ اس نے اپنی اولادوں کے نام بھی ایسے ہی رکھے جو عموماً شیعہ خاندانوں میں رکھے جاتے ہیں، اس کی کوٹھی کا نام بھی المرتضیٰ ہاؤس تھا اور اس کے سکندر مرزا سے نہایت قریبی گھریلو تعلقات بھی تھے۔ پھر بھٹو کی شادی ایرانی نژاد شیعہ نصرت اصفہانی سے ہوئی تھی۔ اسی طرح جنرل یحییٰ خان قزلباش بھی شیعہ تھا۔ موجودہ صدر آصف علی زرداری بھی شیعہ ہے۔ فضائیہ کا سابق سربراہ مصحف علی میر بھی شیعہ تھا۔ اور ایسی ہی دیگر مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ قادیانیوں اور پرویزیوں (منکرینِ حدیث) کا معاملہ بھی جدا نہیں۔ مثلاً سابقہ آرمی چیف پرویز مشرف کا باپ پرویزی تھا اور بیوی قادیانی۔ نیز موجودہ آرمی چیف بھی پرویزی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کے اہلِ سنّت طبقات کو جاگنے اور چہار سو پھیلے خطرات کا ادراک کرنے کی توفیق دیں، آمین۔ (مدیر)

سندھ کے ایک معروف انگریز نواز خاندان کا نمائندہ میر اعجاز علی تالپور،[9] ملک انور علی نون، مخدوم زمان طالب المولیٰ، پیر غلام شاہ جیلانی، نواب صادق حسین قریشی، سید عباس گردیزی، حامد رضا گیلانی، غلام مصطفیٰ کھر اور سید ناصر علی شاہ رضوی وغیرہ شامل تھے۔ رہ گئی بات بھٹو کی اعلان کردہ زرعی اصلاحات کی، تو وہ بھی محض عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے رچایا گیا ایک ڈرامہ تھا۔ تمام میسر اعداد و شمار کے مطابق عملاً بھٹو اور ایوب دور میں صرف اتنی زرعی اصلاحات ہوئیں کہ جاگیرداروں سے تھوڑی تھوڑی زمین قیمتاً خرید کر دوبارہ تقسیم کر دی گئی۔ وفاقی زرعی کمیشن کی طرف سے خریدی گئی اس زمین کا کل رقبہ ۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق صرف '۹,۸۷,۹۳۵' ایکڑ بنتا ہے جو کہ ملک کی کل زیرِ کاشت زمین کا صرف ۳ فیصد بنتا ہے۔ اس تین فیصد میں سے بھی صرف ایک تہائی زمینیں غریب کسانوں میں تقسیم کی گئیں جبکہ باقی دو تہائی زمین سیاسی وفاداریاں خریدنے کے لیے استعمال کی جاتی رہی۔[10]

انتخابات کے محض ایک سال بعد ہی سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ پیش آگیا۔ ۷۱ء کی اس شرمناک شکست کے بعد پاکستانی فوج شدید عوامی نفرت و تنقید کا نشانہ بنی۔ جس طرح سیاست دانوں کی مشکل گھڑی میں ایوب نے آگے بڑھ کر نظام کو سنبھالا دیا تھا، اسی طرح فوج کی مشکل گھڑی میں نظام سنبھالنے کی ذمہ داری سیاست دانوں پر ڈال دی گئی۔ یحییٰ خان نے تمام تر اختیارات بھٹو کو منتقل کر

---

[9] یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تالپور خاندان بھی اصلاً سندھ کے قدیم مسلم امراء کا خاندان ہے اور اس اعتبار سے اہلِ سندھ کے لیے یہ کبھی ایک معزز نام ہوا کرتا تھا۔ لیکن سندھ پر انگریزی قبضے کے بعد اس خاندان کے رذیل انگریز نواز لوگوں کو اوپر لایا گیا اور آہستہ آہستہ یہ سندھ میں انگریز کا سب سے وفادار جاگیردار خاندان بن گیا۔ لیکن آج بھی اگر اس خاندان کے صالح اور باحمیت لوگ آگے بڑھ کر خاندان کی قیادت انگریز کے غلاموں سے واپس چھین لیں تو اس خاندان کا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال اس مضمون میں مذکور بعض دیگر خاندانوں کا بھی ہے، کہ جو انگریز کی آمد سے قبل ہندوستان کے معزز مسلم گھرانوں میں شمار ہوتے تھے، لیکن انگریز نے ان خاندانوں یا قبائل کی قیادت ان کے بدترین لوگوں کے سپرد کر دی اور یوں تقریباً دو سو سال تک یہ خاندان انگریز کی خدمت کے سبب ہی جانے جاتے رہے اور ان کی تاریخ کے اچھے پہلو اس شرمناک باب کے سبب چھپ گئے۔

[10] از کتاب: ''پاکستان جاگیرداری زمینداری نظام کے شکنجے میں''، ص: ۲۶۹۔

دیے اور یوں فوج کی طرف متوجہ عوامی غصہ قدرے ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ آنکھ مچولی کا کھیل پاکستان کی تاریخ کا ایک مستقل اسلوب ہے جو آج تک دہرایا جا رہا ہے۔ جب بھی عوام فوج سے تنگ آتے ہیں تو جمہوری حکومت اور جب جمہوری حکومت سے تنگ آتے ہیں تو فوج کو آگے لا کر نظام کو سنبھالا دیا جاتا ہے۔ اگر دونوں ہی پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے تو پھر بیوروکریسی میں سے کسی شخص کو آگے بڑھا دیا جاتا ہے یا پھر عدلیہ یکا یک فعال ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عوام کی اس نظام سے وابستہ امیدیں ٹوٹنے نہیں پاتیں اور وہ اسی کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں۔

عوام کو سالہا سال مسحور رکھنے والا بھٹو جب ۷۷ء کے انتخابات میں شریک ہوا تو اس کی پارٹی میں وہ جاگیر دار بھی شامل ہو گئے جو گزشتہ انتخابات میں شمولیت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جاگیر داروں کا احتساب تو دور کی بات، الٹا بھٹو ان کی اراضی اور اثر و رسوخ میں مزید اضافے کا باعث بنا۔ بھٹو نے بھی وفاداریاں خریدنے کے لیے اسلام آباد کے بہترین علاقوں کے پلاٹ سیاست دانوں اور بیوروکریٹوں کو بطور رشوت دیے۔ اسی طرح لاہور میں گارڈن ٹاؤن، گلبرگ، مسلم ٹاؤن جیسے مہنگے علاقوں کی زمینیں بھی اسی مقصد سے تقسیم کی گئیں۔ اس بار کے انتخابات میں میاں ممتاز دولتانہ، بلخ شیر مزاری، ارباب جہانگیر خان (سرحد کے ایک اور انگریز نواز خاندان کا سپوت اور 'نواب' ارباب شیر علی خان کا بیٹا)، تاج محمد جمالی، فاروق لغاری، سردار شوکت حیات، ریاض دولتانہ، سلطان باہو کی گدی کا متولی صاحبزادہ نذیر سلطان، غلام حیدر بھروانہ اور شاہ جیونہ کے ذوالفقار بخاری جیسے وڈیرے بھی حزبِ اختلاف کی جماعتوں کو چھوڑ کر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اٹک سے تعلق رکھنے والا پیر آف مکھڈ بھی اس بار بھٹو کے جھنڈے تلے کھڑا پایا گیا۔ اس خاندان کے بڑے بھی انگریز کے زیرِ سایہ پروان چڑھے تھے۔ افغانستان پر انگریزی حملوں سے لے کر ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی تک، ہر موقع پر مکھڈ کے پیروں نے انگریز کی مدد کی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں ان بدبختوں نے انگریز کی ضلعی انتظامیہ کو گھڑ سواروں اور پیدل سپاہیوں کے دستے فراہم کیے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران پیر غلام عباس نے اپنے 'روحانی' اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے ۴۰۰۰ نوجوانوں کو خلافتِ عثمانیہ کے خلاف لڑنے کے لیے انگریزی فوج میں بھرتی کروایا تھا۔

الغرض اس بار بھی غداروں پر مشتمل حکمران طبقہ عوام کے ساتھ دھوکہ کرنے میں کامیاب رہا اور ''روٹی، کپڑا، مکان'' کا نعرہ دینے اور احتساب کی صدا بلند کرنے کے بعد بھی بھٹو نے اپنے طویل دورِ حکومت میں پاکستان پر غداروں ہی کی گرفت مضبوط کی۔

پانچویں قلابازی

بھٹو دور کے سات آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی جب وعدے وفا نہ ہوئے، ملک کو بنے تیس سال گزر جانے کے بعد بھی ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، عوام کو نہ تو اسلامی نظام ملا اور نہ ہی روٹی، کپڑا اور مکان......، تو بھٹو کی تقریروں کا سحر بھی ختم ہونے لگا۔ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑنے لگا، سیاست دانوں کے خلاف نفرت عروج پر پہنچ گئی اور عوام لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے۔ اس بار بھی فوج نے حالات سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔ کمزور یادداشت کی حامل سادہ لوح قوم یہ بھول چکی تھی کہ بھٹو سے قبل کے فوجی ادوار میں ملک کا کیا حال ہوا تھا، اس لیے اس نے جنرل ضیاء الحق کی طرف سے سیاسی حکومت کا تختہ الٹنے کا خیر مقدم کیا۔ موسم کے انداز بدلتے دیکھ کر سیاست دان بھی ایک بار پھر موسمی پرندوں کی طرح نیا آشیانہ تلاش کرنے نکل پڑے۔ بعض سیاست دانوں نے تو مارشل لاء سے قبل ہی پیپلز پارٹی کو چھوڑ دیا تھا جبکہ دیگر نے اس وقت علیحدگی اختیار کی جب ضیاء نے ۱۹۷۷ء کے اواخر میں بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر بھٹو کو پھانسی چڑھا دیا۔

ضیاء نے بھی ایوب کی طرح سیاست دانوں کو خوب برا بھلا کہا، انھیں ملک کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا، ان کے احتساب کا وعدہ کیا اور ایک طرف سیاسی جماعتوں پر پابندیاں لگا دیں تو دوسری طرف اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قوانین میں بعض جزوی تبدیلیاں بھی شروع کر دیں۔ ضیاء دور کی اس ظاہری اسلام پسندی نے آج تک ملک کے اچھے خاصے سمجھدار لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ملک کی فوج کا سربراہِ اعلیٰ اور ملک کا صدر ہونے کے بعد ضیاء اپنی ذات میں ہر قسم کے اختیارات جمع کر چکا تھا۔ پھر اسے بعض ایسے علماء بھی میسر آ گئے تھے جو اسے امیر المؤمنین تک قرار دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ ۱۵ سال تک ملک کے سیاہ و سپید پر یوں تنہا حکومت کرنے والا یہ شخص اگر واقعی اسلام لانے میں مخلص ہوتا تو آخر وہ کون سی رکاوٹ

تھی جو اس کے سامنے حائل ہوتی؟ عجیب بات ہے کہ طالبانِ عالی شان نے تو بے سر و سامانی کے عالم میں، مستقل حالتِ جنگ میں رہتے ہوئے، پانچ سال کے اندر اندر افغانستان کے طول و عرض میں شرعی نظام نافذ کر دیا...... جس کی برکت سے ملک میں منشیات اور اسلحے کے غلط استعمال کا خاتمہ ہو گیا، مکمل امن و امان قائم ہو گیا اور شرعی عدالتوں کی صورت میں فوری اور حقیقی انصاف میسر آنے لگا...... لیکن چھ لاکھ فوج کے حامل اور ہر طرح کے افرادی و قدرتی وسائل سے مالا مال ملک کا سربراہ وہی شرعی نظام ۱۵ سالہ طویل عہدِ حکومت میں نافذ نہ کر سکا؟!

یقیناً جو شخص بھی فوج کی تاریخ اور خود ضیاء کی اپنی سیاہ تاریخ سے واقف ہو، اس کے لیے دھوکہ کھانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ایک ایسا شخص جس کی تمام تر تربیت برطانوی اور امریکی افسروں نے کی ہو، جو بحیثیتِ بریگیڈیئر اردن میں مقیم پچیس ہزار (۲۵،۰۰۰) سے زائد فلسطینی مہاجرین کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا ہو، جو خود بھی "سیاسی خاندانوں، فوج اور بیوروکریسی" کی شیطانی مثلث سے تعلق رکھتا ہو اور جس کے اپنے مفادات اس مثلث کی بقاء سے وابستہ ہوں، وہ کیسے شرعی نظام نافذ کر سکتا تھا؟ خونِ مسلم میں لتھڑے ان نجس ہاتھوں کو شریعت جیسی پاکیزہ چیز سے کیا نسبت ہو سکتی تھی؟ لیکن ہماری سادہ لوحی اور حماقت پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے! ہم اس بدبخت جرنیل سے یہ توقع لگا بیٹھے کہ یہ اسلام لائے گا۔ ۱۵ سال تک عوام کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنایا جاتا رہا اور عملاً نہ کبھی اللہ جل شانہٗ کی حدود نافذ ہوئیں، نہ سول یا فوجداری قانون کا فرنگی نظام اکھاڑا گیا، نہ کفریہ قوانین کے مطابق فیصلے کرنے والی عدالتیں بند کی گئیں، نہ سود پر کھڑی معیشت ڈھائی گئی، نہ فوج کا نظامِ تربیت تبدیل ہوا...... اور عوام اسی پر خوش ہوتے رہے کہ ضیاء پتلون کی جگہ شلوار قمیض پہنتا ہے اور ٹی وی پر خبریں پڑھنے والی عورتیں اب سر پر دوپٹہ رکھ کر خبریں سناتی ہیں، اِنا اللہ و اِنا اِلیہ راجعون!

رہی بات سیاست دانوں کے احتساب اور جاگیرداری کے خاتمے کی، تو اس معاملے میں بھی ضیاء نے قوم سے دھوکہ کیا۔ ۱۹۸۵ء میں جب ضیاء نے غیر جماعتی انتخابات کروائے تو اگرچہ اب پیپلز پارٹی یا مسلم لیگ کا کوئی وجود نہیں تھا، لیکن انتخابات جیتنے والے بیشتر لوگ اب بھی جاگیردار طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان بدبختوں کو کسی سیاسی جماعت سے کیا لینا دینا؟ ان کی کسی سے کوئی

مستقل وفاداری و وابستگی نہیں ہوتی۔ ان کی کل وابستگی بس اپنے مفاد سے ہوتی ہے۔ تبھی انتخابات جیتنے والوں میں مخدوم حامد رضا گیلانی، سردار زادہ محمد علی رجوعہ، ریاض دولتانہ، یاسین وٹو، بلخ شیر مزاری، سعید الرشید عباسی، غلام احمد مانیکا، مقصود احمد لغاری، ملک احمد اقبال ٹوانہ، رائے عارف حسین کھرل، امان اللہ خان شاہانی، نصر اللہ دریشک، ذوالفقار علی کھوسہ، مخدوم سجاد حسین قریشی، راجہ اقبال مہدی اور راجہ شاہد ظفر جیسے جاگیر دار نمایاں نظر آئے۔ ضیاء نے جن لوگوں کو اپنی مجلسِ شوریٰ میں شامل کیا اور وزارتیں دیں ان میں بھی جاگیر دار ہی غالب تھے۔ بلخ شیر مزاری، یوسف رضا گیلانی، چوہدری نثار علی خان، ملک اسلم اعوان، نصر اللہ دریشک، عفیفہ ممدوٹ، مقبول احمد نیازی اور نواب اللہ یار خان (نوابِ کالا باغ) سبھی کو ضیاء نے عہدے تھمائے۔ نیز ضیاء نے بھی وفاداریاں خریدنے کے لیے زمینیں تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور محض سن ۸۱ء سے ۸۵ء کے دوران اسلام آباد کے جی ٦، جی ۷، ایف ٦ اور ایف ۸ سیکٹروں میں ٦۷ نئے پلاٹ الاٹ کیے۔ یہ زمینیں فوجی افسروں، سیاست دانوں اور ضیاء کے رشتہ داروں میں تقسیم کی گئیں۔ جونیجو کی وزارتِ عظمیٰ کے دور تک بھی جاگیر داروں کے احتساب کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن یہ باتیں محض عوام کو مطمئن کرنے کے لیے تھیں، ورنہ جونیجو نے خود بھی ۱۴۰ سے زائد مسلم لیگی ارکان کو اسلام آباد کے اعلیٰ سیکٹروں میں زمینیں دیں۔

الغرض، ایک بار پھر عوام سے دھوکہ ہوا۔ سیاست دانوں کی جگہ فوج آئی، لیکن نہ تو اسلام آیا اور نہ ہی اقتدار اس شیطانی مثلث سے باہر نکلا۔

اور قلابازیاں جاری رہیں......

اس کے بعد کے واقعات چونکہ ماضی قریب ہی کے ادوار میں پیش آئے ہیں اور عموماً عوام ان کی تفاصیل سے واقف ہی ہیں اس لیے ان کا مفصل تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مختصراً یہ کہ ضیاء کے طویل فوجی دور سے اکتائے عوام کو مطمئن رکھنے کے لیے ضیاء کے بعد تقریباً گیارہ سال تک سیاست دان ہی ملک کا نظام چلاتے رہے اور اقتدار مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان گردش کھاتا رہا۔ یہ پورا عرصہ تو خود سیاسی جماعتوں کی اصطلاح میں بھی 'ہارس ٹریڈنگ' کے عروج کا دور تھا۔ انگریزی کی اس اصطلاح کا لفظی مطلب تو 'گھوڑوں کی خرید و فروخت' بنتا ہے،

لیکن یہاں اصطلاحاً 'گھوڑوں' سے 'سیاست دان' مراد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چوپایوں سے بدتر اس مخلوق کو گھوڑا کہنا بھی گھوڑے جیسے معزز و مکرم جانور کی توہین ہے کہ جس کی اپنے مالک سے وفاداری کی بنا پر ربِ کریم نے قرآن میں اس کی قسم کھائی ہے۔ اس کی جگہ تو 'لوٹے' کی عوامی اصطلاح ہی زیادہ مناسب محسوس ہوتی ہے۔ اس پورے دور میں سیاست دانوں کی بدلتی وفاداریاں اور اقتدار میں شامل ہونے والی ہر جماعت کے ساتھ جا ملنے کا رویہ امید ہے قارئین کو یاد ہی ہو گا۔

پھر جب عوام اس عبث کھینچا تانی سے دوبارہ بیزار ہونے لگے تو فوج ایک بار پھر نظام کو سنبھالا دینے کے لیے میدان میں اتر آئی۔ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا اور ملک کا چیف ایگزیکٹو بن بیٹھا۔ عوام نے حسبِ معمول اس تبدیلی کا بھی استقبال کیا۔ پھر اس تاریک عہدِ حکومت میں کیا کچھ ہوا، کیسے ملک کے طول و عرض میں خون کی ندیاں بہائی گئیں، امارتِ اسلامیہ افغانستان کو گرانے سے لے کر لال مسجد پر حملے جیسے شرمناک اقدامات کیے گئے، کیسے ملکی خزانوں کو بے دردی سے لوٹا گیا، فحاشی ولادینیت کو منظم انداز سے فروغ دیا گیا، یہ تفصیلات سبھی کو معلوم ہیں۔ اس قابلِ نفرت شخص کے دورِ حکومت میں بھی سیاست دانوں کے کھیل تماشے جاری رہے اور حریص خوشامدیوں کا سیاسی ٹولہ کبھی ق لیگ میں اور کبھی مختلف وزارتوں اور سرکاری عہدوں پر براجمان نظر آیا۔

بالآخر یہ دور بھی گزر گیا۔ جرنیلوں کی دین دشمنی، فوج کے مظالم اور فوجی افسروں کی بدعنوانی سے تنگ عوام ایک بار پھر تھک ہار کر جمہوری حکومت کی طرف واپس پلٹے۔ وہی غدار سیاست دان ایک بار پھر حکومت سنبھالے نظر آئے۔ سندھ کا وڈیرہ آصف علی زرداری ملک کا صدر اور اوچ شریف (ملتان) کی گدی کا متولی یوسف رضا گیلانی وزیرِ اعظم بنا۔ وہی گیلانی جس کا خاندان ۱۸۴۸ء میں ملتان کی فتح میں میجر ہربرٹ ایڈورڈ سل کے ساتھ کھڑا نظر آیا، جسے ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے صلے میں سر جان لارنس نامی انگریز افسر سے انعامات اور جاگیریں ملیں، وہی گیلانی جس کے پردادا مخدوم صدر الدین شاہ گیلانی کی برطانوی سرکار سے قربت کے سبب ۱۹۱۱ء میں فرمانروائے برطانیہ کی تاج پوشی کے موقع پر فرمانروا سے اس کا بطورِ خاص تعارف کروایا گیا اور اسے خان بہادر کا خطاب اور سونے کی گھڑی دی گئی۔ غدار خاندان کا یہی غدار نمائندہ قیامِ پاکستان کے ۶۵ سال بعد بھی اس ملک کا حاکم بنا بیٹھا ہے۔

اور عوام کے ساتھ دھوکوں اور غداروں کی قلابازیوں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے!

بے وقوف بننے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے!

ہر ظلم، مکر اور فریب کی کوئی حد ہوتی ہے۔ نیز بے وقوف بنتے چلے جانے کی بھی یقیناً کوئی حد ہونی چاہیے۔ نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين"۔ (الأدب المفرد للبخاريؒ)

"مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا"۔

لیکن نجانے ہم کیسے مومن ہیں کہ ۶۵ سال کے دوران دسیوں بار ڈسے جا چکے ہیں اور پھر بھی عقل نہیں آ رہی؟

آج اس خطے کے مسلمانوں کو اللہ سے بغاوت پر مبنی نظام تلے زندگی گزارتے تقریباً ۶۵ سال ہو چکے ہیں۔ اس ریاست کے کسی شعبے میں اسلام نافذ نہیں۔ اللہ رب العزت کی حدود معطل پڑی ہیں، فحاشی و بے حیائی پھیلا کر معاشرے کی تار پود بکھیر دینے کے لیے آج اسّی (۸۰) سے زائد منظم ادارے (ٹی وی چینل) وجود میں آ چکے ہیں، معیشت آج بھی خالصتاً سود پر کھڑی ہے، کشمیر کی آزادی کی باتیں کب کی زمین میں دفن کی جا چکی ہیں...... اب تو بھارت 'پسندیدہ ترین تجارتی ملک' قرار دے دیا گیا، قبائل میں ڈرون حملے اور فوجی آپریشن اور بلوچستان میں اغواء اور مسخ شدہ لاشیں پھینکنے کا طریقۂ واردات بھی جاری ہے، بلیک واٹر اور سی آئی اے کے اہلکار ملک میں دندناتے پھر رہے ہیں، ملک امریکہ کی غلامی میں دھنستا چلا جا رہا ہے، ہر دو قدم پر ایک نیا صوبہ بنانے اور پہلے سے موجود صوبوں کو ملک سے الگ کرنے کی آوازیں بھی زور پکڑ رہی ہیں، عام آدمی کو ہر ہر لقمے کے لیے ترسایا جا رہا ہے، بھوک، فقر، بے روزگاری، مہنگائی ایک ایسی سطح پر پہنچ چکی ہے جس کی ملکی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، دنیا میں سب سے وسیع نہری نظام کا حامل ملک بجلی کے بحران کا شکار ہے، گیس برآمد کرنے والے ملک میں آج گیس آتی کم اور جاتی زیادہ ہے، سیلابوں نے پورے پورے صوبے ایسے غرقِ آب کیے ہیں کہ دہائیوں تک معیشت کی بحالی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا......... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تباہی بالکل سر پر آن کھڑی ہے!

اس مایوس کن صورتِ حال میں بھی اربابِ اقتدار کو، ''فوجی جرنیلوں، سیاسی خاندانوں اور بیوروکریٹ افسروں'' کی شیطانی مثلث کو بس اپنا اقتدار بحال رکھنے کی فکر ہے۔ ملک رہے یا نہ رہے، انھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ غرض ہے تو بس اس سے کہ جب تک ملک رہے تب تک انھی کے ہاتھوں میں رہے۔ جب کوئی تباہی آئی تو ان غداروں کے لیے پریشانی کی کیا بات ہے؟ ان کا کون سا بینک کھاتہ پاکستان میں ہے؟ ان کی کون سی اولادیں یہاں پل رہی ہیں؟ انھوں نے پہلے سے ٹکٹ بک کروا کر رکھے ہیں تاکہ پہلی پرواز کے ساتھ ہی فرار ہو جائیں۔ چنانچہ اس غدار ٹولے نے اس بار بھی کسی ممکنہ انقلاب کو روکنے کے لیے ایک 'کنٹرولڈ انقلاب' لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کفریہ نظام کے پاس کوئی نیا پتا نہیں ہے، اس نے وہی پرانے حربے دہرانے ہیں۔ اسی لیے آج فوج اور سیاست دانوں دونوں سے تنگ عوام کے سامنے (تحریکِ) انصاف کا جھنڈا بلند کرنے، سب لٹیروں کے احتساب کا وعدہ کرنے اور سب کو لگام ڈالنے کا عزم ظاہر کرنے والے شخص کو سامنے لایا جارہا ہے۔

یہ سو فیصد وہی پرانا کھیل ہے...... سوال صرف یہ ہے کہ کیا ہم اس بار بھی بے وقوف بن جائیں گے؟ اسی سوراخ سے پھر ڈسے جائیں گے؟ اس بار بھی محض سطحی تبدیلی پر راضی ہو جائیں گے؟ اس بار بھی میڈیا کے شور و غوغا میں، انتخابی ہنگاموں میں، پرکشش نعروں اور مسحور کن تقریروں میں گم ہو کر حقیقی تصویر دیکھنے سے قاصر رہیں گے؟

کیا ہمیں نظر نہیں آرہا کہ 'انصاف' دلانے کے لیے کھڑے ہونے والی 'تحریک' میں کون لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں؟ کیا یہ وہی غدارانِ دین و ملت نہیں جن سے نجات پانے کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا؟ پانچ سال تک پرویز مشرف دور میں وزیرِ خارجہ رہنے کے بعد خورشید محمود قصوری آج اس جماعت میں شامل ہو چکا ہے۔ اس بے ضمیر شخص کو پاکستان کے مفادات کا خیال اس وقت تو نہیں آیا جب یہ دنیا کے ہر فورم پر پرویز کی پالیسیوں کا دفاع کرتا پھرتا تھا اور اس کے معتمد ترین ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن آج یہ پوری ڈھٹائی سے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کی بات کرتا ہے۔ نیز اس خطے میں اسلام کی سربلندی سے تو اسے ویسے ہی کوئی غرض نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا خاندان ملک میں مغربی طرزِ حیات، مخلوط تعلیم اور بے حیائی و فحاشی کو فروغ دینے والے ایک اہم ادارے 'سٹی سکول' کا کرتا دھرتا ہے۔ اس سکول کی دسیوں شاخیں آج ملک کے بیشتر بڑے

شہروں میں موجود ہیں اوراس کے نصاب و نظام سے عالمی دنیائے کفر اتنی مطمئن ہے کہ ورلڈ بینک اس ادارے کی خصوصی مالی معاونت کرتا ہے۔ سرحد کے سب سے معروف انگریز نواز خاندان 'ہوتی' کا نمائندہ بھی اس پارٹی میں شامل ہو چکا ہے۔ڈیرہ غازی خان کے لغاریوں کا نمائندہ اویس احمد خان لغاری بھی اس جماعت کا حصہ بن چکا ہے۔ ملتان کا شاہ محمود قریشی بھی ان ابتدائی لوگوں میں سے ہے جس نے اس پارٹی کو زور پکڑتا دیکھ کر اس کشتی پر سوار ہونے کا فیصلہ کیا اور آج تحریکِ انصاف کے نائب چیئر مین کا عہدہ سنبھالے بیٹھا ہے۔ بہاؤالدین زکریا کے مزار کا یہ سجادہ نشین اس بدبخت خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو پہلے رنجیت سنگھ سے وفادار رہ کر پھلا پھولا اور بعد میں انگریز کی گود میں جا بیٹھا اور اس سے جاگیریں وصول کرتا رہا۔ شاہ محمود قریشی کا جدِ امجد، مخدوم شاہ محمود انگریزوں کے مقرب ترین افراد میں شمار ہوتا تھا۔ اس بدبخت نے بیس ہزار گھڑ سواروں اور بہت سے پیادہ فوجیوں کو انگریز کی فوج میں بھرتی کروایا تھا اور ۱۸۵۷ء کے جہاد کے دوران ایک فتویٰ جاری کیا تھا جس کی رو سے انگریزی سرکار کے خلاف جہاد حرام تھا اور انگریز کی مدد فرض۔ اس فتوے پر عمل کرتے ہوئے یہ بدبخت پیر خود انگریز کے ساتھ مل کر مجاہدین کے خلاف لڑا تھا۔ اسی کے صلے میں اسے لاہور کا بھنگی والا باغ، ملتان میں آٹھ کنوؤں والی ایک زمین، مزاروں کی دیکھ بھال کے لیے تین ہزار روپے اور مستقل وظیفہ دیا گیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے مخدوم بہاول بخش نے افغانستان پر برطانوی حملے کے دوران برطانوی فوج کو اونٹوں کا ایک دستہ فراہم کیا تھا جس کے صلے میں اسے ملتان میں اعزازی مجسٹریٹ بنا دیا گیا تھا۔ بہاول کے بھائی مخدوم حسن بخش کو بھی اس کی خدمات کے سبب 'خان بہادر' کا خطاب دیا گیا تھا۔ شاہ محمود قریشی کا دادا مخدوم مرید حسین قریشی بھی شاہی ہندی فوج میں اونٹوں کا رسالدار رہا تھا اور اسے بھی مجسٹریٹ بنانے کے علاوہ خان بہادر کا لقب اور وسیع جاگیریں دی گئی تھیں۔ شاہ محمود قریشی کے چچا ریاض حسین کو جنگِ عظیم اوّل میں اس کی غیر معمولی خدمات کے سبب 'ہندوستان میں تاجِ برطانیہ کا بہترین دوست' قرار دیا گیا تھا اور جنگ کے بعد اس پر انعامات کی بارش کر دی گئی تھی۔ گھٹنوں تک انگریز کی محبت اور مسلمانوں کے خون میں ڈوبے اس غدار خاندان کا نمائندہ بھی آج اس پارٹی میں شامل ہے جو ملک میں انقلاب لانے اور سیاست دانوں کا احتساب کرنے نکلی ہے۔

دوسری جانب دفاعِ پاکستان کونسل کے نام سے دینی جماعتوں کے اتحاد میں شیخ رشید جیسے سیکولر وبدکردار شخص اور جامعہ حفصہؓ کی طالبات کے قاتل اعجاز الحق کی شمولیت یہ واضح کرتی ہے کہ اس کونسل کی تشکیل کے پیچھے اصل ذہن کس کا ہے اور اس سے اسلام کی کس قدر خدمت مقصود ہے! یہ کونسل تو دراصل اس لیے تشکیل پائی ہے تاکہ ملک کے دین دار لوگوں، دینی تنظیمات اور مدارس سے وابستہ حلقوں میں جو لاوا پک رہا ہے، جو جذبات جوش مار رہے ہیں انھیں کسی بغاوت کی سمت بڑھنے دینے کی بجائے ملک کی گلیوں، سڑکوں، چوراہوں پر نعرے بازی کے ذریعے تحلیل کر دیا جائے۔

تحریکِ انصاف کی کہانی قطعاً بھی ان سابقہ سیاسی قلابازیوں سے مختلف نہیں جو پاکستان کی مختصر تاریخ میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہیں۔ وہی پرانے چہرے ایک نئے نام تلے اکھٹے ہو رہے ہیں۔ اس تحریک نے کوئی نئی اور بے داغ قیادت سامنے نہیں لائی، بلکہ مروجہ سیاسی جماعتوں ہی کی تلچھٹ کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اب تک اس تحریک میں پیپلز پارٹی کے تیس، نون لیگ کے ۲۶، ق لیگ کے ۲۱، اور اے این پی کے دو ارکان شامل ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ۲۱۱۴ ریٹائر اعلیٰ فوجی افسران اور کئی جج و بیوروکریٹ بھی اس چھتری تلے اپنی جگہ پکی کر چکے ہیں۔ یہ تو محض آغاز ہے، جوں جوں انتخابات کا مرحلہ قریب آئے گا مزید بھی بہت سے غدار اپنی جگہ اس جماعت میں بنا لیں گے اور ایک بار پھر اس ملک کے عوام کے ساتھ وہی پرانا جمہوری کھیل دہرایا جائے گا۔ شریعتِ مطہرہ کی رو سے تو جمہوریت ویسے بھی مغرب کے کفریہ فلسفے پر مبنی ایک باطل نظام ہے جس سے خیر کا حصول محال ہے، لیکن پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ رکھی جائے تو یہ تاریخ خود پکار پکار کر یہ شہادت دیتی ہے کہ اس نظام کی بقاء سے محض ایک چھوٹے سے فرنگی نواز غدار طبقے کا، ''جرنیلوں، جاگیر دار سیاست دانوں اور بیوروکریٹ افسروں'' کی اس شیطانی تکون کا مفاد وابستہ ہے۔ یہ نظام اس مکار انداز میں تشکیل دیا گیا ہے کہ اس میں آگے بڑھنا اور اوپر چڑھنا اسی کے لیے ممکن ہوتا ہے جو اس طبقے کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کروائے۔ اصلاح کا بڑے سے بڑا دعویدار بھی جب اس نظام کے ذریعے کرسی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے بالآخر ان اصولوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے

پڑتے ہیں جو اسٹیبلشمنٹ نے یہ جمہوری کھیل کھیلنے کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ اس حقیقت سے منہ پھیرنا خود کو دھوکا دینے کے مترادف اور اس نظام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

خلاصۂ کلام

پاکستان کے عوام آج ایک بار پھر ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں۔ ۶۵ سال تک انگریز کے ٹوڈی غدار طبقے کی غلامی تلے پسے رہنے کے بعد آج موقع ہے کہ جرأت کر کے درست فیصلہ کر لیا جائے۔ حالات کی خرابی کا رونا رونے والے ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ حالات قربانی دیے بغیر نہیں بدلتے، نہ ہی قوت و اختیار کا حامل کوئی مقتدر طبقہ مزاحمت کے بغیر کرسی چھوڑتا ہے۔ آرام کرسیوں پر بیٹھ کر تجزیے کرنے سے یا ڈبوں میں کاغذ کی پرچیاں ڈالنے سے دنیا میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نیز ہمیں محض 'تبدیلی' مطلوب بھی نہیں۔ ہمیں تو وہ تبدیلی مطلوب ہے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہو، جس سے ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنورتی ہوں۔ یہ تبدیلی صرف تبھی آسکتی ہے جب ہم انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں کو پاؤں تلے روند کر محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ شریعت کو سینے سے لگا لیں اور بطور ایک قوم اس کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ اسی شریعت کے مکمل نفاذ میں...... ایسے نفاذ میں کہ جس میں رب کی شریعت کو انسانوں کی پارلیمان سے منظوری لینے کی حاجت نہ ہو...... ہماری دنیوی و اخروی فلاح پوشیدہ ہے۔ اسی شریعت کے نفاذ سے ظلم رفع ہو گا، اسی سے سود کے منحوس شکنجے میں پھنسے اٹھارہ کروڑ عوام کو معاشی آزادی و خوشحالی ملے گی، اسی سے غیر منصفانہ طبقاتی تقسیم ختم ہو گی، اسی سے غدار جرنیلوں، بیوروکریٹوں، وڈیروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا احتساب ہو گا، اسی سے امریکہ اور ہر دوسرے کافر کی غلامی سے رہائی ملے گی، اسی سے معاشرے کے حقیقی معززین معزز اور غیروں کے آلۂ کار رسوا ہوں گے، علماء کا وقار اور معاشرے پر ان کی سیادت بھی اسی سے بحال ہو گی، اسی سے امن قائم ہو گا، رزق میں برکت

پڑے گی، دلوں کو سکون و طمانیت نصیب ہو گی اور ربِ کریم آخرت میں بھی اپنی رضا سے نواز دے گا۔ اللہ ہمیں اور ہماری قوم کو ملکی تاریخ کے اس اہم موڑ پر درست فیصلے کی توفیق دیں، آمین![1]

ہمارے سروں پر مسلط خسیس لوگوں کی تعریف میں جوشؔ کے چند اشعار پڑھنے کو ملے، کچھ تصرف کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں:

یہ فرنگی کے مصاحب، یہ نصاریٰ کے ندیم
جن کے دل رہتے ہیں آقاؤں کی ہیبت سے دونیم

تیغ بن کر جن کے دل کو حسبِ آئینِ کہن
کاٹتی رہتی ہے آقاؤں کے ماتھے کی شکن

کانپ اٹھتے ہیں جو سنتے ہیں 'کوئی ہے؟' کا دُہل
بولتے ہیں زیرِ لب، چلتے ہیں جو پنجوں کے بل

جن پہ واجب خاص خدمتگار کا بھی احترام
جو محل کی مہترانی تک کو کرتے ہیں سلام

تمکنت رہتی ہے جن کی زلزلوں کے دوش پر
جن کے سر کا مستقر "سرکار" کی پاپوش پر

پا نہیں سکتا کوئی جن کی دنایت سے نجات
تہمت و غیبت ہے جن کے دین میں صوم و صلوٰۃ

عالموں کا فضل جن کے حق میں ہے خوفِ گزند
عاقلوں کی باریابی جو نہیں کرتے پسند

گھورتے رہتے ہیں یوں آقا کو جو شام و پگاہ
جس طرح قصّاب پر رہتی ہے کتّوں کی نگاہ

گاؤں کی کوڑھی تنبولن کے سڑے بیڑے ہیں یہ
شہریوں کی شکل میں طاعون کے کیڑے ہیں یہ

---

[1] اس مضمون کے لیے بنیادی طور پر مصنف وکیل انجم کی کتاب: "سیاست کے فرعون" اور آپ ہی کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب: "سیاست دانوں کی قلابازیاں" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا ٹان ٹائی یونگ کی انگریزی تصنیف "دی گیریزن سٹیٹ" کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔ یہ تینوں کتب پاکستانی سیاست کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم حوالوں کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس موضوع پر عمدہ تحقیقی کاوشیں سمجھی جاتی ہیں جن میں حوالہ جات دینے کا اچھا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ معلومات کی حد تک تو میں نے ان کتب پر تقریباً مکمل اعتماد کیا ہے لیکن ان معلومات سے نتائج اخذ کرنے میں اپنا علیحدہ اسلوب رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دو اہم مقامات پر اعداد و شمار کے لیے کتاب: "پاکستان جاگیرداری زمینداری نظام کے شکنجے میں" کی طرف بھی رجوع کیا ہے۔ نیز بعض جگہوں پر کچھ جزوی معلومات کی تفصیل جاننے کے لیے 'وکی پیڈیا' سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ آخر میں یہ بھی کہتا چلوں کہ اس مضمون میں مذکور بیشتر نام اتنے پست کردار کے حامل ہیں کہ ان کا ذکر دنیا کی کسی بھی کتاب میں محفوظ نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے خطے کے حاکم یہی خسیس لوگ ہیں۔ اسی لیے دل پر جبر کرتے ہوئے اس موضوع کا مطالعہ کیا، ان رذیل لوگوں کی تاریخ پڑھتے اور لکھتے ہوئے کئی بار کراہت سے دل متلانے لگا اور آخر کار مضمون مکمل ہونے پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا کہ اس ربِ کریم نے یہ مضمون مکمل کروا کر مجھے اس ذہنی اذیت سے نکال لیا۔ اللہ ان کرداروں کی نحوست سے ہمارے ظاہر و باطن کو اور ہماری قوم کے مستقبل کو محفوظ رکھے، آمین!

دُعانامہ بطورِ ایڈریس

حضور جناب نواب ہز آنر سر مائیکل فرانسس اوڈوائر جی-سی-آئی-ای، کے-سی-ایس-آئی لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب

MESSAGE OF CONGRATULATIONS.

ON THE AUSPICIOUS OCCASION OF THE

SILVER JUBILEE OF THEIR MAJESTIES

BY THE PUBLIC OF THE CIVIL DIVISION OF MULTAN IN THE PROVINCE OF PUNJAB.

TO

THE COMMISSIONER,

MULTAN DIVISION, MULTAN.

SIR,

THIS happy day deserves to go down in golden letters in the history of the British Empire. The Silver Jubilee of Their Majesties is being celebrated today in every nook and corner of the Empire by people belonging to a thousand different races and communities, male and female, old and young, with a fervour and joy that are beyond description.

These widespread feelings of fervent love and extreme devotion are a direct result of the compelling personality of His Majesty, who has enslaved the hearts of the subjects, be they high or low, by the keen interest His Majesty has always taken in their well-being, and who has always shown that His pleasure lies in the happiness of the people, and the [illegible] of His subjects are His troubles. That is why today every individual is not only overjoyed at the completion of 25 years of His Majesty's reign, but fervently prays to God Almighty to keep His Majesty [illegible] at the helm of affairs so that we may celebrate [illegible] Their Majesties' Golden and Diamond Jubilees when the time is ripe.

Sir, the year 1918, when the Great war ended, must still be fresh in your mind. The Allies were fully bent upon heaping humiliation and suffering upon their beaten foe, but [illegible] His Majesty with a heart full of the milk of human kindness, that turned the revengefulness of the [illegible] conquering Allies into peaceful channels. These humanitarian and peace-loving principles ultimately turned even our bitterest foes into friends.

In the history of Great Britain some King is known as "The Conqueror" some as "The Great" some as "The Noble" and some as "The Peacemaker" but the future generations will remember our King George as "The Kind-hearted" and this title, coming as it does, from the very hearts of His people is the one most worth winning.

Let us all pray God Almighty that He may give long life to Their Majesties and bestow upon them the choicest gifts of heaven.

MAY THEY LIVE LONG FOR THOUSAND YEARS.

AND EACH YEAR OF THEIR LIVES BE OF FIFTY THOUSAND DAYS.

We are offering our fervent congratulations, Sir, literally on behalf of each and every person of the millions inhabiting the Civil Division of Multan, for the address is signed on behalf of all the local bodies of that Division, who are their accredited representatives, as a token of unanimity of loyality.

We hope, Sir, that you will kindly convey our humble feelings of loyalty and devotion to Their Majesties through the Local Government.

1. MULTAN DISTRICT.

District Board	M. S. Mohd. Raza Shah.
M. C. Multan	Sh. Abdul Hanaj.
M. C. Sujabad	Ch. Partap Singh.
M. C. Khanewal	S. S. S. Balwant Sigh.
M. C. Mian Channu	S. Ajaib Singh.
N. A. C. Jahanian	Ch. Dildar Khan.
T. C. Jalalpur Pirwala	M. Mohamad. Aslam.
T. C. Kabirwala	Ch. Pokhar Dass.
T. C. Mailsi	Ch. Hinna Ram.
T. C. Dunyapur	L. Fateh Chand.
T. C. Kahror	M. Khilla Ram.
T. C. Tulamba	L. Hari Chand.

2. MUZAFFARGARH DISTRICT.

District Board	K. B. Sh. Nur Mohamad
M. C. M. Garh	R. B. Piyara Lal.
M. C. Alipure	Bhagat Kanwar Bhan.
M. C. Khangarh	Ch. Gopal Dass.
M. C. Leiah	Sh. Allah Bakhsh.
M. C. Kahror	K. B. Sh. Nur Mohamad
T. C. Khairpur Sadat	M. Tahila Ram.
T. C. Jatoi	K. B. Sh. Nur Mohamad
T. C. Kot Adu	Ch. Aisa Ram.
T. C. D. D. Pinah	Makhdum Imam Bakhsh.

3. JHANG DISTRICT.

District Board.	Mr. Amir-ud-Din.
M. C. Jhang	M. Ghulam Rasul.
T. C. Shorkot	Abdullah Shah.
T. C. Garh Maharajah	Talab Hussain.
T. C. Lalian	S. Diya Singh.
T. C. C. Ahmadpur	Ghulam Qasim Khan.

4. DERA GHAZI KHAN DISTRICT.

District Board	Mr. K. E. Henderson.
M. C. D. G. Khan	Ch. Mohamad Afzal.
M. C. Jampur	Ch. Khilla Ram.
M. C. Rajanpur	S. Ahmad Shah.
M. C. Dajal	M. Narain Dass.
M. C. Mithan Kot	L. Sewa Ram.
T. C. Vahoa	Ch. Basel Dhar
Khawja M. Badullah.	T. C. Kot Chutta.

5. MONTGOMERY DISTRICT.

District Board	Mr. P. N. Thapar.
M. C. Montgomery	L. Nand Lal.
M. C. Pakpattan	L. Dharam Chand.
N. A. C. Okara.	S. Uddam Singh.
N. A. C. Chichawatni	L. Lakhi Ram.
N. A. C. Renala Khord.	Mr. P. N. Thapar.

6. LYALLPUR DISTRICT.

District Board Lyallpur	Mr. A. [illegible]
M. C. Lyallpur	Mr. S. David.
M. C. Gojra	S. Surain Singh.
M. C. Kamalia	M. Ghulam Murtaza.
M. C. Chak Jhumra	L. Kundan Lal.
N. A. C. Samundri	M. Abdul Qaddus.
T. C. Jaranwala	Ch. Mehtab Din.
T. C. Tandlianwala	Ch. Hira Nand.
T. C. Toba Tek Singh	K. Karam Chand.

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے فرامین

ہم نے گزشتہ شمارے سے امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد نصرہ اللہ کے ان فرامین کا ترجمہ شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جو نفاذِ شریعت کے ہدف کی تکمیل کی خاطر امارتِ اسلامیہ افغانستان کے مبارک دور میں جاری کیے گئے تھے۔ اس مرتبہ ہم نے سود کے خاتمے کے حوالے سے امیر المؤمنین کا ایک فرمان منتخب کیا ہے۔ اس فرمان میں بہت سے اسباق پوشیدہ ہیں، جن کی طرف مختصراً اشارہ ہم یہاں کیے دیتے ہیں:

- ایک طرف پاکستان میں جمہوریت کے راستے اسلام لانے کا نمونہ ہے، جو آج ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی سود جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہ کو، جسے اللہ کی کتاب "اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ" سے تعبیر کرتی ہے، رکوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کبھی پارلیمان میں بل پیش ہوئے اور کبھی عدالتوں سے اللہ کا یہ حکم مان لینے کی درخواست کی گئی، مگر مملکتِ خداداد پاکستان کی معیشت آج بھی سو فیصد سودی لین دین پر کھڑی ہے۔ دوسری طرف دعوت و جہاد کے ذریعے آنے والی شرعی امارت کا نمونہ ہے، جہاں امیر المؤمنین کا دو ورقہ فرمان افغانستان کے طول و عرض میں دہائیوں سے جاری سودی کاروبار کو فی الفور روک دیتا ہے۔ یقیناً یہ ہر پاکستانی کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ اسے اپنے ملک کے لیے ان دونوں میں سے کون سا نظام مطلوب ہے؟

- یہ فرمان پوری امت بلکہ کفار کے لیے بھی دعوتِ فکر ہے کہ آج جب انسانیت کو سالہا سال سے دکھائے جانے والے خواب چکنا چور ہوتے نظر آرہے ہیں اور وہ سرمایہ دارانہ نظام جسے انسانی ترقی کی معراج قرار دیا جارہا تھا، خود اپنی جائے پیدائش سمجھے جانے والے ممالک میں بھی شکست وریخت سے دوچار ہورہا ہے، کیا اب وقت آنہیں گیا کہ انسانی عقل کے تراشیدہ ان تمام نظاموں کو لات مار کر ایک اللہ کے در پر سر جھکا لیا جائے اور سود کی لعنت اور سود خور یہودی ٹولے کی غلامی سے نجات کا رستہ اختیار کیا جائے؟ کیا وقت آنہیں گیا کہ اسلام کا عطا کردہ معاشی نظام دنیا میں نافذ کیا جائے، جو اشتراکیت و سرمایہ داری سمیت عقلِ انسانی کے تخلیق کردہ ہر نظام کی بے اعتدالیوں سے پاک ہے؟
- اس فرمان کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دور میں نظامِ سلطنت منظم ہونے کے باوجود سادگی و عملیت پسندی کا کیسا عمدہ نمونہ تھا اور ان ساری مصنوعی پیچیدگیوں سے بالکل پاک تھا جو مغرب کی 'مینجمنٹ سائنس' اپنے ساتھ لائی ہے۔ مختلف شعبے، وزارتیں اور انتظامی ڈھانچے اپنی جگہ موجود تھے لیکن ہمارے ملک کی بیوروکریسی کی طرح وہاں ایک حکم کی تنفیذ کروانے کے لیے فائلوں کو مہینوں اور سالوں مختلف سرکاری دفاتر کے چکر نہیں کاٹنے پڑتے تھے، بلکہ امیر المؤمنین کا ایک دوورقہ خط ہی کافی ہوتا تھا۔
- اس فرمان کی ایک اور نمایاں خصوصیت وہ سادہ و سہل اسلوب ہے جس سے عوام و خواص کو سود جیسے پیچیدہ فقہی مسئلے کے اساسی احکامات آسانی سے ذہن نشین کروائے گئے ہیں۔ یقیناً اسلام دینِ فطرت ہے اور اسلام کا عطا کردہ نظام بھی فطرت کے مطابق ہونے کے سبب نہایت سہل اور آسان ہے۔ نیز ان دو نظاموں میں فرق ہونا تو ویسے بھی لازم ہے، ایک وہ نظام جو علمائے کرام کی رہنمائی میں چل رہا ہو اور دوسرا وہ نظام جس کے ہم عادی ہیں...... جس کے وزیرِ داخلہ کو سورۂ اخلاص تک نہ آتی ہو، جس کے ایک سابق وزیرِ تعلیم کے مطابق قرآن میں چالیس پارے ہوں اور جس کی ایک سابق خاتون وزیرِ اعظم کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اذان دی جاتی ہے یا 'بجائی' جاتی! اللہ تعالیٰ ہمیں جلد اس کفریہ نظام کی غلامی سے نجات دیں اور کابل سے لے کر کراچی و بنگال تک شریعت کی بہاریں نصیب فرمادیں، آمین! (مدیر)

د سود د ناروا عمل د نه کولو په هکله

د افغانستان اسلامي امارت د مقام

فرمان

گڼه ۳۹
نیټه ۲ - ۱۱ - ۱۴۲۱

د قرانکریم د صریحو آیتونو او د نبي کریم (ص) د مبارکو احادیثو پر بنا سود ډېره لویه کبیره گناه بلل شوېده. خو زمونږ یو شمېر مسلمان ورونه د ناخبرۍ له امله د سود په دغه ناروا گناه مبتلا دي او یا داسې راکړه ورکړه (بیع او شري) کوي چې سود ور څخه جوړېږي، نو پدې خاطر چې زمونږ مسلمان هېوادوال له دغې کبیره گناه (سودکولو) څخه اچې ددنیا اوآخرت تاوان او ناکامي پکې ده ژغورل شوي وي، دمرکز او ولایتونو د امربالمعروف او نهي عن المنکر وزارت موظفینو، والیانو، د امنیې قوماندانانو او ولسوالانو ته وظیفه ورکول کېږي چې سود او دغه لاندې سودي سودا گانې په خپله ساحه کې په کلکه بندې کړي او محترم مسلمان هېوادوال دې هم له دغه حرام عمل څخه جداً اجتناب وکړي :

لومړی قسم : سود په قرضونو کې : په قرضونو کې سود دوه ډوله دی :

۱. دا چې یو چا ته لس روپۍ قرض ورکړي مثلاً بیا یوو لس یا دوولس روپۍ ځني اخلي.

۲. دا چې دقرض په ورکولو سره ځان ته نفع رسوي،مثلاً ورته ووائي چې قرض درکوم خو ته به پرما باندې فلانی شی په ارزانه قیمت خرڅوې، یا به فلانی شی په اجرت (مزدوري) راکوې، یا به،ئې مثلاً را ته هبه کوې یا به مثلا مهماني را ته کوې یا به مثلاً صدقه را باندې کوې او داسې نور.

دوه یم قسم : سود په دیونو (پورونو) کې : په دیونو (پورونو) کې سود دوه ډوله دی :

۱. دا چې مثلاً ته پر یو چا باندې پوشی د دوو میاشتو په موده خرڅ کړي،کله چې ټاکلې موده راورسېږي دائن (پورورکوونکی) د خپل پور مطالبه وکړي، مدیون (پوروړی) ورته و وائي چې ته یو څه موده را ته وکوره. زه به څه پیسې نورې در زیاتې کړم. په داسې ډول دغه زیاتې پیسې اخیستل هم سود بلل کېږي.

۲. دا چې مثلاً دائن (پورورکوونکی) مدیون (پوروړی) ته و وائي چې زما پور (پیسې)تر ټاکلې مودې مخکې راکړه. زه به په عوض کې له اصلي پیسو څخه یوڅه پیسې درکمې کړم، دا پیسې هم دمدیون (پوروړي)لپاره حرامې دي او سود بلل کېږي.

دریم قسم : هغه عقود (سوداګاني) چې د خینو شرائطو په اثر فاسدې شي، هغه هم د سود په حکم کې راځي، له څخه د خلاصون لپاره باید لاندې کلیات په نظر کې ونیول شي چې ډېر جزئیات ترې لاندې راځي.

هغه څه چې بیعه فاسدوي دغه لاندې شپان دي :

۱ـ جهالت د ثمنو (پیسو).

۲ـ جهالت د اجل (وخت).

۳ـ جهالت د مبیعې (د جنس).

څلورم قسم : دبیعې په عقد کې داسې شرط لګول چې د بیعې او ملکیت عقد ئې تقاضا نه کـوي او پـه دې شرط کې د بائع یا مشتري یا مبیعې لپاره فاسده وي، مثلاً بائع مشتري ته ووائي چې دا شی په دې شـرط در باندې خرڅوم چې بیا به ئې واپس بېرته ته پرما باندې خرڅوې یا به دومره قرض راکوې یا مشتري بـائع تـه ووائي چې دا شی په دې شرط در څخه اخلم چې ته به ئې تر کوره را سره وړې یا به زما څخه فلانـی شـی خریداري کوې.

پنځم قسم : په لاندې ذکر شویو کلیاتو کې ټولې فاسدې بیعې داخلې دي :

۱ـ مثلاً بیع د دانو په وږو کې یا ګل کې ناروا ده ولې چې مبیعه نده معلومه.

۲ـ مثلاً لکه چې ووائي، دا شی هلته در باندې خرڅوم کله چې فلانی له سفر څخه راشي، ولې چې پـه دې کې اجل نه دی معلوم .

۳ـ مثلاً یا لکه دا چې بائع په مشتري باندې د مبیعې په نس کې بچی خرڅ کړي، دلته بیا مبیعه نه ده معلومـه چې شی پیدا شي او که یه.

شپږم قسم : په کومو شرطونو چې بیعه فاسدېږي په هغو شرطونو اجاره (مزدوري) هم فاسدېږي لکه جـهالت د اجرت، جهالت د مودې او جهالت د عمل.

مثلاً نه اوس مزدوري د یو چا کوې باید د مزدوری اندازه، د مزدوری بدل، د مزدوی د کار اندازه، او کـار معلوم شي او که نشي معلوم اجاره فاسده ده.

چون د هر ولایت او هرې منطقې جلاجلا رواجونه دي نو ټول مسؤلین مکلف دي چې د پورته تعریفاتو په رڼـا کې سود او د سود سوداګاني په کلکه منع کړي.

والسلام

د اسلام خادم

امیرالمؤمنین ملا محمد عمر (مجاهد)

سود اور ناجائز لین دین کی ممانعت کے حوالے سے

امارتِ اسلامیہ افغانستان کا فرمان

قرآنِ کریم کی صریح آیات اور نبی کریم ﷺ کی مبارک احادیث کی روشنی میں سود خوری خطرناک ترین کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے بے شمار مسلمان بھائی لاعلمی کی وجہ سے اس گناہ میں مبتلا ہیں یا پھر ایسے طریقوں سے لین دین اور خرید و فروخت کر رہے ہیں جو سود کے زمرے میں آتے ہیں۔ لہٰذا ہم دنیا اور آخرت میں ناکامی و رسوائی کا سبب بننے والے اس گناہِ کبیرہ کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔

اسی غرض سے مرکز اور مختلف ولایتوں[1] میں متعین وزارتِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہلکاروں، ولایتوں کے والی، امنِ عامہ کی حفاظت پر مامور کماندانان اور اُلسوال[2] حضرات پر لازم ہے کہ وہ سود کی معروف صورتوں اور درج ذیل اقسام کے سودی لین دین کو اپنے علاقے میں سختی سے بند کریں۔ امارتِ اسلامیہ کے محترم باشندوں کو بھی چاہیے کہ وہ ان حرام اعمال سے سختی سے اجتناب کریں:

سود کی پہلی قسم: سودی قرضے

قرضوں میں سودی لین دین کی دو اقسام ہیں:

أ. پہلی قسم: مثال کے طور پر کسی کو دس روپے قرض دے کر گیارہ روپے وصول کیے جائیں۔

ب. دوسری قسم: قرض خواہ اپنے آپ کو نفع پہنچائے۔ مثال کے طور پر قرض دیتے ہوئے مقروض پر یہ شرط عائد کرے کہ وہ اس سے کوئی چیز سستے داموں خریدے گا، یا قرض

---

[1] 'ولایت' کی اصطلاح امارتِ اسلامیہ افغانستان میں صوبے کے لیے استعمال ہوتی ہے اور والی سے مراد صوبے کا سربراہ ہے۔

[2] 'اُلسوالی' کی اصطلاح امارتِ اسلامیہ افغانستان میں ضلع کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کا سربراہ 'اُلسوال' کہلاتا ہے۔

کے بدلے کسی چیز کی اجرت وصول کرے گا، کوئی تحفہ دے گا، اس کی مہمان نوازی کرے گا یا پھر اسے صدقہ دے گا۔[۳]

سود کی دوسری قسم: سودی خرید و فروخت

أ. مثال کے طور پر اگر ایک شخص دوسرے کو اس شرط پر کوئی چیز فروخت کرے کہ قیمت دو مہینے بعد وصول کروں گا۔ مقررہ وقت پر جب وہ پیسوں کا مطالبہ کرے تو مقروض اس سے یہ کہہ کر مزید مہلت طلب کرے کہ وقت بڑھانے کے عوض میں پیسے زیادہ دوں گا۔ اس طرح زائد پیسوں کی وصولی سود میں شمار ہوتی ہے۔

ب. اسی طرح اگر مذکورہ بالا صورت میں قرض خواہ مقروض سے مقررہ وقت سے پہلے اپنی رقم طلب کرے اور یہ کہے کہ مقررہ وقت سے پہلے ادائیگی کی صورت میں میں اصل رقم سے کم پیسے وصول کروں گا تو یہ پیسے مقروض کے حق میں سود شمار کیے جائیں گے اور اس کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔

سود کی تیسری قسم: بعض شرائط کے سبب فاسد ہونے والے عقود (تجارتی معاہدے)[۴]

ایسے عقد (تجارتی معاہدے) جو کچھ شرائط کے سبب فاسد ہو جائیں، وہ بھی سود کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے سود سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل اصول و قواعد کو مدِ نظر رکھیں، تو خود بخود ان کے تحت آنے والی بہت سی جزئیات سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔

وہ شرائط جن سے معاہدہ فاسد ہو جاتا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

أ. جهالت بالثمن (یعنی قیمت متعین نہ ہونا)

---

[۳] ان دونوں اقسام کی بنیاد یہ فقہی اصول ہے کہ "كل قرض جرّ نفعاً فهو ربا" یعنی "جو قرض بھی نفع کا ذریعہ بنے تو وہ سود ہے"۔

[۴] یاد رہے کہ ہر لین دین کا معاملہ جس میں ایک فرد قیمتاً کوئی چیز دوسرے کو بیچتا ہے اور دوسرا اسے خرید تا ہے، دراصل ایک باقاعدہ 'عقد' یا معاہدہ ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں صرف بڑی کمپنیوں کے تجارتی معاہدات کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ یہ بات ہر قسم کے چھوٹے بڑے لین دین پر منطبق ہوتی ہے۔

ب. جهالت بالأجل (یعنی وقت متعین نہ ہونا)

ج. جهالت بالمبيع أو بالجنس (یعنی فروخت ہونے والی شے کا متعین نہ ہونا)

سود کی چوتھی قسم: معاہدے میں ایسی شرط لگانا جو معاہدے اور ملکیت کے تقاضے کے منافی ہو یا جس میں خریدار یا بیچنے والے یا خود مبیع (بیچی جانے والی چیز) کے لیے مفسدہ ہو

مثال کے طور پر اگر بیچنے والا خریدنے والے کو یہ کہے کہ میں تمہیں اس شرط پر بیچ رہا ہوں کہ تم مجھے یہ چیز واپس فروخت کرو گے، یا اس کے بدلے مجھے قرض دو گے، یا خریدنے والا بیچنے والے کو کہے کہ اس شرط پر خرید رہا ہوں کہ تم اس کے بدلے مجھے گھر تک چھوڑو گے یا فلاں چیز مجھ سے اس کے عوض خریدو گے تو اس کا شمار سود میں ہو گا۔

سود کی پانچویں قسم:

درج ذیل اصولی مثالوں کے تحت آنے والی خرید و فروخت کے تمام معاہدات فاسد ہیں:

أ. مثلاً: مبیع (فروخت کی جانے والی چیز) خریدار کو دکھانے کی بجائے یہ کہا جائے کہ وہ فلاں لوٹے یا پھول[۵] کے اندر موجود شے ہے اور اس کی خرید و فروخت کا معاہدہ کر لیا جائے تو ایسا معاہدہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں مبیع نامعلوم ہے۔

ب. یہ کہا جائے کہ میں فلاں شے تب فروخت کروں گا جب میں فلاں سفر سے واپس آ جاؤں، ایسی صورت میں بھی سودا فاسد ہے کیونکہ 'اجل' یعنی وقت متعین نہیں۔

ج. کسی جانور کے پیٹ میں موجود بچے کو فروخت کرنا ناجائز ہے کیونکہ معاہدے کے وقت یہ معلوم نہیں کہ بچہ زندہ پیدا ہو گا بھی یا نہیں۔

---

[۵] پھول کے اندر موجود شے سے مراد اس صورت کی طرف اشارہ کرنا ہے جہاں لوگ پھل آنے سے قبل ہی درخت پر لگے پھول دیکھ کر باغ کا سودا کر لیتے ہیں۔

سود کی چھٹی قسم:

جن شرائط کے سبب خرید و فروخت کا معاہدہ فاسد ہو جاتا ہے، انہی شرائط کے سبب مزدوری کا معاہدہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب درج ذیل چیزوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے تو مزدوری کا معاہدہ (عقدِ اجارہ) فاسد ٹھہرتا ہے:

أ. اجرت متعین نہ ہونا

ب. وقت متعین نہ ہونا

ج. کام متعین نہ ہونا

لہٰذا معاہدہ درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مزدور کو مزدوری کی نوعیت، اجرت، کام کی مقدار وغیرہ معلوم ہو، ورنہ اجارہ فاسد ہو گا۔

چونکہ ہر علاقے کے جدا جدا رواج اور طور طریقے ہیں، لہٰذا تمام مسؤلین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اصولی احکامات کی روشنی میں اپنے اپنے علاقے میں موجود سود اور سودی لین دین کی سختی سے روک تھام کریں۔

والسلام

خادمِ اسلام

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد

شہیدِ اسلام شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے قیمتی فرمودات

حکمرانوں کا کفر واضح ہونے کی اہمیت!

"یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ لوگوں کے سامنے اس نکتے کو واضح کیا جائے اور خوب کھول کھول کر بیان کیا جائے کہ ہمارے حکمران گمراہ ہو چکے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبیلۂ احمس کی ایک عورت نے یہ پوچھا کہ "جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس نیک راستے، یعنی اسلام پر ہمیں کیا چیز قائم رکھے گی؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تک تمہارے حکمران اس پر قائم رہیں گے، تم بھی اس پر قائم رہو گے"۔ لہٰذا امام کا صحیح راہ پر قائم رہنا دین کی بقاء کی ایک اساسی شرط ہے۔

پس حیرت ہے ان لوگوں پر جو عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ "دین کی فکر نہ کرو، دین تو آج بھی قائم دائم ہے"، حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ حکمران بہت عرصہ قبل ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے صریح کفر کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ یہ حکمران تو اسی وقت کافر ہو گئے تھے جب یہ فرنگی کی حمایت اور اس کے اسلحے و پیسے کے بل پر ہماری گردنوں پہ مسلط ہوئے تھے، اللہ کے دشمنوں کے حلیف بن کر ان کے اشاروں پر زمین میں فساد پھیلایا تھا اور آخری اسلامی سلطنت، خلافتِ عثمانیہ کو

گرانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ کیا اللہ کے دین سے ایسی عظیم خیانتیں کرنے کے بعد بھی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ نہیں! بلاشبہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے کافر ہیں! اور یہ ممکن نہیں کہ حاکم تو کافر ہو لیکن اللہ کا دین پھر بھی قائم ہو۔

لہٰذا ان حکمرانوں کا کفر ہر مسلمان پر واضح ہونا چاہیے۔ اور ہر مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جب حکمران کافر ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسلام کے مکمل قیام و نفاذ کے لئے جدوجہد شروع کریں۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے جب تک ایک ایسا حکمران مقرر نہ کر دیا جائے جو معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی حدود قائم کرے اور اس کے احکامات کا مکمل نفاذ کرے۔"

("توجيهات منهجية" کے عنوان سے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے بیان کا اقتباس)

جمہوریت، ایک مستقل دین

شیخ ابو مصعب زرقاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا ترجمہ وتلخیص
از شیخ الحدیث مولانا نور الہدیٰ دامت برکاتہم العالیۃ

شیخ زرقاوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا خلاصہ میں اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ ان کی بات کا مفہوم صحیح طریقے سے ذہن نشین ہو سکے۔

اسلام، اللہ کی اطاعت پر قائم ایک مکمل دین

"اسلام نے اپنی بقا کے لیے اس چیز پر بہت زیادہ توجہ دی ہے کہ اس دین کی امتیازی حیثیت برقرار رہے اور اس دین کو اس کے اوامر ونواہی، اس کے حدود و قواعد کے ساتھ اسی طرح قبول کیا جائے جس طرح کہ یہ نازل ہوا ہے اور دین میں غلو اور افراط و تفریط سے دور رہا جائے۔ اس بات کی تاکید کئی آیات اور احادیث میں کی گئی ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾
(ھود: 112)

"یعنی تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا، (تو بھی) اور جس نے تیرے ساتھ توبہ کی (وہ بھی)، اور حد سے مت بڑھ، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔

نیز فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ (یونس: 109)

”اور جو حکم تیری طرف پہنچے تو اس پر چلا جا اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“۔

اور فرمایا:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ أُوحِيَ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الزخرف: 43)

” پس تو مضبوطی سے پکڑے رہ اسی حکم کو جو تجھے پہنچا ہے، بے شک تو سیدھی راہ پر ہے“۔

اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں نہ ہو تو وہ رد ہے“۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

”تم میں سے جو زندہ رہا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑو اور خبر دار نئے ایجاد کردہ امور سے بچو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے“۔

جمہوریت، عوام کی اطاعت پر قائم ایک علیحدہ دین

یہ تو ہے اسلام کی تعلیم، صاف شفاف اور واضح! اللہ کی اطاعت کرنا اور اس کے حکموں پر مضبوطی سے جمے رہنا، چاہے پوری دنیا اس کی مخالف ہو جائے! لیکن دوسری طرف جمہوریت کہتی ہے کہ عوام ہی اصل حاکم اور قانون ساز ہیں اور تمام مقدمات میں عوام ہی فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں۔ عوام کی بات کو نہ کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مؤخر کر سکتا ہے۔ عوام ہی کا فیصلہ قطعی ہے اور عوام ہی کی طرف رجوع ہو گا۔ عوام کی رائے مقدس ہے اور عوام کی اختیار کی ہوئی پالیسی ہی لازم ہے۔ عوام کی رائے محترم ہے اور عوام کا فیصلہ ہی انصاف ہے۔ جس چیز کو عوام منظور کریں وہ قانون ہے اور جس کو عوام مسترد کر دیں وہ مسترد ہے۔ جس چیز کو عوام حلال قرار دیں وہ حلال اور جس کو عوام حرام قرار دیں وہ حرام ہے۔ جس قانون، نظام اور شریعت پر عوام راضی ہوں وہ معتبر ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کی کوئی حیثیت، کوئی قیمت، کوئی وزن نہیں؛ چاہے وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ دینِ قویم کا شرعی حکم ہی کیوں نہ ہو، ونعوذ باللہ من ذلک!

یہ شعار، یعنی: "عوام کی حکومت، عوام کے لیے"، یہ اس جمہوری نظام کا مغز، اس کی حقیقت اور اس کا وہ بنیادی محور ہے جس کے گرد جمہوریت کی چکی گھومتی ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس کے اوپر جمہوریت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ عوام کی حاکمیتِ اعلیٰ تسلیم کیے بغیر جمہوریت کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ پس یہ وہ مکروہ جمہوری دین ہے جس کی تعظیم آج کل علی الاعلان، صبح شام کی جاتی ہے۔ یہ ہے وہ باطل دین جس کے مفکرین اور داعی ساری مخلوقِ خدا پر اس کا رنگ جمانے کے لیے کوشاں ہیں اور ہم ان کوششوں کا مشاہدہ و معائنہ کھلی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔

جمہوریت کے بنیادی اصول

یہ تو ممکن ہے کہ جمہوریت کی ایک سے زائد تعبیریں اور تفسیریں ہوں، لیکن تفسیر و تعبیر کے ہر اختلاف کے باوجود جمہوریت کی تمام اقسام میں کچھ مشترک بنیادیں ہیں جن پر جمہوریت کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ سات مشترکہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

- "لا الہٰ اِلّا الانسان" کا کفریہ کلمہ
- عقیدے کی آزادی کا شیطانی اصول
- باہمی جھگڑوں میں عوام کو حاکم وفیصل ماننے کا باطل اصول
- آزادیءاظہارِ رائے کا گستاخ اصول
- دین و دنیا کی علیحدگی کا شرکیہ اصول
- سیاسی جماعتوں اور انجمنوں کی تشکیل کی آزادی کا فاسد اصول
- کثرتِ رائے کی اتباع کا گمراہ کن اصول

آئندہ صفحات میں ہم ان میں سے ہر ایک بنیاد کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

ا۔ "لا الہٰ اِلّا الانسان" کا کفریہ کلمہ

جمہوریت کی بنیاد اس بات پر قائم ہے کہ عوام ہی اقتدار و اختیار کا منبع ہیں، عوام ہی حاکمِ اعلیٰ اور قانون ساز ہیں۔ جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ انسان ہی ہوتا ہے، اللہ پاک کی ذات نہیں۔ قوانین بنانے اور حلال و حرام قرار دینے کے اعتبار سے عوام ہی الہٰ، معبود اور واجب الاطاعت بن جاتے ہیں اور یہ عین کفر و شرک اور گمراہی ہے۔ جمہوریت کا یہ بنیادی اصول ہمارے دین کے اصولوں

اور عقیدۂ توحید کی ضد ہے۔ جمہوریت اس کمزور، جاہل وناقص انسان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتی ہے۔ مقتدرِ اعلیٰ وحاکمِ مطلق ہونا اور انسانوں کے لیے قانون ضابطے وضع کرنا، یہ تنہا اللہ ہی کی صفات اور اللہ ہی کا اختیار ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ﴾ (یوسف: 40)

”حاکمیت بس اللہ ہی کی ہے۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو“۔

اور فرمایا:

﴿وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ (الکہف: 26)

”اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے“۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: 10)

”اگر تمہارے مابین کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف لوٹاؤ۔“

یعنی عوام، جمہور یا کثرت کی طرف نہیں!

اور فرمایا:

﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ (الأنعام: 114)

”تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے جس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں“۔

اور فرمانِ باری ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: 21)

”کیا انہوں نے (اللہ کے) ایسے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسے احکامِ دین مقرر کیے جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی“۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی جگہ خود احکام مقرر کرتے اور قوانین بناتے پھرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے خدائی میں شریک ہونے اور اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ بننے کے لیے کوشاں قرار دیا ہے۔ نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ (المائدہ: 49)

"اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے (یعنی ان کی اس بات سے) احتیاط رکھئیے کہ یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں"۔

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: 31)

"انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے"۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ نبیء کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (اس وقت وہ نصرانی تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ: 31)

یعنی "انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے"۔

فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ:

"ہم تو اپنے علماء واحبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسی بات نہیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء واحبار حرام قرار دیتے ہیں تو تم اس کو حرام سمجھتے ہو اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے ہیں تو تم اس کو حلال سمجھ لیتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ایسا تو ضرور ہوتا ہے۔ فرمایا: بس یہی ان کی عبادت ہے"۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے لفظِ عبادت کو صرف دعا، رکوع، سجود وغیرہ کے معنی میں لیا تھا، مگر رسولِ اکرم علیہ السلام نے واضح فرما دیا کہ چیزوں کو حلال و حرام ٹھہرانے اور انسانوں کے لیے

خود سے قوانین وضع کرنے کے معاملے میں کسی کی اطاعت کرنا دراصل اس کی عبادت کرنا ہے۔ اللہ سید قطب پر رحمت فرمائے، آپ نے کیا خوب کہا تھا:

"بلاشبہ تمام ارضی نظاموں میں انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ایک دوسرے کو خدا بناتے ہیں اور انسانوں ہی کے غلام بنتے ہیں۔ جمہوری نظام کی اعلیٰ ترین شکل سے لے کر آمریت کی بدترین شکل تک، کوئی انسانی نظام ایسا نہیں جو اس فساد سے پاک ہو"۔

نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"الوہیت کی سب سے واضح خصوصیت بندوں کو اپنا تابعدار کرنا، ان کے لیے ضابطۂ حیات بنانا اور ان کے لیے ایک پیمانہ وضع کرنا ہے۔ پس اگر کوئی شخص یا نظام انسانوں کو اپنا تابعدار بنانا چاہے، ان کے لیے ضابطۂ حیات وضع کرے، خود سے ان کے لیے قوانین بنائے، ان کے حقوق و فرائض خود سے متعین کرے، تو گویا اس نے اپنی ذات کے لیے الوہیت کی سب سے واضح خصوصیات میں سے ایک کا حامل ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے خود خدا بن بیٹھا!"

۲۔ عقیدے کی آزادی کا شیطانی اصول

جمہوریت کی عمارت دین وعقیدے کی آزادی پر قائم ہے، یعنی جمہوری نظام میں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جو چاہے مذہب اختیار کرے اور جب چاہے جس دین وملت کی طرف چاہے لوٹ جائے۔ اسے مکمل حق ہے کہ وہ جب چاہے اللہ تعالیٰ کے دین سے نکل کر غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے اور مرتد ہو جائے۔ یقیناً یہ ایسی بات ہے کہ جس کے باطل اور فاسد ہونے میں کچھ شک نہیں۔ یہ شیطانی اصول لاتعداد آیات و احادیث سے متصادم ہے۔ اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے کفر کی طرف لوٹ جائے اور مرتد ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ:

"جو (مسلمان) اپنے دین کو بدل ڈالے (مرتد ہو جائے) اس کو قتل کر ڈالو"۔

حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ مرتد کو اس کے حال پر چھوڑ دو، بلکہ اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شریعت کی رو سے مرتد کو نہ تو امان دینا صحیح ہے، نہ اس کی حفاظت کا وعدہ کرنا درست ہے۔ اس

کے لیے تو اللہ کے دین میں بس دو ہی راستے ہیں: یا توبہ کر کے اپنے دین کی طرف لوٹ آئے یا پھر قتل کر دیا جائے۔

۳۔ باہمی جھگڑوں میں عوام کو حاکم و فیصل ماننے کا باطل اصول

جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ فیصلہ کرنا تنہا عوام کا کام ہے اور انسانوں کے مابین پیش آنے والے تنازعات و اختلافات میں عوام کے مقرر کردہ قوانین کے سوا کسی بالاتر قانون، وحی یا کتابِ الٰہی کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف جمہوری جماعتیں باہمی اختلافات کے وقت ایک دوسرے کو یہی دھمکی دیتی ہیں کہ وہ فیصلے کے لیے "عوام کی عدالت" میں چلی جائیں گی اور وہی فیصلہ قبول کریں گی جو "عوامی امنگوں" کے مطابق ہو۔ نیز ہم اس بات کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ جمہوری ریاستوں کی عدالتوں میں اللہ کے قانون کی بجائے انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ یقیناً جمہوریت کا یہ اصول بھی توحیدِ باری تعالیٰ کے اس اہم اصول کے منافی ہے جس کے مطابق تمام تنازعات واختلافات اور ہر قسم کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والی اصل ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ کے احکامات ہی کے مطابق ہو گا۔ اسلام تو کہتا ہے کہ:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ﴾ (الشوریٰ: 10)

"اور جس بات میں بھی تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے"۔

جبکہ جمہوریت کہتی ہے کہ "جس بات میں بھی تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ عوام کے حوالے ہے"، عوام کے سوا کسی اور کو فیصلے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النسآء: 59)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہوں ان کا، پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو لوٹا دو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو"۔

ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "إعلام الموقعين" میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے تنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کو ایمان کے اثرات اور لوازمات میں سے قرار دیا ہے۔ **پس اگر کوئی شخص اپنے فیصلے اللہ اور رسول کی طرف نہ لوٹائے تو اس کا ایمان بھی باقی نہیں رہتا۔** چونکہ یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں، لہٰذا ایک کی نفی سے دوسرے کی بھی نفی ہو جائے گی"۔

بلاشبہ اپنے مقدمات عوام کے پاس یا اللہ کے سوا کسی کے پاس بھی لے جانا شریعت کی نظر میں طاغوت کی خدائی تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ جبکہ شریعت نے ہمیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ (النسآء: 60)

"کیا تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، (لیکن اس دعوے کے باوجود یہ) چاہتے ہیں کہ (اپنے) مقدمے کا فیصلہ طاغوت کی طرف لے جائیں، حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کر دیں"۔

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے ایمان کو زعمِ باطل اور زبانی دعویٰ قرار دیا ہے جو محض یہ ارادہ بھی کرتے ہیں کہ اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت اور طاغوتی قانون کی طرف جائیں۔ چنانچہ شریعتِ الٰہی کے سوا ہر قانون اور احکامِ الٰہی کے سوا ہر حکم "طاغوت" کی تعریف میں داخل ہے اور ہمیں بطور مسلمان یہی حکم ہے کہ ہم طاغوت کی ہر شکل کا انکار کریں اور صرف ایک اللہ پر ایمان رکھیں۔

۴۔ آزادیٔ اظہارِ رائے کا گستاخ اصول

جمہوریت کی ایک اور اہم بنیاد "آزادیٔ اظہارِ رائے" ہے۔ بظاہر خوشنما نظر آنے والا یہ تصور دراصل اسلام کی عین ضد ہے۔ اسلام انسانوں کو اللہ کی عبودیت اور بندگی سکھاتا ہے، جبکہ جمہوریت انہیں مادر پدر آزاد آزادی سکھلاتی ہے، جس میں کسی بھی گمراہ سے گمراہ اور گستاخ سے

گستاخ رائے کا اظہار کرنا بھی انسان کا بنیادی حق شمار ہوتا ہے، خواہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اللہ کے محبوب انبیاء علیہم السلام پر اور دینی شعائر پر ہی کیچڑ اچھالتا پھرے۔ جمہوریت میں کوئی بھی چیز ایسی مقدس نہیں ہوتی جس پر تبصرہ وتنقید جائز نہ ہو یا جس پر کیچڑ نہ اچھالی جاسکے۔ جبکہ اس کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (النسآء: 148)

"برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے کہ کسی پر ظلم ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ • لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةً﴾ (التوبة: 65,66)

"اور اگر تم ان سے پوچھو گے تو یہ کہیں گے کہ ہم تو بس بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے، تو کہہ دو کہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے تم ٹھٹھا کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ، تم تو کافر ہوگئے ہو ایمان لانے کے بعد، اب اگر ہم تم میں سے بعضوں کو معاف کر بھی دیں تو عذاب بھی دیں گے بعضوں کو"۔

۵۔ دین ودنیا کی علیحدگی کا شرکیہ اصول

جمہوریت کا ایک اور بنیادی اصول یہ ہے کہ دین کو حکومت، سیاست اور انسانی زندگی کے بڑے حصے سے الگ کر دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی زندگی میں بس اتنا ہی حصہ ہو کہ کسی عبادت گاہ اور کسی کونے میں اس کی عبادت کی جائے۔ باقی جہاں تک انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، سیاست، اقتصادیات، اجتماعی امور وغیرہ کا تعلق ہے، تو اس دائرے میں عوام خود اپنے فیصلے کریں، دین کا اس میں کوئی گزر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ (الأنعام: 136)

”پھر کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے (ان کے) اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔ سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے، کیا ہی بُرا انصاف ہے جو یہ کرتے ہیں“۔

دین و دنیا کی علیحدگی کا یہ جمہوری اصول سراسر باطل ہے، جس پر ایمان رکھنے والا کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ اصول دین کی ان نصوص کا صریح انکار ہے جن میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ اسلام حکومت اور سیاست، معیشت اور معاشرت، قانون سازی اور عدالت، ہر جگہ حاکم ہوگا اور ہر جگہ اسلام ہی کے اصولوں پر عمل ہوگا۔ اسلام صرف چند عبادات یا چند مخصوص عمارات میں محصور و محدود نہیں۔ اسی لیے اسلام کو انسانی زندگی سے بے دخل کرنے والا یہ جمہوری اصول اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ صریح کفر ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ (البقرة: 85)

”تو کیا تم اس کتاب کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے، سو تم میں سے جو کوئی بھی یہ کام کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی اس پر مسلط ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں پہنچایا جائے“۔

اور فرمایا:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النسآء: 150,151)

”اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے، اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ، ایسے لوگ ہی اصل کافر ہیں، اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب“۔

۶۔ سیاسی جماعتوں اور انجمنوں کی تشکیل کی آزادی کا فاسد اصول

جمہوریت اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ انسانوں کو سیاسی جماعتیں، تنظیمیں اور انجمنیں وغیرہ قائم کرنے کی مکمل آزادی ہے، خواہ یہ جماعتیں کسی بھی عقیدے، نظریات اور اخلاقیات کی حامل ہوں۔ جمہوریت کی یہ بنیاد بھی شرعاً باطل ہے، کیونکہ:

(الف) یہ اصول تسلیم کرنے کا مطلب ہے کہ ہم اپنی رضامندی اور خوشی سے یہ بات قبول کرتے ہیں کہ کفریہ اور شرکیہ رجحانات کی حامل جماعتیں وجود میں آئیں اور اپنے باطل عقائد و نظریات کی عوام الناس میں تشہیر کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا قرآن کی بہت سی آیات کے انکار اور لاتعداد احادیث کی صریح مخالفت کے مترادف ہے۔ قرآن و سنت تو ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ کفر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے، منکرات کو روکا جائے اور بُرائیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ یہ تو ہمارے دین کی تعلیم نہیں کہ ہم ایسے خرافاتی و فسادی نظریات کو پنپنے دیں اور ان کا یہ حق بھی تسلیم کرلیں کہ انہیں پنپنے دیا جائے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ (الانفال: 39)

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص ہو جائے"۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تمام اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ ہر وہ جماعت جو اسلام کے ظاہری و متواتر احکامات کی پابندی کرنے سے انکار کرے، اس سے جہاد کرنا واجب ہے یہاں تک کہ دین پورے کا پورا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص ہو جائے"۔

(ب) کفریہ عقائد کی حامل جماعتوں کے وجود کو جائز سمجھنا کفر پر راضی ہونے کے مترادف ہے، چاہے انسان منہ سے صراحتاً اس کا اظہار نہ بھی کرے۔ اور کفر پر راضی ہونا تو بذاتِ خود کفر ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا﴾ (النسآء: 140)

"اور وہ تم پر قرآن میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں سے کفر ہوتے اور ان کی ہنسی اڑتے سنو تو مت بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے (شمار) ہو گے۔ بلاشبہ اللہ منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ اکٹھا کرے گا"۔

۷۔ کثرتِ رائے کی اتباع کا گمراہ کن اصول

جمہوریت کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ اکثریت کے موقف کو مانا جائے اور جس بات پر اکثریت جمع ہو جائے اس کو اختیار کیا جائے، چاہے وہ اکثریت باطل، گمراہی اور صریح کفر پر ہی کیوں نہ جمع ہو! پس جمہوریت کی نظر میں حق بات (جس پر کسی طرح کی گرفت کرنا، یا تنقید و تبصرہ کرنا جائز ہی نہیں) وہی ہے جس کو اکثریت طے کرے اور جس پر اکثریت جمع ہو جائے۔

یہ بنیاد بھی باطل اور قطعی طور پر غلط ہے۔ اسلام کی نظر میں تو حق وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو، قطعِ نظر اس سے کہ اس کے ماننے والے کم ہیں یا زیادہ۔ اور جو بات، جو قانون، جو اصول قرآن و سنت کے مخالف ہو وہ باطل ہے چاہے روئے زمین کے تمام انسان ہی اس کے حق ہونے پر متفق ہو جائیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ (الأنعام: 116)

"اور اگر تو دنیا میں موجود لوگوں کی اکثریت کا کہنا مانے گا تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، وہ سب تو بس اپنے گمان کی اتباع کرتے ہیں اور وہ سب بس اٹکل ہی دوڑاتے ہیں"۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ روئے زمین کی اکثریت کی پیروی کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو جانا ہے، کیونکہ اکثریت تو گمراہی پر قائم ہے اور اللہ تعالیٰ پر

ایمان لائے بھی تو ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمرو بن میمون رحمہ اللہ سے فرمایا:

”لوگوں کی اکثریت تو (حق پر قائم) جماعت کو چھوڑے بیٹھی ہے اور الجماعت (یعنی اہلِ سنت) تو وہی ہیں جو حق کے موافق ہوں، چاہے وہ اکیلا ایک شخص ہی (حق کی پیروی کر رہا) ہو“۔

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یقیناً گزرے ہوئے لوگوں میں اہل سنت بہت قلیل تعداد میں تھے اور باقی رہ جانے والے لوگوں میں بھی وہ قلیل تعداد میں ہوں گے۔ وہ تو ایسے لوگ ہوتے ہیں جو عیش پرست لوگوں کے ساتھ ان کے عیش و عشرت میں شریک نہ ہوں اور نہ ہی بدعتی لوگوں کے ساتھ ان کی بدعات میں ساتھ دیں۔ وہ جنھوں نے سنتوں پر صبر کے ساتھ عمل کیا یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جاملے۔ پس ہو سکے تو تم بھی ان جیسے بن جاؤ“۔

اسلام براستہ جمہوریت کا گمراہ منہج

ہمارے معاشروں کے بعض لوگ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ وہ ”مصلحتِ دین“ کی خاطر جمہوریت میں اترے ہیں اور جمہوریت کو محض اقتدار تک پہنچنے کی سیڑھی کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اقتدار میں پہنچ کر شرعی مقاصد ہی کی تکمیل کرنا ان کا مطمعِ نظر ہے۔ لیکن شاید یہ لوگ یہ بات بھول گئے ہیں کہ ہمارے دین نے ہمارے لیے صرف اہداف و مقاصد ہی طے نہیں کیے بلکہ ان تک پہنچنے کا راستہ بھی ہمیں تفصیل سے بتلایا ہے۔ پس اللہ کے دین سے متصادم رستہ اختیار کر کے دینی مقاصد حاصل کرنا نہ تو ممکن ہے، نہ ہی جائز۔ افسوس کہ ہمارے یہ بھائی اس اہم نکتے سے نظریں چراتے ہوئے، ”مصلحت“ کے نام پر درحقیقت دین کے اصولوں پر سودا بازی کرنے میں مصروف ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور اُمیہ بن خلف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: ”اے محمد (ﷺ)! آیئے ہم اس کو پوجیں جس کو آپ پوجتے ہیں اور آپ

اس کو پوجیں جسے ہم پوجتے ہیں اور ہم آپ کو اپنے تمام امور میں شریک کر لیتے ہیں۔ پس جو دعوت آپ لائے ہیں اگر وہ اس دین سے بہتر ہے جس پر ہم قائم ہیں تو (ہماری اس تجویز پر عمل کرنے سے) ہم بھی آپ کے دین میں شریک ہو جائیں گے اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت سے کچھ حصہ ہمیں بھی مل جائے گا۔ اور اگر آپ کی لائی ہوئی ہدایت کے مقابلے میں وہ چیز بہتر ہے جو ہمارے پاس ہے تو (ہماری تجویز پر عمل کرنے سے) آپ بھی ہمارے دین میں شریک ہو جائیں گے اور اس میں سے کچھ حصہ آپ کو بھی مل جائے گا"۔ تو مشرکین کی اس سودے بازی کا دندان شکن جواب دینے کے لیے یہ سورت نازل ہوئی ﴿قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡكَٰفِرُونَ......﴾

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیش کش قبول کر لیتے تو اچھا ہوتا۔ آپ کوئی درمیانی راہ نکال لیتے اور مشرکین سے مطالبہ کرتے کہ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کریں، کیونکہ مشرکین جب اسلام کو جان لیتے تو پھر ہرگز اس سے نہ پھرتے۔ اس صورت میں اسلام کا بڑا فائدہ ہوتا اور مسلمان جس شدید آزمائش میں مبتلا تھے اس سے بھی نجات مل جاتی۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے وحی نازل فرما کر اس موضوع پر حتمی بات کہہ ڈالی اور مسلمانوں کو اپنے اصولوں پر سودابازی کرنے سے صاف روک دیا۔

اس ایک واقعے پر غور کر لینے سے ہی ہمیں اسلام دشمن عناصر کی چالوں کا مقابلہ کرنے کا ایک مستقل منہج سمجھ آ جاتا ہے۔ کفار سے یہ امید رکھنا خام خیالی ہے کہ وہ آپ کے اسلام پر قائم رہتے رہتے آپ سے راضی ہو جائیں گے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح آپ کو آپ کے دین سے ہٹا پھسلا دیں۔ پس اگر آپ نے ان سے سودابازی کرنا شروع کی، تو وہ اس وقت تک آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک آپ اپنے دین کی بنیادوں کو چھوڑ کر جمہوریت کی مذکورہ بالا باطل و نجس بنیادیں قبول نہ کر لیں۔ اللہ ہمیں ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے، آمین!"

سلطنتِ (اقوامِ مغرب)

علامہ اقبال رحمہ اللہ

علامہ اقبالؒ نے اپنی اس نظم میں مغرب کے فاسد نظامِ سلطنت کو نشانہ بنایا ہے اور اپنے اشعار میں اس کے کئی مفاسد کو واضح کیا ہے۔ یہ مفاسد جن سے علامہ اقبالؒ نے اسّی سال قبل خبردار کیا تھا، آج پوری طرح ظاہر ہو چکے ہیں اور مسلمان اس نظام تلے ذلت و رسوائی کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ اشعار مسلمانانِ امت کو کچھ واضح پیغام دے رہے ہیں۔ (مدیر)

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ ان الملوک[1]
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری[2]

---

[1] آیتِ مبارکہ ﴿قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (النمل: ۳۴) کی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ: ”ملکہ سباء نے کہا: یہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں، اور یہ ایسا ہی کرتے ہیں“۔ علامہ اقبالؒ اس آیت سے اقوامِ مغرب کے فاسد طرزِ حکمرانی پر استدلال کر رہے ہیں۔

[2] یہ شعر اہلِ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کی خوب عکاسی کر رہا ہے۔

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

از غلامی فطرتِ آزاد را رسوا مکن
تا تراشی خواجہ ہا از برہمن کافر تری [3]

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری [4]

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایت و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

---

[3] غلامی کا طوق پہن کر اپنی آزاد فطرت کو رسوا مت کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو وہ صاحب بن بیٹھے جو برہمن سے بھی بڑھ کر کافر ہو۔ یعنی مغربی اقوام کی غلامی اختیار کر کے اور ان کے نظامِ سلطنت تلے محکوم بننے سے مسلمانوں کی آزاد فطرت رسوا ہو رہی ہے اور اگر یہ معاملہ یونہی چلتا رہا تو کچھ بعید نہیں کہ مسلمان اسلام اور اسلامی نظامِ سلطنت (خلافت) سے برگشتہ، خود مغرب سے بڑھ کر مغرب زدہ ہو جائیں گے، والعیاذ باللہ۔

[4] یہ جبر واستبداد کا دیو ہے جو جمہوری لبادہ اوڑھے ناچ رہا ہے، اسے آزادی کی نیلم پری نہ سمجھ! یعنی یہ نظامِ جمہوریت آزادی کا ضامن نہیں بلکہ جبر واستبداد پر مبنی نظام ہے اور اس کے ذریعے اقوامِ مغرب دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ رہی ہیں۔

گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

قائدینِ جہاد کے اقوال

جمع وترتیب: حسن حبیب

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد نصرہ اللہ فرماتے ہیں

مجاہدین کو نصیحت

”ہم مجاہدین کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے جہادی کاموں کے ساتھ ساتھ علم کے حصول، مطالعے، دعوت الی اللہ، مسنون اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنے کی طرف توجہ دیں۔ اسی طرح ہم انہیں جسمانی ورزش اور اسلحہ سیکھنے اور اس کے لیے اپنے وقت کا کچھ حصہ مخصوص کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ہم انہیں اس بات کی بھی تلقین کرتے ہیں کہ اپنا لباس اور ظاہر شریعت کے موافق رکھیں اور لوگوں کے درمیان نیک، عبادت گزار، اصلاح کے لیے کوشاں اور نیکی اور بھلائی کی طرف دعوت دینے والے مسلمان بھائی بن کر رہیں“۔

مرکزی امیر تنظیم قاعدۃ الجہاد شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ فرماتے ہیں

اے اہلِ افغانستان!

”اے میرے معزز افغانی بھائیو! راہِ جہاد پر استقامت سے قائم رہو، مجاہدین کے قافلے سے چمٹے رہو، اہلِ حق کی جماعت کو تھامے رکھو اور امارتِ اسلامیہ کے مبارک و منصور جھنڈے تلے اور اللہ

کے مجاہد، زاہد و صادق بندے امیر المؤمنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کی قیادت میں کامرانیوں کی طرف بڑھتے چلے جاؤ''۔

اے اہلِ پاکستان!

''آپ کے پڑوس میں واقع عالمِ عرب میں انقلابات کا ایک طوفان بپا ہے۔ ظالم طاغوتی حکمران یکے بعد دیگرے گرتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر آپ حرکت میں کیوں نہیں آرہے؟ آپ اپنی گردنوں پر مسلط طواغیت کے تختے الٹانے کے لیے کیوں نہیں اٹھ رہے؟...... کیا آپ جانتے نہیں کہ امریکہ بھارت کو مضبوط کر کے آپ کو اس کا غلام بنانے کی راہ ہموار کر رہا ہے؟ جان لیجئے کہ بھارت کے خطرے سے بچانے میں پاکستانی فوج آپ کے کچھ کام نہیں آئے گی۔ ڈھاکہ اور کارگل میں ان کی کارکردگی سبھی کو معلوم ہے۔ اگر بھارت نے کوئی جارحانہ قدم اٹھایا تو یہ مجاہدین ہی ہوں گے جو اللہ کے اذن سے آپ کا دفاع کریں گے جیسا کہ انہوں نے روسی جارحیت کے خلاف آپ کا دفاع کیا تھا۔ پس آپ موقع پرستوں سے دھوکا کھانے کی بجائے قربانیاں دینے والے اہلِ حق کے گرد اکٹھے ہو جایئے''۔

شیخ جلال الدین حقانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمیں تقسیم کرے

''ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ روسیوں کے خلاف جہاد سے حاصل ہونے والے فوائد کو کس طرح قائدین کے ٹولے نے ضائع کر دیا تھا۔ وہ تمام کامیابیاں جو ہم نے جہاد کے ذریعے حاصل کی تھیں، آپس کی رنجش کی وجہ سے ضائع ہو گئیں۔ لہٰذا افغان مسلمان اِس کڑوے تجربے کو دوبارہ نہیں دہرانے دیں گے۔ الحمدللہ آج ہم امیر المؤمنین کی قیادت تلے بالکل متحد ہیں اور کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمیں تقسیم کرے یا ہمارے درمیان رنجشیں ڈالے''۔

مجاہد عالمِ دین شیخ ابو یحییٰ حفظہ اللہ فرماتے ہیں

تحریکِ طالبان افغانستان؛ علم و عمل سے مزین ایک منفرد جہادی تحریک

''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے طالبان تحریک علم اور عمل سے مزین ایک جہادی جماعت ہے۔ ان کی قیادت علماء کے ہاتھوں میں ہے اور ان کے عام مجاہدین بھی بالعموم طلبائے علومِ دینیہ

ہیں۔ جو کوئی انہیں قریب سے جانتا ہے، یا جنگ و امن اور تنگی و فراخی کے حالات میں ان کے ساتھ رہا ہے، وہ اس بات کا بخوبی ادراک رکھتا ہے کہ طالبان بحیثیتِ مجموعی اللہ سے ڈرنے والے، متقی اور شریعت پر کاربند لوگ ہیں۔ یہ حق کے متلاشی ہیں اور حق کی تلاش میں ایسے شرعی مسائل میں بھی احتیاط سے کام لیتے ہیں جن کے متعلق بہت سے عام لوگوں سے اگر پوچھا جائے تو وہ بے ساختہ اس کا جواب اپنی طرف سے دے ڈالیں اور کہیں کہ یہ تو بہت سادہ اور آسان سا مسئلہ ہے۔ طالبان تحریک کی تعریف میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ یہ عصرِ حاضر کی وہ واحد جہادی تحریک ہے جس کی صفیں ہر سطح پر علمائے کرام اور طلبائے علومِ دینیہ پر مشتمل ہیں۔ یہی بابرکت طبقہ امارت کے قیام سے قبل اس تحریک کو چلا رہا تھا، اسی نے دورانِ ایامِ امارت اس تحریک کی قیادت سنبھالے رکھی اور ان شاء اللہ یہی طبقہ امارتِ اسلامیہ کے دوبارہ قیام پر بھی اس جہادی تحریک کو آگے لے کر چلے گا"۔

امیر تنظیم قاعدۃ الجہاد (مغربِ اسلامی) شیخ ابو مصعب عبد الودود حفظہ اللہ فرماتے ہیں

اے میری محبوب امت! ظالم حکومتیں گرانے کے لیے اٹھ کھڑی ہو!

"مسلمانوں پر مسلط ظالم و مرتد نظام ہائے حکومت ظلم اور فساد میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں، یہاں تک کہ اب نصیحت ان کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی ان سے مزید چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ جو کوئی بھی ان نظاموں میں شامل ہو کر ان کی اصلاح کا دعوے دار ہو یا سیاسی مصلحت کے تحت ان میں شمولیت اختیار کرے وہ ایسے طبیب کی طرح ہے جو اسپرین کی گولی سے کینسر کا علاج کر رہا ہو۔ امت کے دفاع اور بیماریوں سے اس کی شفا کے بارے میں متفکر مجاہدین اپنی محبوب امت کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان حکومتوں کو گرانے کے لیے ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا جائے۔ گھبرائیے مت! ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ بس اتنا درکار ہے کہ ہم مصمم ارادہ اور مقدور بھر تیاری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان حکمرانوں کے محلات پر ہلّہ بول دیں۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے بہت ہی تھوڑی قربانی دے کر ہمیں غلبہ نصیب ہو جائے گا"۔

امیر حرکۃ الشباب المجاہدین (صومالیہ) شیخ مختار ابو زبیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں

آنے والا کل تمہارا ہے!

"تمام عالم اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہے کہ امریکہ اپنی عمر پوری کر چکا ہے اور مسلمان خطوں پر سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ دوسری طرف امتِ اسلام کے لیے نئی صبح طلوع ہو رہی ہے جو اپنے جلو میں اسلام کا غلبہ اور شریعت کی حاکمیت لیے آ رہی ہے۔ ایسی صبح جو امت مسلمہ کی وحدت اور خلافت کے از سرِ نو قیام کے ساتھ طلوع ہو گی۔ پس اے امتِ مسلمہ! جان لو کہ آنے والا دن تمہارا ہے۔ اسلام کو ہی اپنا پیش رو بناؤ اور یاد رکھو کہ جو چیز قوت سے چھینی گئی ہو وہ واپس بھی بزورِ بازو ہی لی جاتی ہے"۔

ترجمان دولتِ اسلامیہ عراق شیخ ابو محمد عدنانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

عراق سے امریکی فوج کی پسپائی، نوید فتح ہے

"الحمد للہ آج صورتِ حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے۔ اب ہم پہل کرتے ہیں، جب چاہتے ہیں دشمن کو نشانہ بناتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نکل آتے ہیں۔ آج ہم اقدام کر رہے ہیں اور دشمن دفاع پر مجبور ہے۔ چند روز قبل ہی امریکی تاریخ کا سب سے احمق وزیرِ دفاع نادانی سے امریکی شکست کا اعتراف کر بیٹھا۔ اس نے کہا کہ اب تک امریکہ کے چالیس ہزار فوجی بھاگ کر کینیڈا جا چکے ہیں کیونکہ وہ عراق و افغانستان کے بارے میں جو کچھ سن چکے ہیں اس کے بعد وہ وہاں تعیناتی کے تصور سے بھی کانپتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجاہدین کو یہ توفیق دی کہ وہ تاریخِ اسلامی کے شدید ترین صلیبی حملے کے آگے بند باندھیں اور صلیبی افواج کو پسپائی پر مجبور کریں۔ آج امریکہ کی فوج عراق سے بھاگ گئی ہے لیکن الحمد للہ ہماری دولتِ اسلامیہ اب بھی باقی ہے اور ہماری فوجِ مجاہدین بھی دن بدن قوت پکڑ رہی ہے۔

آج بعض منافقین یہ باتیں بنانے لگے ہیں کہ امریکہ کے عراق سے نکل جانے کے بعد مجاہدین کے لیے جنگ جاری رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں بچا۔ بخدا، جھوٹ کہتے ہیں! اب ہی تو قتال کا وقت آیا ہے! یہ کس دین کی تعلیم ہے کہ اگر امریکی کافر غاصبانہ قبضہ کریں تو ان کے خلاف جہاد جائز ہے اور اگر صفوی ایرانی قبضہ کر لیں تو ناجائز؟"

امیر تنظیم قاعدۃ الجہاد (جزیرۃ العرب) شیخ ابو بصیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں

نیزوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

"عالمی صلیبی صہیونی اتحاد کے خلاف ہماری جنگ جاری ہے۔ جنگ انہوں نے شروع کی ہے اور انہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس امت کو للکارنے کی غلطی کر بیٹھے ہیں۔ ہم تو جنگوں کے پالے ہوئے لوگ ہیں، ہم نے جنگ کے بطن سے جنم لیا ہے اور ہم نیزوں کے سائے تلے جوان ہوئے ہیں، گویا ہمیں رب نے پیدا ہی اسلام دشمنوں پر دنیا تنگ کرنے اور ان سے قتال کرنے کی خاطر کیا ہو۔ ہمارا ہدف شریعتِ الٰہی کو دنیا پر حاکم بنانا اور ہر خود ساختہ قانون و دستور کو اکھاڑ پھینکنا ہے"۔

امیر تحریکِ طالبان پاکستان جناب حکیم اللہ محسود حفظہ اللہ فرماتے ہیں

غیروں کا آلۂ کار کون ہے؟

"ہم پاکستانی قوم کے فرزند ہیں، یہ قوم ہم سے ہے اور ہم اس قوم سے۔ ہمیں غیروں کا آلۂ کار کہنے والے یہ بتائیں کہ وزیرستان، سوات، مہمند، اورکزئی، درہ آدم خیل اور خیبر وغیرہ میں کون امریکی اشاروں پر آپریشن کرتا ہے؟ کس نے جامعہ حفصہ ولال مسجد کو غیروں کے اشاروں پر مسمار کیا؟ جب فوج امریکی اشاروں پر یہ سب کام کرتی ہے تو اسے 'ملکی مفاد' کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اگر ہم اللہ کے احکامات کی روشنی میں اپنی جان، مال اور عزت کا دفاع کریں اور علماءِ دین کے تحفظ میں اپنی جانوں کے نذرانے دیں تو یہ لوگ ہمیں غیروں کے آلۂ کار کا نام دیتے ہیں۔ افسوس ہے ایسی عقلوں پر"!

امیر حلقۂ محسود تحریکِ طالبان پاکستان مفتی ولی الرحمان حفظہ اللہ فرماتے ہیں

سب سے بڑا فتنہ کفر ہے

"دنیا میں سب سے بڑا فتنہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے: "اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے"۔ پس جب تک یہ کفر، کفریہ قوانین اور طاغوتی ادارے موجود ہیں، ہماری ان کے خلاف جنگ جاری رہے گی...... یہاں تک کہ فتنے کا قلع قمع ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔ یہ ہے وہ عظیم مقصد جس کے لیے ہم لڑ رہے ہیں"۔

امیر حزبِ اسلامی ترکستان شیخ عبد الشکور داملا حفظہ اللہ فرماتے ہیں

ملحد چین میں مسلمان عورت کی عفت تک محفوظ نہیں!

’’جب بات ضروریاتِ خمسہ یعنی دین، جان، عزت، عقل اور مال کے دفاع کی ہو تو اسلام ایسے دفاعی جہاد کو فرضِ عین قرار دیتا ہے۔ ایسے میں ہر مسلمان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان پانچوں امور کی حفاظت و دفاع کرے۔ ملحد چینی مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کی ان پانچوں ضروریات پر حملہ آور ہیں اور آج بھی علانیہ طور پر مشرقی ترکستان کی سڑکوں پر مسلمان عورتوں کے سروں سے نقاب نوچ لیتے ہیں۔ پس ہماری کارروائیاں اسی لیے ہیں کہ اللہ کے دین سے دشمنی لگانے والے ان ملحد چینیوں کا ہاتھ روکا جائے اور انہیں سبق سکھایا جائے‘‘۔

امیر جماعتِ اہلِ سنت برائے دعوت وجہاد (نائیجیریا) شیخ ابو بکر الشکوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں

ہماری دعوت کیا ہے؟

’’ہر خاص و عام جانتا ہے کہ اس ملک کا آئین کفریہ ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہاں مغربی نظامِ تعلیم کے تحت ایسے امور کی تعلیم دی جاتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام ٹھہرایا ہے۔ ہم نہ تو خود سے کسی پر کوئی چیز حرام ٹھہراتے ہیں اور نہ ہی کسی امر کو خود سے واجب قرار دیتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانا جائے۔ امن کی زندگی گزارنے اور سکون پانے کا یہی واحد راستہ ہے۔ اس کے سوا کسی بھی طرح سکون میسر نہیں آسکتا۔ یہ ہے ہماری دعوت، لیکن اس کی پاداش میں حکومت ہم پر مقدمات چلاتی ہے، ہمارے خلاف جنگ کرتی ہے اور ہمارے گھروں اور مساجد کو تباہ کرتی ہے۔ انہی مظالم کو دیکھتے ہوئے ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم ڈٹ کر لڑیں گے اور اپنی جانوں کا دفاع کریں گے‘‘۔

امیر امارتِ اسلامیہ قوقاز شیخ دوکو عمروف حفظہ اللہ فرماتے ہیں

مجاہدین خود کو رباط کی عظیم عبادت پر مضبوطی سے جمائے رکھیں!

’’اگرچہ ہمیں جنگلوں اور پہاڑوں میں موسم کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہاں اسلحہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے جس کے سبب ہم عزت سے جی سکتے ہیں اور اپنے دین پر عمل کرسکتے ہیں۔

پس یہ جنگل و پہاڑ ہمارا گھر ہیں جن میں رہنا اور جن کا دفاع کرنا ہم پر لازم ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو مجاہد بھی رباط کی نیت سے ان جنگلات میں صبر کرے گا تو چاہے اس کے حصے میں کارروائیاں بہت کم آئیں، تب بھی اس کا اجر و ثواب بہت عظیم ہے۔ کیوں؟ کیونکہ ساری دنیا کے مجاہدین در حقیقت اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے سر گرم ایک جماعت ہیں اور ایک جماعت کے تمام افراد مجموعی اجر و ثواب میں شریک ہوتے ہیں۔ مجاہدین چاہے عراق میں ہوں یا افغانستان میں، الجزائر میں ہوں یا شیشان میں، سب ایک جماعت کی طرح ہیں، اور جب تک کوئی مجاہد رباط کی زندگی پر قائم رہتا ہے تو وہ دنیا کے دوسرے کونے میں ہونے والی جہادی کارروائیوں کے اجر و ثواب میں سے بھی اپنا حصہ پاتا ہے۔ پس محض اپنے محاذ پر ہونے والی کارروائیوں پر ہی نگاہ نہ رکھیں اور خود کو رباط کی عظیم عبادت پر مضبوطی سے جمائے رکھیں"۔

انڈونیشیا کے بزرگ مجاہد عالمِ دین شیخ ابو بکر بشیر فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں

امن پانے کے لیے کفار کو لازماً اسلام کے تحت آنا پڑے گا

"اہلِ مغرب ضرور بالضرور شکست سے دوچار ہوں گے۔ میں یہ بات اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتا ہوں بلکہ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ کفار شکست خوردہ اور مسلمان فتح یاب ہوں گے، کیونکہ یہ ہمارے نبیء محترم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی دی ہوئی خبر ہے۔ لیکن اگر کفار اپنے خطوں میں اسلام کی دعوت کے سامنے رکاوٹ نہیں بنتے اور اسلام کے ماتحت رہنا قبول کر لیتے ہیں تو ہم ان سے لڑائی ختم کر دیں گے۔ اور اگر وہ ہماری دعوت قبول نہیں کرتے تو اس کا مطلب جنگ ہے۔ امن پانے کے لیے کفار کو لازماً اسلام کے تحت آنا پڑے گا"۔

مکتوباتِ امیر المؤمنین

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ حطین

کفر و اسلام کی جنگ میں اپنی جان بچا کر رکھنا منافقت کی علامت ہے

”پروردگار کا بندہ، سید الابرار ﷺ کے دین کا خادم، کل مسلمانوں کا خیر خواہ، امیر المؤمنین کے لقب سے پہچانا جانے والا یہ فقیر گزارش کرتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے یہ ایک عام اعلان ہے خواہ وہ بڑے علماء ہوں، خواہ غریب عوام، خواہ حاکم ہوں یا فقیر۔ محترم بھائیو! اس دنیا کے خالق نے انسانوں کی زندگی کا مقصد یہ متعین کیا ہے کہ وہ رب کی عبادت کریں اور سیدِ عرب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو جائیں، نہ کہ کھیل کود کریں اور ناچ و رنگ میں ڈوبے رہیں۔ اصل کمال تو خداوند ذوالجلال کی رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ شان و شوکت کے حصول کی کوشش، بڑے مراتب کا حصول، ہوا اور ہوس کی کثرت، مال و اسباب اور خزانوں کی وسعت وغیرہ۔ سعادتوں کی پونجی اور دونوں جہاں کا آرام اللہ تعالیٰ کے حضور میں جاہ و جلال کے درجے حاصل کرنا ہے نہ کہ ہم عصروں میں شان اور نام پیدا کرنا۔ عبادت گزار بندوں کا طریقہ یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں اور ہر وقت خالق کی رضاجوئی میں مصروف رہیں اور ہزار دل و جان کے ساتھ اپنے رب کی محبت کے متلاشی رہیں اور ہر محبوب کی محبت پر اس کی محبت کو ترجیح دیں اور ہر مطلوب سے بڑھ کر اس کی طلب رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (البقرۃ: 165)

”مگر اس سب کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس وحدہٗ لاشریک کا ہمسر ٹھہرا رکھا ہے وہ ان سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے“۔

لیکن یہ مرتبۂ اخلاص حاصل کرنا اور اس آیت کے تقاضوں پر کماحقہٗ عمل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے، البتہ جو خاص و عام بھی دینِ اسلام سے تعلق رکھتا ہو، اتنا بہر حال اس کے ذمے ہے کہ جس وقت نور و ظلمت میں جھگڑا ہو رہا ہو، کفر و اسلام میں مقابلہ جاری ہو، تو وہ ایمانی غیرت سے کام لے اور حمیتِ اسلامی پر چلے۔ جو کوئی ایسے حالات میں بھی اپنی جان حق کے لئے پیش نہ کر سکے اس نے بے شک منافقت کا انتہائی درجہ اختیار کر لیا۔ جس نے اس صورت میں بھی دین کی تائید نہ کی اس نے بلا شبہ رب العالمین کی مخالفت کا داغ اپنے فسادی ماتھے پر لگوا لیا۔ جو کوئی اس موقع پر بھی معرکے سے غائب رہا، یقیناً اس کا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (التوبۃ: 45)

”تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، تو اپنے شک کی حالت میں متردد ہو رہے ہیں“۔

(اقتباس از کتاب: ”سید احمد شہید اور ان کی تحریکِ مجاہدین“، از ڈاکٹر صادق حسین، ص: ۸۵۰، عنوان: اعلامِ عام از جانب امیر المؤمنین سید احمد صاحب)

جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت و تعاون کے چالیس طریقے

مرکز للدراسات الإسلامیۃ

(پانچویں قسط)

۱۷۔ جہادی ترانے پڑھنا:

حسنِ صوت، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کردہ خوش الحانی کو اپنا خاص فضل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭيٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾ (سبا:10)

"اور بلاشبہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے خاص فضل عطا کیا تھا اور (حکم کیا تھا کہ) اے پہاڑو! تم تسبیح و مناجات میں اس کا ساتھ دو اور اے پرندو! تم بھی"۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"قال كثير من العلماء أنه طرب لصوت داود. فإن الله تعالىٰ قد أعطاه من حسن الصوت ما فاق به غيره، وكان إذا رجّع التسبيح والتهليل والتحميد بذلك الصوت الرخيم الشجيّ المطرب، طرب كل من سمعه من الإنس والجن، حتى الطيور والجبال، وسبحت بحمد ربها"۔

”بہت سے علماء کے نزدیک یہاں (اللہ کے فضل سے) حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کا حسن و نغمگی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی حسین آواز عطا کی تھی کہ حسنِ صوت میں آپ سے فائق کوئی نہ تھا۔ جب آپ اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کو اپنی حسین، باریک، رقت آمیز، سریلی آواز میں ترنم کے ساتھ دہراتے تو سب سننے والے جن وانس، حتی کہ چرند پرند اور پہاڑ تک جھوم اٹھتے اور (آپ کے ساتھ مل کر) اللہ کی حمد و تسبیح بیان کرنے لگتے“۔[1]

پس دیگر نعمتوں کی طرح اس نعمت کی بھی قدر دانی کرنا اور اس کی شکر گزاری کا حق ادا کرنا ایک بندۂ مومن کا شیوہ ہونا چاہیے۔ جہاں اس شکر گزاری کا یہ تقاضا ہے کہ زبان کو فضول، لایعنی نغموں اور فحش گانوں سے محفوظ رکھا جائے، قرآن کو تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے، حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یادِ الٰہی اور فکرِ آخرت کے مضامین پر مشتمل نظمیں خوش الحانی کے ساتھ ادا کی جائیں......... وہیں یہ بھی شکر گزاری میں شامل ہے کہ فریضۂ جہاد پر ابھارنے والے اشعار کو اپنی عمدہ آواز سے مزیّن کیا جائے اور دلکش و پر اثر انداز میں جہادی ترانے پڑھ کر مومنین کے جذبات کو گرمایا جائے۔ اہلِ ایمان کو جہاد پر ابھارنے کے لیے ترانے پڑھنے کی فضیلت بخاری شریف میں مذکور ایک واقعے سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ حضرت سلمہ بن الاکوَع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ خیبر کے لیے نکلے، تو لشکر میں سے ایک فرد نے حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے .... جو حضرت سلمہ بن الاکوع کے چچا تھے......... کہا:

ألا تُسمِعُنا من هُنَيهاتِک؟

کیا تم ہمیں اپنے رجزیہ اشعار میں سے کچھ نہ سناؤ گے؟

---

[1] تیسیر الکریم الرحمان في تفسیر الکلام المنان؛ سبا : ۱۰

حضرت عامر رضی اللہ عنہ شاعر تھے۔ وہ (یہ فرمائش سن کر) سواری سے اتر آئے اور (اونٹ کی مہار پکڑ کر) یہ اشعار ترنم سے پڑھنے لگے:

اللّٰهم لو لا أنت ما اهْتدينا .... ولا تَصدَّقنا ولا صلَّينا

فاغفِر فِداءٌ لک ما اقْتَفَينا .... و ثبِّت الأقدام إن لاقينا

و ألقِيَنْ سَكِيْنةً علَينا .... إنا إذا صِيْحَ بِنا أتَينا

و بالصِّيَاح عَوَّلُوا عَلَينا

یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

من هذا السائق؟

یہ اونٹوں کو چلانے والا (حدی خواں) کون ہے؟

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: یہ عامر بن الاکوعؓ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يرحمه الله!

اللہ اس پر رحمت فرمائے!

یہ دعا سن کر لشکر میں سے ایک شخص بول اٹھا (دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے):

وجبَتْ يا نبيَّ الله! لو لا أمتَعتَنا به!

اے اللہ کے نبیؐ! اب تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی! کاش آپ ہمیں کچھ مزید عرصہ ان سے مستفید ہونے دیتے۔

(دراصل صحابہؓ یہ راز جانتے تھے کہ جس شخص کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے موقع پر رحمت ومغفرت کی دعا کر دیں، وہ ضرور شہید ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی یہ دعا نہ دیتے

تاکہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شجاعت و دیگر اوصافِ محمودہ سے مزید کچھ عرصہ مستفید ہوا جاسکتا۔)[2]

راوی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد ہم نے خیبر پہنچ کر خیبر کا محاصرہ کر لیا۔ پھر کچھ دیگر تفصیلات ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جب صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار ذرا چھوٹی تھی، جسے پکڑ کر آپ نے ایک یہودی کو مارنا چاہا۔

(یہ یہودی، سردارِ یہود "مرحب" تھا۔ وہ اپنی تلوار گھماتا، یہ شعر پڑھتا میدان میں نکلا:

قد علمت خيبر أني مرحب .... شاكي السلاح بطل مجرب

پورا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں

ہتھیاروں کا پالا ہوا، جنگوں کا آزمایا ہوا

تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ جواباً یہ شعر پڑھتے اس کے مقابلے پر نکل آئے:

قد علمت خيبر أني عامر......... شاكي السلاح بطل مغامر

پورا خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں

ہتھیاروں کا پالا ہوا، خطرات میں کود پڑنے والا

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کئے مگر وار خطا گئے۔ مرحب کا وار حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سے روکا اور اس کی تلوار آپ کی ڈھال میں پھنس گئی۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے نیچے ہو کر مرحب پر وار کرنا چاہا۔)[3]

(آپؓ نے وار کیا تو وار خطا گیا اور) آپؓ کی تلوار کا اگلا حصہ لوٹ کر واپس آیا اور آپؓ کے اپنے ہی گھٹنے پر لگا (جس سے آپ کی شہ رگ کٹ گئی) اور آپؓ شہید ہو گئے۔ حضرت

---

[2] ملخص ما في فتح الباري و عمدة القاري

[3] فتح الباري

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب لشکر واپس لوٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی تو پوچھا کہ:

مَا لَکَ؟

تجھے کیا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عامرؓ کے سب اعمال ضائع ہو گئے ہیں (اور وہ شہید نہیں ہیں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

من قاله؟

کس نے یہ بات کہی ہے؟

میں نے عرض کیا: فلاں، فلاں اور اسید بن حضیر الانصاریؓ نے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كذب من قاله! إن له لأجرين، و جمع بين إصبعيه، إنه لجاهد مجاهد، قلّ عربيّ نشأ بها مثلَه۔

جس نے بھی کہا، جھوٹ کہا! اس کے لیے تو دوہرا اجر ہے......... اور یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر لیں، اور مزید فرمایا......... وہ تو (محض مجاہد ہی نہیں) بہت جدوجہد کرنے والا مجاہد تھا۔ عرب میں کم ہی کوئی شخص اس کے مثل پیدا ہوا ہے"۔[۴]

علامہ ابنِ بطال رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"و أما قوله عليه السلام: ((إن له لأجرين، إنه لجاهد مجاهد)) .... فيحتمل معنيين، والله أعلم، أحدهما: أن يكون لما أصاب نفسه وقتلها في سبيل الله تفضل الله عليه بأن ضاعف أجره مرتين۔ ويحتمل أن

---

[۴] بخاري؛ كتاب الأدب: باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه

يكون أحد الأجرين لموته في سبيل الله والأجر الثاني لما يحدو به القوم من شعره، ويدعو الله في ثباتهم عند لقاء عدوهم، ولتحريضه المسلمين وتقوية نفوسهم، وقد روي نحو هذا المعنى عن النبيﷺ"۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ((اس کے لیے تو دوہرا اجر ہے، وہ تو بہت جدوجہد کرنے والا مجاہد تھا)) کے دو معنی ہو سکتے ہیں، واللہ اعلم۔ ایک معنی تو یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ عامر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہی ہاتھوں زخم لگا اور ان کے اپنے ہاتھوں سے اللہ کی راہ میں ان کی جان گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی فضل فرماتے ہوئے ان کا اجر دوگنا کر دیا۔ جب کہ اسی فرمانِ مبارک کا دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اجر تو آپ کو اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سبب ملا اور دوسرا اجر اس بات پر ملا کہ آپ اپنے اشعار مسلمانوں کو ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور دشمن سے سامنے کے وقت ان کی ثابت قدمی کے لیے دعائیں کرتے تھے اور مسلمانوں کو جہاد پر ابھارتے اور ان کے حوصلے مضبوط کیا کرتے تھے؛ اور بعض روایات میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تقریباً یہی معنی منقول ہیں"۔[5]

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جنگ کے موقع پر اہلِ ایمان کے جذبات کو گرمانے کے لیے جہادی ترانے پڑھنا اور ترانے پڑھنے کی فرمائش کرنا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے۔ بلکہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ابنِ اسحاق کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو کسی اور نے نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجزیہ اشعار پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ گویا اس سارے عمل پر نبی ء اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ تصدیق بھی ثبت ہے۔ پھر مذکورہ بالا حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ قتال میں شرکت کے ساتھ ساتھ ترانے پڑھ کر دیگر اہلِ ایمان کو بھی جہاد پر ابھارنے والے کے لیے دوہرا اجر ہے اور وہ عام مجاہدین سے مقام و مرتبے میں آگے نکل جاتا ہے .... کیونکہ وہ محض مجاہد ہی نہیں "جاهدٌ

---

[5] شرح صحيح البخاري لإبن بطال؛ كتاب الأدب: باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه

مجاھد"ہوتا ہے! پس اس مبارک عمل کو اخلاصِ نیت کے ساتھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے عظیم اجر وثواب کی توقع ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ ایک حُدی خواں تھے۔ 'حُدی' (حُداء) اس مخصوص ترانے کو کہتے ہیں جو عرب ایک خاص انداز میں پڑھا کرتے تھے، جسے سن کر اونٹ تیز چلنے لگتے تھے۔ لیکن علماء نے 'حدی' کہنے کے جواز کو محض اسی تک محدود نہیں رکھا بلکہ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ صراحتاً لکھتے ہیں کہ:

"و نقل ابن عبد البر الإتفاق على إباحة الحداء، .... و يلتحق بالحداء هنا الحجيج المشتمل على التشوّق إلى الحج بذكر الكعبة وغيرها من المشاهد، ونظيره ما يحرض أهل الجهاد على القتال، ومنه غناء المرأة لتسكين الولد في المهد"۔

"علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے حدی کے جواز پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے............اور حدی ہی کے حکم میں شامل ہیں حج سے متعلقہ وہ نظمیں جن میں کعبہ و دیگر مقدس مقامات کا تذکرہ کر کے حج کا شوق دلایا جاتا ہے، نیز وہ ترانے جو اہلِ جہاد کو قتال پر ابھارتے ہیں اور وہ عبارتیں جو عورتیں جھولے میں موجود بچوں کو چپ کرانے کے لیے پڑھتی ہیں"۔[۶]

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ جہاد و قتال کے مواقع پر ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنے کا تنہا یہ ایک واقعہ نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجر و انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ کے ارد گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی کمروں پر مٹی اٹھا اٹھا کر نکال رہے تھے......... تو ساتھ ساتھ یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے کہ:

نحن الذين بايعوا محمدًا .... على الجهاد ما بقينا أبدًا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی بیعت کی ہے

---

[۶] فتح الباري؛ كتاب الأدب: باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه

کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواباً یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

اللّٰهم إنه لا خير إلا خير الآخرة .... فبارک في الأنصار والمهاجرة "[۷]

اے اللہ! خیر و بھلائی تو بس آخرت کی خیر و بھلائی ہے

پس تو انصار و مہاجرین میں خیر و برکت ڈال دے

جب کہ مسلم شریف کی روایت میں حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احزاب کے دن ہمارے ساتھ مل کر مٹی ڈھو رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطنِ مبارک کی سفیدی مٹی سے چھپ گئی تھی اور آپ ﷺ (یہ اشعار) کہتے جاتے تھے:

والله لو لا أنت ما اهتدينا......... ولا تصدقنا ولا صلينا

فأنزلن سكينة علينا.........إن الأُلى قد بغوا علينا

إذا أرادوا فتنة أبينا

اللہ کی قسم! اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے

اور نہ تو صدقے دیتے، نہ ہی نمازیں پڑھتے

پس اب تو ہی اپنی رحمت سے ہم پر سکینت بھی اتار

یقیناً جن لوگوں نے ہمارے (دین کے) مقابلے میں سرکشی کی

جب انہوں نے ہمیں (کفر کے) فتنے کی طرف دھکیلنا چاہا تو ہم نے انکار کر دیا

اور آخری مصرعے پر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آواز بلند فرما لیتے تھے"۔[۸]

---

[۷] بخاري؛ كتاب الجهاد والسير، باب حفر الخندق

[۸] مسلم؛ كتاب الجهاد والسير ، باب غزوة الأحزاب و هي الخندق

جب کہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری مصرعے پر پہنچ کر اپنی آواز کو کھینچتے تھے"۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ: " آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری لفظ کو دہرایا کرتے تھے"۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد وقتال کے مواقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین مل کر بھی ترنم کے ساتھ اشعار پڑھتے تھے، بلکہ بعض مواقع پر خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار کو رجزیہ انداز سے پڑھا۔

ایسے مواقع پر ترانے پڑھنے سے جہاں قتال وشہادت کے جذبات تازہ ہوتے ہیں، وہیں اس کا ایک اور فائدہ بھی ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قوله: ((نحن الذين بايعوا محمدًا...)) كانوا يرتجزون بها عند حفر الخندق، كما يدندن أحدكم عند الشغل في عمل لئلا يسأم منه، فإن الإنسان إذا اشتغل في مشقة وجعل نفسه في زمزمة لا يتعب، لأنه بشغله في زمزمته لا يحس ما يلحقه من التعب في عمله"۔

"صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خندق کھودتے ہوئے ((نحن الذين بايعوا محمدًا ...)) کے الفاظ رجزیہ انداز میں دہراتے جاتے تھے، جیسے آپ میں سے کوئی شخص کسی کام میں منہمک ہو تو گنگناتا ہے تاکہ کام سے اکتا نے نہ پائے۔ انسان اگر کسی مشقت والے کام میں مصروف ہو اور ساتھ کوئی ترانہ پڑھتا جائے تو تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا، کیونکہ ذہن کا ترانے کی طرف متوجہ ہونا اسے تھکن کا احساس نہیں ہونے دیتا"۔[۹]

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ جہاد میں بہت سے کام ایسے پیش آتے ہیں جو محنت، مشقت اور سخت جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ ان مشقت کے کاموں کے دوران ترانوں کا پڑھنا، سننا تھکاوٹ کو کم کرنے اور مشقت کا احساس زائل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہماری بھلائی کا حریص کوئی نہ تھا اور بلاشبہ آپؐ کے مبارک اسوہ میں ہمارے ہر دکھ کا مداوا اور ہماری ہر چھوٹی بڑی تکلیف کا علاج موجود ہے۔ صلى الله عليه و على آله ألف تحية وسلام!

---

[۹] فيض الباري؛ كتاب الجهاد والسير، باب حفر الخندق

اس نکتے کو سمیٹتے ہوئے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ ہر وہ مسلمان جسے اللہ نے حسنِ صوت سے نوازا ہے اسے چاہیے کہ وہ جہاد پر ابھارنے والے عمدہ و با مقصد اشعار کا انتخاب کر کے انہیں پورے اہتمام سے بہترین ممکن انداز سے پڑھنے کی سعی کرے۔ پھر ان ترانوں کو ریکارڈ کر کے مجاہدین تک پہنچانے کی کوشش کرے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو آڈیو کیسٹوں اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے انہیں عوام المسلمین میں نشر کرے۔ البتہ اس سارے عمل کے دوران موسیقی کے استعمال سے مکمل اجتناب کرے۔ نہ صرف ترانے بغیر موسیقی کے نشر کرے، بلکہ ترانوں کی تیاری کے مرحلے میں بھی محض ترنم بر قرار رکھنے کے لیے کسی آلۂ موسیقی سے مدد نہ لے اور نہ ہی اپنے ترانوں کو گانوں کی طرز پر پڑھے۔ یاد رکھیے! شریعت کی سربلندی، اتباعِ شریعت ہی سے ممکن ہے۔ خلافِ شرع کاموں سے اللہ کا کلمہ کبھی سربلند نہیں ہو سکتا!

نیز یہاں اس امر کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ ایک بندۂ مومن پر ترانے سننے پڑھنے کا شوق اتنا غالب بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی زبان پر اللہ کے ذکر کی بجائے ترانوں کے بول جاری ہوں، تلاوتِ قرآن کی نسبت ترانے سننا اسے زیادہ محبوب ہو، سارا وقت کمرہ ترانوں سے گونجتا رہتا ہو اور ہر وقت کان میں 'ہیڈ فون' لگے ہوئے ہوں۔ بلاشبہ ترانوں میں اس قدر انہماک و استغراق کا رویہ بھی لائقِ اصلاح ہے۔ مومن پر سب سے زیادہ غالب تو بہر حال قرآن سننے پڑھنے کا ذوق ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ مفید دینی دروس، علمائے کرام کے خطبات اور قائدینِ جہاد کے بیانات سننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اس سب کے ساتھ ساتھ اگر ترانے بھی سن لیے جائیں تو ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں، بلکہ شاید یہی توازن مطلوب ہے، واللہ اعلم بالصواب!

وطنیت کا 'گلوبل بت'

مولانا عاصم عمر دامت برکاتہم

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

علامہ اقبال نے صحیح کہا تھا کہ تازہ بتوں میں سب سے بڑا بت وطنیت کا ہے۔ بلکہ آج دنیا کا سب سے بڑا بت اور سب سے زیادہ پوجا جانے والا بت یہی ہے۔ اسی لیے اس کو "گلوبل بت" کہا جائے تو بہتر ہو گا، کیونکہ اس سے پہلے دنیا میں جتنے بھی بت تھے ان کو صرف وہی بت پرست پوجتے تھے جو اس کے ماننے والے ہوتے تھے، لیکن وطنیت کے اس بت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسے صرف بت پرست ہی نہیں پوجتے بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے اس کی پوجا کرتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس پر اپنی جوان اولادوں کی بَلّی (قربانی) چڑھاتے ہیں۔

اس جدید بت کا عشق دیکھیے کہ اس نے ان کو بھی اپنا پجاری بنالیا جو زبان سے لا الہٰ پڑھتے ہیں۔ جی ہاں! صرف ہندو، عیسائی اور بودھ ہی اس کی پوجا نہیں کرتے بلکہ اس کو مقدس ماننے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو محمد ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ حیران ہوئیے اور ہوتے جائیے کہ صرف جاہل اور دین سے بے بہرہ ہی اس کے پجاری نہیں بلکہ دین کا پہاڑ جیسا علم رکھنے والے، چہروں پر داڑھیاں سجائے بعض حضرات بھی اس بت کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔ ان کی شریعت نے اس بت کی

اطاعت کو فرض اور اس سے بغاوت کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جو اس بت کی شریعت (آئین) کو نہ مانے وہ ملت سے خارج اور جو اس کے سامنے سر جھکا دے پھر اس کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا، خواہ وہ کفر کرتا اور بکتا رہے۔

ان کے دلوں میں اس بت کی تعظیم اس درجہ ہے کہ اس کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو باغی کہہ کر بموں اور ٹینکوں سے تہس نہس کرنے کے فتوے دیئے جاتے ہیں، اس کے آگے سجدہ نہ کرنے والوں کے لیے دنیا بھر میں نمرود کے آتش کدے تعمیر کیے گئے ہیں، جہاں ان باغیوں کے لیے آتشِ نمرود آج بھی اسی طرح بھڑک رہی ہے جیسے ان سے پہلے بتوں سے بغاوت کرنے والوں کے لیے بھڑکائی گئی تھی۔ اگر کچھ لوگ اس بت کو چھوڑ کر صرف اللہ کی حاکمیت کا مطالبہ کریں تو ان کو سوات بنانے کے لیے اس بت کی محافظ مسلح افواج فوراً حرکت میں آتی ہیں۔

آج کی دنیا میں جو چاہے نمازیں پڑھے، حج کرے، روزے رکھے، درس و تدریس کرے، بڑے بڑے اجتماعات کرے، ہر چیز کی آزادی ہے۔ لیکن ہر شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بت کی شریعت پر ایمان لائے۔ اگر کسی نے اس کا انکار کر دیا اور صرف اللہ کے نظام کا نعرہ لگایا تو ان کو نماز بھی نہیں پڑھنے دی جائے گی، نہ ان کے مدارس کو بخشا جائے گا، نہ وہ اجتماع کر سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں اس "دھرتی ماتا" پر جینے کا حق ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (زمر:45)

"اور جب صرف اللہ کا بیان کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل بھنچے چلے جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اللہ کے غیر کی بھی بات ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں"۔

آخر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس خدا (یعنی وطن) کا انکار کرے جس کو ان کے آباء واجداد پوجتے چلے آئے ہیں؟!

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ...﴾ (ھود: 87)

"کہنے لگے، اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم کرتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجتے چلے آئے ہیں"۔

نبی ﷺ اور وطنیت

وطنیت کے بت کی محبت ابلیسی دماغوں نے دانستہ طور پر مسلمانوں کے ذہن میں داخل کی اور حق وباطل کو گڈ مڈ کرتے ہوئے دلیل مدینہ منورہ کی دی۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا دفاع کیا اور مدینہ منورہ کے فضائل بیان فرمائے، اسی طرح یہودی مکاروں نے مسلمانوں کے سامنے ہر وطن کو مدینہ منورہ ثابت کرنے کی کوشش کی، اگرچہ وہ وطن کفر کا مرکز، اللہ کے دشمنوں کی پناہ گاہ اور بے دینی کا گڑھ ہو۔ یہ صریح دھوکہ اور ایمان کی اساس کے خلاف نظریہ ہے۔

اگر لوگ ذرا بھی اس بات میں غور کرتے کہ آپ ﷺ کا اصل وطن تو مکہ مکرمہ تھا، لیکن جب وطن کا مقابلہ اسلام کے ساتھ ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن کے مقابلے اسلام کو ترجیح دی۔ وطن چھوڑ دیا، اہل وطن سے اعلانِ جنگ کیا اور اسلام اور اہل اسلام کو اپنا بنالیا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ تھا، جو ساری دنیا کا مرکز تھا، اس کے باوجود اس وطن میں رہنے کو کفر کہا گیا۔ جس نے بلا عذر مکہ نہیں چھوڑا اس کے کلمہ پڑھنے کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس کا وہی حکم بتایا گیا جو کافروں کا تھا۔

محبت کی بنیاد؛ کلمہ طیبہ یا وطنیت؟

لوگوں میں یہ حدیث مشہور ہے کہ "حب الوطن من الإيمان"۔ یہ سراسر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔[1]

مسلمانوں کے تعلقات کی بنیاد کلمہ پر ہے نہ کہ وطن پر۔ جب کہ وطن کے بت کا حکم یہ ہے کہ محبت و نفرت، دوستی و دشمنی اور داخلہ و خارجہ پالیسی کی بنیاد اسی بت کے مفادات کو سامنے رکھ کر ہونی چاہیے۔ اسلام میں وطن پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ تمام مسلمان ایک ملت ہیں۔ وطن صرف ایک پہچان ہے، جس طرح قبیلہ اور نام محض پہچان کے لیے ہوتے ہیں۔ ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] جیسا کہ علامہ سیوطی، علامہ صاغانی، علامہ زرکشی اور شیخ البانی وغیرہم نے اپنی تصنیفات میں صراحت سے لکھا ہے۔

"تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى"

"تم مومنوں کو باہمی رحمت، باہمی محبت اور باہمی غم خواری میں اس طرح پاؤ گے گویا (وہ) ایک جسم ہوں، جب (جسم کے) کسی ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم ہی بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔[۲]

لیکن افسوس کہ امتِ مسلمہ کے جسد میں وطنیت کے زہریلے اثرات سرایت کر جانے کے سبب آج یہ جسد بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ چکا ہے اور اسی لیے اب اس کی حیثیت بس ایک کٹے پھٹے بے جان لاشے کی سی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور وطنیت کا بت

تمام انبیاء کی تاریخ شاہد ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کو رد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ دیکھیے کہ ایک طرف وطن ہے اور دوسری جانب اللہ کا دین۔ انھوں نے "سب سے پہلے وطن" کا نعرہ نہیں لگایا بلکہ دین کو مقدم رکھا اور وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ سب سے پہلے اسلام ہے! اس کے علاوہ دنیا کا ہر رشتہ اسی بنیاد پر استوار ہو گا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کا اسوہ

سیدنا نوح علیہ السلام کو وطن چھوڑ کر کشتی میں بیٹھنے کا حکم ہوا اور یہ دعا سکھلائی گئی:

﴿...فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ • وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ﴾ (المؤمنون: 28, 29)

"تو آپ کہیے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ اور کہیے: اے ہمارے رب! ہمیں برکت والی جگہ اتاریے اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں"۔

یہ سیدنا نوح علیہ السلام ہی ہیں جو کافر اہلِ وطن کو بد دعا دے رہے ہیں:

---

[۲] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ (نوح: [26])

’’اے میرے رب! زمین پر کسی کافر کا کوئی گھر بھی باقی نہ چھوڑ‘‘۔

وطنِ عزیز کے باشندوں نے جب اللہ کے حکم کو ماننے سے انکار کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان کے لیے بد دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان فرما دیا:

﴿وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ﴾ (هود: [37])

’’اے نوح! آپ ان ظالموں (جنھوں نے میرے مقابلے میں دوسرے بتوں کو رب بنایا ہے) کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجیے، بے شک ان کو غرق کر دیا جائے گا‘‘۔

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا:

﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ (هود: [45])

’’اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار میرا فرزند میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ (اہل کو بچانے کا) برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

﴿قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ......﴾ (هود: [46])

’’فرمایا: نوح وہ تیرے اہل سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے......‘‘۔

گویا ایمان و کفر کی بنیاد پر اہلِ وطن سے ہی نہیں، اپنی سگی اولاد سے رشتہ بھی منقطع ہو گیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ

وطن کے بت کے پجاریوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ بھی اٹھا کر دیکھنی چاہیے جنھوں نے اہلِ وطن کے تمام خداؤں سے بغاوت کی اور ان سب کی وہ درگت بنائی جس کو نہ بت پرست بھول سکے ہیں اور نہ ہی بت شکنوں نے اس سنت کو بھلایا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اہلِ وطن کو دعوت دی کہ بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ زبانی دعوت سے یہ قوم سمجھنے والی نہیں تو کلہاڑی لے کر ’’وطنِ عزیز‘‘ کے ’’خداؤں‘‘ کو توڑ ڈالا۔ پھر کیا تھا، بتوں کے عاشق آگ بگولہ ہو گئے، ہر طرف

انتقام انتقام کی آوازیں گونجنے لگیں، قوم کا باغی، وطن کا باغی، آئینِ وطن اور آباء واجداد کے دین کا باغی! وطن عزیز میں افراتفری مچ گئی، کون ہے جس نے ہمارے خداؤں کی شان میں گستاخی کی ہے؟ آزر نے کہا:

﴿قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ (مریم: 46)

''کہا، اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے بے زار ہے؟ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تُو زندگی بھر کے لیے مجھ سے دور ہو جا''۔

عقل سے عاری اور فہم سے دور ان پجاریوں کے پاس دلیل تو کوئی تھی نہیں کہ ''بت شکن'' کا مقابلہ کرتے، سو دھمکیوں پر اتر آئے۔ یوں بھی دلیل کا جواب طاقت سے دینا طاغوت کے پجاریوں کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے اور آج تک چلا آرہا ہے، وہ سارے مل کر کہنے لگے:

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾ (الأنبياء: 68)

''وہ بولے: اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو ابراہیم کو جلا ڈالو اور (اس طرح) اپنے معبودوں کی امداد کرو''۔

ایک طرف یہ سولہ سالہ [3] تن تنہا بت شکن، اور دوسری جانب ساری قوم متحد، 'قومی یک جہتی'، 'متفقہ موَقف'، 'قومی ہم آہنگی'........ اپنے تراشے ہوئے نظام، خواہشات پر مبنی رسومات اور وطن کے مسلک و شریعت کی آن بچانے کے لیے تمام اہل وطن ایک ہو گئے۔ لیکن کیا غیر اللہ کا انکار کرنے والے، طاغوت سے بغاوت کرنے والے اور وطن کے پجاریوں کے ہاتھوں سے تراشے گئے بتوں کو چورا چورا کرنے والوں کو ان کی آگ جلا پائی؟ اتنا بڑا الاؤ اس لیے دہکایا گیا کہ آئندہ کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ بتوں کی شان میں گستاخی کرے، لیکن جب ابراہیم علیہ السلام نے ٹھان لی کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو تیار ہیں مگر بت شکنی کی سنت چھوڑنے پر نہیں تیار تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا اور باعثِ سلامتی کر دیا۔

---

[3] کما رواه الإمام ابن كثير والعلامة آلوسي رحمهما الله۔

سیدنالوط علیہ السلام کا اسوہ

سیدنالوط علیہ السلام نے بھی اپنے وطن والوں کو سمجھایا کہ جن غلاظتوں میں تم پڑے ہوئے ہو، جسے تمہاری جاہلی تہذیب نے فیشن اور تفریح (Entertainment) کا نام دیا ہے، اس سے باز آجاؤ، آرٹ و ثقافت کے نام پر تم اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہو، ان ناپاک کاموں سے رک جاؤ، لیکن اہل وطن تھے کہ گناہوں میں مست۔ ان کے وطن کا منشور، مسلک و قانون انھی سفلی خواہشات پر مبنی طرزِ زندگی تھا، انھیں بھلا کہاں کسی کی روک ٹوک اچھی لگتی تھی۔ وہ اپنی "ذاتی زندگی" میں مخل ہونے والے کو برداشت نہ کرسکے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام وعظ و نصیحت سے باز نہ آئے تو سفلی خواہشات کے غلاموں نے آپ کو اسی انداز سے مخاطب کیا جیسے آج کے شہوت پرست انبیاء کے وارثوں کو مخاطب کرتے ہیں: اس ملک میں تم رہو گے یا ہم! یہ ملک اس عوام کا ہے نہ کہ چند "جنونی ملاؤں" کا! یہ کون ہوتے ہیں اپنی رائے کو دوسروں پر تھوپنے والے؟ ان کو کس نے یہ حق دیا کہ عورتوں کو گھروں میں قید کردیں؟ کسی کو ملکی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی!...... خواہشات کی تکمیل ہی جن لوگوں کی شریعت ہو انھیں ایسا دین کیونکر اچھا لگتا جو ان کی شیطانیت کو لگام ڈالے اور شرافت و پاکدامنی کی طرف بلائے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی قوم نے ملک بدر کرنے کی دھمکی دی:

﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾ (الأعراف: 82)

"ان کا بس یہی جواب تھا، کہنے لگے: ان (کے ماننے والوں) کو اپنے ملک سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں"۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم فرمایا کہ ایسے وطن کو چھوڑ جائیے جہاں اللہ کی نافرمانیاں سرِ عام کی جاتی ہوں، اللہ کے قانون سے بغاوت جن کا پیشہ ہو، ایسے اہل وطن کی پروانہ کیجیے جنھوں نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا معبود بنالیا، جو اپنی رنگین دنیا میں مست ہیں، جن کو ٹوکا ٹاکی اچھی نہیں لگتی۔ ان کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی ان کو فحاشی اور عریانی سے روکے، ان کے قحبہ خانوں، نائٹ کلبوں، رقص و موسیقی کی محفلوں پر پابندی کی بات کرے، کوئی ان کے سودی کاروبار میں مداخلت کرے یا

طاغوت کے قانون سے فیصلہ کرتی عدالتوں کے خلاف ایک لفظ بھی کہے۔ یہ مست ہو چکے، سو آپ یہاں سے ہجرت کر جایئے۔ ہم ان کو بھی اور ان کے وطن عزیز کو اس طرح تباہ و برباد کر دیں گے کہ رہتی دنیا تک یہ ذلت کا نشان بنا دیئے جائیں گے۔ اور آپ وطن چھوڑتے وقت پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھیے گا، ہمارے حکم کے مقابلے ایسے ہزار وطن بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بے شک آپ ہمارے نبی ہیں، آپ یہاں رہے، اس کی گلیوں میں پلے بڑھے، لیکن یہ سب ایک طرف، ان اہلِ وطن نے ہمارے احکامات کا مذاق اڑایا ہے، سو اس سرزمین کو ہم پلٹ کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہوا:

﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ. وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ﴾

(الحجر: 65-66)

"لہٰذا آپ نکل جائیں (یہاں سے) جب رات کا کچھ حصہ باقی ہو، اپنے تعلق داروں کو ساتھ لے کر، اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلیں، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے اور چل نکلو تم سب جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور ہم نے لوط کو یہ بات قطعی طور پر واضح کر دی تھی کہ یقیناً جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی ان (بدبخت لوگوں) کی صبح ہوتے ہی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسوہ

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پلے بڑھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فرعون کے پاس جایئے اس نے بڑی سرکشی کر رکھی ہے، تو آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کو مانا اور فرعون کو جا کر للکارا۔ نبوت ملنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جتنا عرصہ مصر میں رہے فرعون کو للکارتے رہے، نہ قومی ہم آہنگی کی بات کی نہ وطنی مفادات کی خاطر حق کو چھوڑا۔ بالآخر حضرت موسی علیہ السلام کو اپنا دین بچانے کے لیے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ آپ نے جب فرعون کی جھوٹی خدائی کا انکار کر کے اللہ کے رب ہونے کا اعلان کیا تو وہ کہنے لگا:

﴿قَالَ أَلَمۡ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثۡتَ فِينَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِينَ﴾ (الشعراء: 18)

''کیا ہم نے تجھے بچپن میں پالا نہیں اور تو نے اپنی عمر کے کتنے ہی سال ہمارے درمیان نہیں گزارے''۔

گویا فرعون نے آپ پر اپنا احسان جتلانا چاہا اور آپ کو وہ ایام بھی یاد دلائے جو آپ نے اس سر زمین پر گزارے تھے۔ مگر جب دین کا معاملہ آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس مٹی سے اپنا تعلق پسِ پشت ڈال کر بنی اسرائیل کے اہلِ ایمان سمیت وہاں سے ہجرت کرلی اور دین کو ترجیح دی۔

اصحابِ کہف کا اسوہ

اصحاب کہف کا واقعہ ہم جیسے آرام پسندوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ان شہزادوں نے بتوں کے مذہب سے بغاوت کی اور عیش وآرام کی زندگی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب سوال یہ تھا کہ جائیں تو جائیں کہاں؟ ان کے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن انھوں نے اس کو عذر نہیں بنایا کہ ہجرت کہاں کریں، یہاں سے کہاں جائیں، ہمیں تو یہیں رہنا ہے اور اسی دیس کا بھیس اختیار کرنا ہے۔ نہیں! بلکہ انھوں نے اللہ سے دعا کی:

﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحۡمَةً وَهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ أَمۡرِنَا رَشَدًا﴾ (الکھف: 10)

''اے ہمارے رب! ہمیں خاص اپنی جانب سے رحمت عطا فرمایئے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں رہنمائی کا بندوبست فرما دیجیے''۔

جو لوگ اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں وہ اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ اندیشوں، واہموں اور خوف وخطر سے گھبرا کر دین پر سودے بازی نہیں کرتے بلکہ ہر حال میں اپنا دین بچاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے رہنمائی طلب کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حبشہ ہجرت کرائی، صرف اس امید پر کہ وہاں کا حاکم عادل ہے۔ ورنہ اگر اندیشوں کو سامنے رکھتے تو سب سے پہلی بات تو یہ سامنے آتی کہ کہاں مکہ مکرمہ اور کہاں حبشہ (ایتھوپیا)!

وطنیت؛ کافروں کے نزدیک

اس کے برخلاف اللہ کے دشمنوں نے ہمیشہ 'وطنیت' کو اللہ والوں کے خلاف استعمال کیا ہے۔ کبھی لوگوں کو وطنیت پر ابھارا، حق والوں کی مخالفت پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور کبھی اللہ والوں کو اپنے ملک سے نکال دینے کی دھمکی دیتے رہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا﴾ (إبراهيم: 13)

"اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم ضرور تمہیں اپنے ملک سے نکال کر رہیں گے یا اپنی ملت (قومی دھارے) میں واپس لوٹا کر چھوڑیں گے"۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ کاروبار اسلامی طریقے پر کریں، ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں۔ ان کو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا﴾ (الأعراف: 88)

"ان کی قوم کے متکبر مقتدر حلقے کہنے لگے: اے شعیب! ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تم لوگ ہمارے دین میں واپس لوٹ جاؤ"۔

یعنی یہاں رہنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمارے وطن کے آئین کو مقدس مانو اور اس کے خلاف باتیں نہ کرو!

حضرت لوط علیہ السلام کو بھی یہی دھمکی دی گئی کہ اس وطنِ عزیز میں رہنا ہے تو خاموشی سے رہتے رہو، خدائی فوجدار بننے کی ضرورت نہیں ہے:

﴿قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (الحجر: 70)

"کہنے لگے کیا ہم نے تمہیں دنیا بھر (کے لوگوں کو مہمان بنانے) سے روکا نہیں تھا"۔

یہ وہی مطالبہ ہے جو آج افغانستان اور وزیرستان کے غیور مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے۔ پھر جب سارے منصوبے، دھمکیاں، لالچ ناکام ہو گئے تو آخر میں لوط علیہ السلام کی قوم کہنے لگی:

﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾ (الأعراف: 82)

"اور ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ کہنے لگے: ان کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں"۔

رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی کفار نے یہی حربہ استعمال کرنا چاہا:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (الأنفال: 30)

"اور جب آپ کے خلاف کافر سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو گرفتار کر لیں یا قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ سے) نکال دیں اور وہ بھی سازش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر فرما رہے تھے اور اللہ ہی بہتر تدبیر کرنے والے ہیں"۔

اہلِ عقل کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے کہ مکہ مکرمہ جیسا مقدس شہر جہاں بیت اللہ ہے، جو تمام مسلمانان عالم کا مرکز ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس شہر سے نہایت محبت تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم فرما دیا۔ آج کے علمائے سوء اور نام نہاد دانشور ہوتے تو اسلام کے مقابلے وطن کی اہمیت پر دلائل کے انبار لگا دیتے۔ مکہ میں رہ کر ہی پر امن دعوت کے نعرے لگاتے۔ پھر اسلام میں اگر وطن کی اہمیت دین سے زیادہ ہوتی تو فتح مکہ کے بعد جب کہ مکہ مکرمہ دار الاسلام بن چکا تھا، آپ ﷺ واپس مکہ آ کر ہی مستقل قیام فرما لیتے اور اسی کو دار الخلافہ قرار دیتے، لیکن یہاں بھی وطن کے مقابلے اسلام کی اہمیت سکھائی گئی۔ جو وطن ابتدائے اسلام میں اسلام کی پناہ گاہ بنا اب اسی کو دار الخلافہ قرار دیا گیا اور جس وطن والوں نے تکلیفیں دے کر وطن سے نکال دیا تھا وہاں واپس لوٹنا ناجائز قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد بھی کسی مہاجر کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ مکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد صرف تین دن مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی گئی۔

فتح مکہ کے موقع پر مدینہ والوں کو خدشہ ہوا کہ اب مکہ فتح ہو گیا تو کہیں آپ ﷺ یہیں نہ رہ جائیں اور ہم آپ ﷺ سے محروم ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے سب انصار صحابہ کو اکٹھا کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ "اگر سب لوگ ایک راستے پر جائیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں انصار کے راستے پر جاؤں گا"۔

پس انبیائے کرام علیہم السلام کے مبارک اسوے پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو اصول و ضوابط بنائے ہیں اور جو دین ہمیں دیا ہے اسی کی روشنی میں ہمیں اپنے عقائد، معاملات اور تعلقات استوار کرنے ہوں گے۔ ان اصول و ضوابط سے ہٹ کر وطن کی محبت کا کوئی تصور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اسلام کے مقابلے ان چیزوں کو دل میں بسائے رکھے تو وہ طاغوت کی پوجا کرتا ہے۔

ایک لطیف نکتہ

اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اصل دین اسلام ہے، وطن نہیں۔ اسلام کی وجہ سے وطن کا حکم بدلتا ہے، وطن کی وجہ سے اسلام کا حکم نہیں بدلتا۔ شریعت کے احکام اٹل ہیں۔ یعنی کسی ملک میں اگر شریعت کا قانون رائج و غالب ہو تو وہ ملک دارالاسلام ہے، اس کے مطابق اس کے احکام ہیں اور اگر اسی ملک میں کفر کا قانون رائج و غالب ہو جائے تو اب یہی ملک دارالحرب بن جائے گا، یہاں سے ہجرت واجب ہو گی۔ گویا شرعی حکم کا دارومدار کفر و اسلام پر ہے نہ کہ وطنی پیمانوں پر۔

خدا پرستوں اور وطن پرستوں کی جنگ آج بھی جاری ہے

تمام انبیاء کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انھوں نے کلمۂ حق کہنے میں کسی کی پروا نہیں کی، دین نے تقاضا کیا تو وطن سے بھی بغاوت کر دی اور اللہ کی حاکمیت کی جانب لوگوں کو دعوت دی۔ جن نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی اس لیے ہو کہ وہ اللہ کے احکامات کھول کھول کر لوگوں تک پہنچائیں وہ بھلا حق کو کس طرح چھپا سکتے تھے؟ کسی کو اچھا لگے یا برا، اہل اقتدار ناراض ہوں یا خوش وہ ہر حال میں اپنے رب کے حکم کو پورا کرتے ہیں۔ یہ سنت آج تک جاری ہے۔ اللہ والے وہی کرتے ہیں جو انھوں نے انبیاء سے سیکھا، اور خواہشات کو اپنا دین بنانے والے وہی کرتے ہیں جو انھوں نے

نمرود و شدّاد، ہامان و فرعون اور ابو جہل و عتبہ و شیبہ سے سیکھا۔ دونوں راستے بہت واضح اور جدا ہیں۔ ہر ایک اپنے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اس کو اچھا لگتا ہے۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے، اسی کے راستے کو اختیار کرتا ہے اور اسی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ والے اللہ کے راستے میں اپنا سب کچھ قربان کرتے ہیں اور وطن کے بت کے محافظ اپنے بت کے لیے اپنی جانوں کی بَلی چڑھا رہے ہیں۔

دل کے کانوں سے سن کر بتائیے کہ کون نمرود و شدّاد کے لہجے میں بات کرتا ہے؟ دین حق کے مقابلے وطن کے بت کو بچانے کے لیے کس نے ملک بھر میں آگ کے الاؤ دہکائے ہیں؟...... اور ایمانی بصیرت سے دیکھیے کہ جن کو اس الاؤ میں دس سال سے جھلسایا جا رہا ہے وہ کون ہیں؟ بتوں کے پجاری یا بت شکن؟ کلمہ پڑھنے کے باوجود خواہشات کو معبود بنانے والے یا نمرود و فرعون کے سامنے توحید کا نعرہ بلند کرنے والے؟ میڈیا کے دجل و فریب، افواہوں اور پروپیگنڈے پر نہ جائیے...... عمل و کردار دیکھیے، انداز گفتار، لہجہ اور چہرے پر رعونت دیکھیے...... شدّاد کون ہے؟ آخرت کی طرف دوڑنے والوں کو معاشی لالچ دے کر دنیا کی تنگیوں میں پھنسانے کے منصوبے کون بناتے ہیں؟

اسلام کو وطن پر ترجیح دیجیے!

وطن کے مقابلے اسلام کا اور اسلام کی خاطر جانیں قربان کرنے والوں کا ساتھ دینا ہر ایمان والے پر فرض ہے۔ جو کوئی بھی اسلام کے مقابلے اس بت کے لیے جنگ کرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ جہاد صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے یعنی نفاذ شریعت کے لیے ہو۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سوال کیا:

"یا رسول الله! ما القتال في سبيل الله فإن أحدنا يقاتل غضبا ويقاتل حمية فرفع إليه رأسه، فقال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله"۔

"اے اللہ کے رسول! اللہ کے راستے میں قتال کس کو کہتے ہیں؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصے میں آکر قتال کرتا ہے، اور کوئی کسی غیرت (مثلاً وطنی یا قومی غیرت) میں آکر قتال

کرتا ہے۔(یہ سن کر) آپ نے سر مبارک اس سائل کی جانب اٹھایا اور فرمایا: جس نے اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے قتال کیا تو وہی اللہ کے راستے میں قتال کرنے والا ہے"۔[4]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص محض وطنی حمیت و غیرت کے لیے قتال کرتا ہے تو وہ جہاد نہیں کہلائے گا۔ جہاد تو وہ ہے جو نفاذِ شریعت کے لیے کیا جائے! دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ومن قاتل تحت راية عمية يغضب لعصبة أو يدعوا إلى عصبة أو ينصر عصبة فقتل فقتلة جاهلية"۔

"جس نے ایسے جھنڈے کے تحت قتال کیا جس کا مقصد واضح نہ ہو اور کسی (وطنی، قومی، لسانی، یا خاندانی) عصبیت کی بنا پر غصہ ہوا، یا کسی تعصب کی طرف لوگوں کو بلایا اور کسی تعصب کی بنیاد پر مدد کی اور (اس دوران) قتل ہو گیا تو یہ جاہلیت کی موت مرا"۔[5]

جو کوئی اپنی جان یا اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہو گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی وطن، جان یا مال کے دفاع کا نعرہ لگا کر ایسے لوگوں سے جنگ کرتا ہے جو اسلام کے دفاع کی جنگ میں مصروف ہیں تو یہ بھی جہاد کہلائے گا! نہیں! ایسی جنگ صریح حرام ہے اور طاغوت کے لیے جنگ کرنا ہے۔ روئے زمین پر اس سے بدتر گناہ کیا ہو سکتا ہے کہ وطن کے بت کے نجس آستانوں پر مجاہدین کے پاکیزہ خون کا چڑھاوا چڑھایا جائے!

---

[4] صحيح البخاري؛ كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا

[5] الصحيح لمسلم، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن

والله أعلم بأعدائكم

اہلِ سنّت کے سینے پر رافضی ریاست کا خواب (قسط اول)

محمد مطیع الرحمان

گیارہ ستمبر کے بعد امتِ مسلمہ میں اہلِ حق اور اہلِ باطل کے مابین تفریق کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ دن بدن تقویت پکڑتا جا رہا ہے۔ آج امت کے لیے اپنے خارجی اور داخلی دشمنوں کو پہچاننا پہلے کی نسبت کہیں آسان ہو گیا ہے۔ اسی کی ایک مثال عراق، یمن، شام اور بحرین کے حالات کے سبب رافضی فتنے کی حقیقت سے اٹھتا پردہ ہے۔ عراق و افغانستان پر جدید صلیبی حملے کے دوران شیعہ عنصر نے جس طرح امریکہ کے ساتھ مل کر اہلِ سنت کا خون بہایا اصولاً وہی اس امت کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا، لیکن شام کے کینہ پرور رافضیوں کے ہاتھوں بہتا لہو اور پامال ہوتی عصمتیں تو گویا ہر اعتبار سے اتمامِ حجت کر رہی ہیں اور ان یہودی صفت رافضیوں کے سینوں میں چھپے بغض اور اسلام دشمنی کی واضح گواہی دے رہی ہیں۔

'رافضی' کا لفظ 'رِفض' یعنی 'انکار' سے نکلا ہے۔ رافضی کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں ان لوگوں کے بارے میں استعمال ہونا شروع ہوئی جو شیخین، یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا انکار کرتے تھے۔ شیعوں کے بیشتر معروف اور بڑے فرقوں مثلاً: اثنا عشری، نصیری اور اسماعیلی وغیرہ کو مشترکہ طور پر اسی اصطلاح کے ذریعے مخاطب کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان سب میں قدرِ مشترک اور اہلِ سنّت سے ان سب کے بغض کی بنیاد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انکار ہی ہے اور اسی وجہ سے یہ آپس میں متحد نظر آتے ہیں۔ آج عالمِ اسلام میں موجود شیعوں کی غالب اکثریت انھی رافضی شیعوں پر مشتمل ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ اس امت کے ہر صاحبِ درد شخص کو رافضی فتنے کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ یہ مضمون اسی غرض سے کی جانے والی ایک لائقِ تحسین کاوش ہے۔ (مدیر)

اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کے معاملے میں غلو اور یمن کے یہودی عبد اللہ بن سبا کی سازش نے مل کر ایک ایسی گمراہی کو جنم دیا جس نے نہ صرف اپنے پیروؤں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے انکار پر ابھارا بلکہ انھیں بدعت، شرک اور دین میں تحریف جیسی ہلاکتوں کی طرف دھکیل دیا۔ امت میں گمراہ فرقے تو اور بھی گزرے ہیں، لیکن شرک و یہودیت دونوں کا اثر اپنے اندر سموئے ہونے کی وجہ سے رافضیوں کا فتنہ اسلام اور مومنین صالحین کے لیے ہمیشہ سے ہی شدید ترین عداوت کا مظہر رہا ہے۔ امتِ محمدیہ ﷺ کی ماضی قریب و بعید کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ رافضیت نے ہر دور میں اسلام کے خلاف یا تو بذاتِ خود مسلح جنگ چھیڑی یا پھر یہود و نصاریٰ کا اتحادی بن کر ان سے جنگ کی۔ یہی نہیں، بلکہ اس بد طینت گروہ نے اسلام کی منزّہ تعلیمات کو اپنے شرکیہ عقائد سے آلودہ کرنے کے لیے بھی ہمیشہ ایک ایسا زہریلا دعوتی محاذ کھولے رکھا جس کی تباہ کاری کا مشاہدہ مسلمان معاشرے میں پھیلی بدعات اور شرکیات سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ آج جب امت میں نشاۃ ثانیہ کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں اور عالمی جہاد کی برکت سے صلیبی مغرب اپنے سردار امریکہ سمیت زوال پذیر ہے تو ضروری ہے کہ امّت ہر اس فتنے کا صحیح ادراک کرے جس کی بدولت اس کی عظمت جاتی رہی اور جس سے نمٹے بغیر اپنی منزل یعنی نفاذِ شریعت اور قیامِ خلافت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ اس تحریر کا مقصد یہی ہے کہ ماضی و حال میں اہلِ سنت کے خلاف روافض کے کردار اور اس کے پس منظر میں کارفرما رافضی عقائد کو واضح کیا جائے تاکہ اہلِ سنت اس کو خطرہ سمجھتے ہوئے اپنی احتیاط کا سامان کریں۔

اہلِ سنت کے خلاف روافض کا کردار، تاریخ کے آئینے میں

اہلِ بیت کے ساتھ خیانتیں

اگرچہ شیعہ خود کو اہلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اہلِ بیت سے کوئی ادنیٰ نسبت بھی نہیں اور یہ ہمیشہ ان کے لیے اذیت ہی کا باعث بنے رہے۔ مثلاً، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے نمٹنے کے بعد اہلِ عراق خصوصاً اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کو ساتھ لے کر شام کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو ان شیعوں نے

حضرت علیؓ سے مدد و نصرت کا عہد کرنے کے باوجود ان کو دھوکہ دیا۔ انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! خوارج کے ساتھ جنگ کی وجہ سے ہماری تلواریں کند پڑ گئی ہیں، ہمیں کچھ وقت دیں کہ ہم اچھی طرح تیاری کر لیں۔ اس کے بعد خود کو شیعانِ علی کہلانے والے یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر کیے بغیر معسکر سے کھسکنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ صبح تک معسکر بالکل خالی ہو گیا۔[1]

اسی طرح شیعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اہلِ شام کے خلاف لشکر کشی کرنے کا کہا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن عبادہ کو مقدمۃ الجیش کے طور پر بارہ ہزار ساتھی دے کر آگے بھیجا۔ جب وہ قتل ہوا تو خبر سنتے ہی شیعوں میں افرا تفری پھیل گئی۔ انہوں نے حضرت حسنؓ کے خیمے پر چڑھائی کر دی، نواسۂ رسول ﷺ کے خلاف زبان و ہاتھ دونوں سے گستاخی کی اور ان کے سامان کو لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کے نیچے کی چٹائی تک کھینچ لی۔[2]

اس کے بعد انہی شیعوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خیانت کی۔ انہوں نے ۶۰ھ میں حضرت حسینؓ کو خط لکھے اور کہا: ”ہم اپنی جانیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ اب ہم نمازِ جمعہ میں والیِ کوفہ کے پیچھے حاضر نہ ہوں گے، پس آپ ہماری خاطر تشریف لے آیئے“۔ یہی نہیں، بلکہ اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے بارہ ہزار شیعوں نے حضرت حسینؓ کے فرستادہ مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن جب ابنِ زیاد نے مسلم بن عقیلؓ اور ان کے میزبان ہانی بن عروہ کو قتل کیا تو یہ اپنے عہد سے پھر گئے اور اپنے مہمانوں کا ذرّہ برابر دفاع نہ کیا۔ حضرت حسینؓ نے ان لوگوں کی خیانتوں کے باعث ہی شہادت کے وقت یہ دعا کی: "اللّٰهم احكم بيننا وبين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا"، یعنی: ”اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے جس نے ہمیں اس نام پر بلایا کہ یہ ہماری مدد کریں گے، پھر خود ہی ہمیں قتل کر ڈالا“۔[3]

---

[1] تاريخ الطبري؛ تاريخ الأمم والملوك: ٥/٨٩، ٩٠

[2] تاريخ الطبري: ٥/١٥٩

[3] تاريخ الطبري: ٥/ ٣٨٩

ایک ایسی قوم جس کے ماتھے پر خانوادۂ رسول کے ساتھ خیانت کا داغ ہو، اس سے امتِ مسلمہ کے حق میں کسی قسم کی خیر کی توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے؟ یاد رہے کہ یہ مذکورہ بالا واقعات شیعیت کے بالکل ابتدائی زمانے کے واقعات ہیں۔ اس وقت نہ تو شیعوں کے عقائد ایسے مشرکانہ تھے کہ علماء ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے اور نہ ہی ان کے اندر بدعت ورفض اس قدر گہرا تھا جتنا آج ہے۔

عباسی دور میں رافضیوں کا کردار

ہارون الرشید نے روافض پر بہت سے احسانات کیے۔ اس دور میں روافض وزارتوں سمیت اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ ہارون الرشید کے ایک رافضی وزیر علی بن یقطین نے جو کہ روافض کے خواص میں سے تھا، اپنی جیل میں اہلِ سنت مخالفین کی ایک جماعت کو جمع کیا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ جیل کی چھت ان پر گرادیں۔ اس سے وہ سارے قتل ہو گئے جن کی تعداد پانچ سو تھی۔ اس وحشیانہ حرکت کو رافضی آج تک اپنی کتابوں میں تحسین کے انداز میں نقل کرتے ہیں، جیسا کہ ان کے ثقہ عالم نعمت اللہ الجزائری نے ''الأنوار النعمانیة'' میں ذکر کیا ہے۔[4]

عباسی دور میں شیعہ سرگرمیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ ایک عباسی حکمران ناصر لدین اللہ اپنے شیعہ وزراء کی وجہ سے شیعہ ہو گیا۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ بڑا قبیح سیرت حکمران تھا، اپنی رعایا پر بہت ظلم کرتا...... اس نے شیعہ مذہب اپنا لیا تھا...... اس کے اور تاتاریوں کے مابین خط وکتابت رہتی تھی یہاں تک کہ اس نے انھیں اسلامی علاقوں پر قبضے کی ترغیب بھی دی تھی۔ یقیناً یہ ایک عظیم جرم ہے جس کے سامنے ہر گناہ ہیچ ہے''۔[5]

آلِ قرامطہ کی رافضی حکومت

قرامطی خود کو اسماعیل بن جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں (بر خلاف اثنا عشریوں کے جو ان کی جگہ موسیٰ کاظم کو اپنا امام کہتے ہیں)۔ قرامطی دراصل فارسی فلسفیوں کے متبع تھے۔ ان کا ظہور ۲۷۸ھ میں عباسی خلیفہ المعتضد احمد بن الموفق کے دور میں ہوا۔ یہ احساء، بحرین، عمان

---

[4] الأنوار النعمانیة، از نعمت اللہ الجزائری، ۲/۳۰۸، طبع تبریز، ایران

[5] البدایة والنهایة ۱۳/ ۱۰۶، ۱۰۷

اور شام پر قابض رہے۔ مصر پر بھی قبضہ کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ۲۹۴ھ میں ان رافضیوں نے مکہ سے پلٹنے والے حاجیوں کے قافلوں پر چڑھائی کر دی اور قافلہ در قافلہ خون بہایا۔ قرامطہ کی عورتیں مسلمان زخمیوں کے لیے پانی کی آواز لگاتیں اور جو کوئی زخمی جواب دیتا اسے آگے بڑھ کر قتل کر دیتیں۔ اس حادثے میں بیس ہزار مسلمان قتل ہوئے۔اسی طرح ۳۱۲ھ میں ابو طاہر شیعی قرمطی نے حاجیوں کا رستہ روکا، قافلوں کو لوٹا، جانور قبضہ میں لیے، کئی مسلمانوں کو قتل کیا اور کئی کو دھوپ میں بھوکا پیاسا مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اسی طرح ابن فرات رافضی قرمطی نے بغداد کو تاراج کیا۔ ۸ ذوالحجہ، ۳۱۷ہجری کو قرامطی رافضیوں نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔ مسجدِ حرام میں بیت اللہ سے چمٹے حاجیوں کو یوں بے دریغ قتل کیا کہ زم زم کا کنواں لاشوں سے بھر گیا۔ بیت اللہ کا دروازہ توڑ ڈالا اور ابو طاہر (لعنۃ اللہ علیہ) نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا کہ حجر اسود نکال لو۔ اس شخص نے حجرِ اسود پر گرز مار کر کہا: "کہاں ہیں ابابیل؟ کہاں ہیں کنکر"؟! اس کے بعد تیئس (۲۳) سال تک حجر اسود انہی کے پاس رہا۔ قرامطی شیعوں نے بیت اللہ میں یہ سب فساد محض اس لیے مچایا تھا کہ یہ کربلا کو مکہ سے اور حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کے دربار کی زیارت کو حجِ بیت اللہ سے افضل جانتے تھے اور چاہتے تھے کہ حج کی ادائیگی ختم ہو جائے۔ یہ قرامطہ ہی آج ایران، پاکستان اور دیگر علاقوں میں موجود اثنا عشری شیعوں کے اجداد ہیں۔[۱]

۳۱۵ہجری میں جب قرامطہ اہلِ سنت کے خلاف بڑے جوش و خروش سے لڑائی میں مصروف تھے، تو صلیبی افواج سمیساط میں داخل ہو گئیں، وہاں کے مسلمانوں کو قتل کیا اور نمازوں کے اوقات میں ناقوس بجائے۔ لیکن انہی روافض نے جو اہلِ سنت کا خون بے دریغ بہا رہے تھے، ان عیسائیوں سے بالکل جنگ نہ کی۔

رافضی آلِ بویہ کے جرائم

یہ فارس کے مشرقی علاقے دیلم کے ایک شخص بویہ کی اولاد میں سے تھے۔ بویہ کے تین بیٹے تھے جو دیلم کے حکمران ابن کالی کی فوج میں ملازم تھے۔ بعد میں بویہ کی یہی آل اولاد دیلم پر حاکم بن

[۱] الكامل في التاريخ: ۷/۵۳،۵۴

گئی۔ ابن کالی نے عباسی خلافت پر لشکر کشی کر کے اصفہان، شیر از وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خلیفۂ وقت راضی باللہ محمد بن المقتدر کے رافضی وزیر ابو علی محمد بن علی نے آلِ بویہ کے ساتھ خفیہ ساز باز کر رکھی تھی۔ سازشوں کا جال بچھانے کے بعد ۳۳۴ھ میں معز الدولہ بن بویہ بغداد پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں کے خلیفہ کو ہٹا کر خود حاکم بن بیٹھا۔ ۳۵۲ھ میں آلِ بویہ نے عاشورہ کے دن بازار بند کرنے اور خرید و فروخت روکنے کا حکم جاری کر دیا۔ انہی نے ماتم اور سینہ کوبی کو رواج دیا اور حسین رضی اللہ عنہ پر نوحے پڑھنے اور عید غدیر کا آغاز کیا۔ یہی وہ ساری بدعات ہیں جن کو اثنا عشری شیعہ آج تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسی دور میں رومی بادشاہ نقفور بھی مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے نبی ﷺ کی توہین پر مبنی قصیدہ بھی لکھا تھا، لیکن یہی رافضی جو اہلِ سنت کے خلاف لڑنے میں شیر تھے، ان صلیبی کافروں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھے ہوئے تھے۔[۲]

رافضی فاطمی حکومت اور سنت کو مٹانے کے لیے اس کی کوششیں

فاطمی خاندان بھی اسماعیلی رافضی مذہب کا پیرو تھا۔ اقتدار میں آنے سے پہلے فاطمیوں نے اسماعیلی مذہب کی دعوت عام کرنے کے لیے خفیہ طور پر اپنے داعی پھیلائے۔ بلادِ مغربِ اسلامی (یعنی شمالی افریقہ) میں ان کی وجہ سے شیعیت کافی پھیلی اور بربر قبائل کے بہت سے لوگ شیعہ ہو گئے۔ انہی دعوتی سرگرمیوں کے باعث بعض شہر کے شہر فاطمیوں کے ہاتھ چلے گئے۔ ۲۹۶ھ میں اربس کی جنگ میں فتح کے بعد فاطمیوں نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی یہ مصر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ۳۰۱ھ سے ۳۵۰ھ تک فاطمی برابر مصر پر حملے کرتے رہے۔ بالآخر ۳۵۸ھ میں فاطمی حکمران نے اہلِ مصر کو یہ امان نامہ لکھ کر دیا کہ:

"...... مصری اپنے مذہب پر باقی رہیں گے یعنی ان پر شیعہ مذہب اختیار کرنا لازم نہیں قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ اذان، نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، حج اور جہاد کے احکامات

[۲] البداية والنهاية :۱۴/۲۴۳، ۲۴۴

جو اللہ کی کتاب میں اور رسول ﷺ کی زبانِ مبارک سے وارد ہوئے، ان پر عمل جاری رکھیں گے"۔[8]

لیکن جب ۳۶۲ھ میں معزلدین اللہ فاطمی قاہرہ میں داخل ہوا تو اس نے مصر کے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ رافضیت اختیار کریں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ ازہر، جامع عمرو اور مسجد احمد بن طولون جیسی بڑی مساجد و مدارس کو رافضیت کے دعوتی مراکز میں تبدیل کر دیا گیا۔ اذان میں 'حیّ علیٰ خیر العمل' کے کلمات کا اضافہ کر دیا گیا اور عاشورہ کا دن باقاعدہ طور پر منایا جانے لگا۔ ۳۹۵ھ میں جب حاکم بامر اللہ نے زمام اقتدار سنبھالی تو اس نے حکم دیا کہ مساجد کی دیواروں، بازاروں اور گزرگاہوں پر صحابۂ کرام کے بارے میں گالیوں اور بے ہودہ باتوں پر مشتمل جملے لکھے جائیں۔[9] مصر پر مسلط آخری فاطمی حکمران عاضد بن یوسف بن مستنصر تھا جس کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ مذموم سیرت کا مالک تھا اور نہایت خبیث شیعہ تھا۔ اگر اس کے لیے ممکن ہوتا تو وہ چن چن کر تمام اہلِ سنت کو قتل کرتا۔ دوسری طرف حال یہ تھا کہ انہی فاطمیوں نے نصاریٰ کے خلاف ایک بھی معرکہ نہ لڑا، بلکہ ان سے ہمیشہ اچھے مراسم قائم رکھے۔ ان بدبختوں نے شام اور فلسطین پر صلیبی حملوں کے دوران بھی صلیبیوں کا ساتھ دیا یہاں تک کہ بیت المقدس اور نابلس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خیانتیں

مقریزی نے "الخطط والآثار" میں لکھا ہے کہ:

"عاضد الفاطمی صغر سنی اور ضعف کا شکار فاطمی حکمران تھا۔ جب صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دربار میں وزارت سنبھالی تو رفتہ رفتہ دربار میں آپ کا عمل دخل بڑھتا گیا۔ رافضی اہلِ دربار یہ برداشت نہ کر پائے اور آپ کے خلاف سازشیں کرنے لگ گئے۔ انہوں نے باہم اتفاق کیا کہ فرنگیوں کو خط لکھ کر مصر پر حملے کی دعوت دی جائے

[8] المقريزي، اتعاظ الحنفاء :ص ۱۴۸

[9] ابن خلكان، وفيات الأعيان: ٢/١٦٦

تاکہ جب صلاح الدین ایوبی ان سے جنگ کرنے نکلیں تو پیچھے قاہرہ میں موجود ان کے ساتھیوں کو قید کر لیا جائے اور فرنگیوں کے ساتھ مل کر صلاح الدین کی قوت توڑ ڈالی جائے۔ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے ۵۶۵ھ میں فرنگی مصر پر حملہ آور ہوئے، دمیاط کا محاصرہ کر لیا، اس کے باشندوں پر زندگی تنگ کر دی اور بہت ساروں کو قتل کر ڈالا۔ دوسری جانب رافضیوں نے بھی حسبِ منصوبہ قاہرہ میں بغاوت کر دی جس دوران صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے ساتھی شہید کیے گئے۔ روافض نے حسن بن سبا کے فدائیوں کے ذریعے بھی صلاح الدین ایوبیؒ کے قتل کی کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے رافضی ارادوں کی تکمیل میں حائل ہو گئے''۔

عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے شیعہ وزیر مؤید الدین علقمی کی خیانتیں

مؤید الدین علقمی آخری عباسی حکمران مستعصم باللہ کا وزیر تھا۔ اس نے بغداد میں عباسیوں کی جگہ فاطمی حکومت قائم کرنے اور توحیدِ اسلام اور سنتِ نبی ﷺ کی جگہ رافضی شرکیات اور اہلِ ہوس کی بدعات نافذ کرنے کے لیے تاتاریوں کے ساتھ ساز باز کی۔ ہلاکو خان بغداد پر حملے سے ہچکچا رہا تھا لیکن علقمی نے اس کے ساتھ مراسلت کر کے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اس نے مختلف حیلے بہانوں سے بغداد میں موجود مسلم فوج کو ایک لاکھ سے کم کر کے دس ہزار کر دیا اور پھر تاتاریوں کو حملے کی دعوت دے ڈالی۔ ۶۵۶ھ میں تاتاری لشکر دارالخلافہ بغداد میں داخل ہوا۔ اس سازش میں ہلاکو خان کا رافضی وزیر نصیر الدین طوسی بھی شامل تھا جو پہلے 'قلعۂ موت' میں اسماعیلیوں کا وزیر تھا اور پھر ہلاکو کا وزیر بن گیا تھا۔ ہلاکو مدمقابل لشکروں میں موجود انہی دونوں رافضیوں کی ساز باز سے بغداد پر حملہ آور ہوا، انہی کے مشورے پر خلیفۂ وقت کو قتل کیا گیا اور انھی کے اشاروں پر علامہ ابن جوزی کے بیٹے شیخ محی الدین یوسف اور صدر الدین علی بن النیار رحمہا اللہ سمیت بہت سے خطباء اور علماء کو قتل کیا گیا۔ اس پورے حادثے میں آٹھ سے دس لاکھ مسلمان شہید ہوئے،[10] إنا لله وإنا إليه راجعون۔

---

[10] البداية والنهاية : ۱۳/۲۰۰،۲۰۲

شام پر تاتاری یلغار کے دوران رافضیوں کا کردار

۶۵۸ھ میں تاتاریوں نے ۷ دن تک حلب شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ اہلِ شہر نے امان ملنے پر دروازہ کھول دیا لیکن تاتاریوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے مسلمانوں کا خون بہایا۔ اس دوران حلب میں شیعہ امیر زین الدین حافظی، ہلاکو خان کی مدح سرائی کرتا رہا اور ہلاکو کی اطاعت میں داخل ہونے کے فتوے دیتا رہا۔ اس پر امیر رکن الدین بیبرس نے اس کو مارا اور اس کو برا بھلا کہا اور کہا کہ تم لوگ ہی مسلمانوں کی ہلاکت کا باعث ہو۔[11] جب تاتاری دمشق میں داخل ہوئے تو شیعوں نے ان کی اطاعت قبول کی اور ان کی حکومت میں اعلیٰ مناصب حاصل کیے۔ اسی طرح حماۃ شہر میں بھی خسروشاہ نے مسلمانوں سے غداری کی۔ لیکن اس کے برعکس جب اہلِ سنت نے تاتاریوں پر فتح پائی تو شیعہ اور عیسائیوں سے ان کی غداریوں کا کوئی انتقام نہ لیا۔

بیت المقدس پر صلیبی حملے اور وہاں قتلِ عام میں روافض کا کردار

آلِ سلجوق سنّی تھے اور علمائے اہلِ سنّت کا اکرام کرتے تھے۔ یہ آلِ بویہ کی رافضی حکومت کے زوال پر اقتدار میں آئے تھے۔ رافضیوں نے ان کے خلاف بھی لشکر کشی کی اور آلِ سلجوق کے خطوں میں اہلِ سنّت کے جان و مال سے تعرض کیا۔ شام کے علاقے اہلِ سنت اور رافضیوں کے درمیان معرکہ گاہ بن گئے۔ اسی دوران ۴۹۰ھ میں صلیبی بلادِ شام کی جوانب تک پہنچ گئے۔ یہاں پر رافضیوں نے بدر جمالی الشیعی کو اس پیغام کے ساتھ صلیبیوں کی طرف بھیجا کہ "آؤ! ہم دونوں قوتیں مل کر آلِ سلجوق سے لڑتی ہیں، فتح کی صورت میں شمالی شام صلیبیوں کا ہو گا اور بیت المقدس کا علاقہ روافض کا"۔ صلیبیوں کا اصل مقصد تو بیت المقدس پر قبضہ تھا لیکن رافضیوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے انہوں نے جھوٹی تسلّی دلا دی اور یوں رافضی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس خیانت کے نتیجے میں صلیبی ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ صلیبیوں نے بیت المقدس میں ساٹھ ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہید کیا۔[12] یقیناً اس خونِ ناحق کے اصل ذمہ دار روافض ہی تھے۔

---

[11] أحمد بن علي المقريزي، السلوك لمعرفة دولة الملوك: ۱/۴۱۹

[12] البداية والنهاية: ۱۲/۱۵۶

شام کے نصیری رافضیوں کی خیانتیں

رافضیوں کے اس فرقے کا بانی محمد بن نصیر تھا۔ یہ فرقہ ہندوؤں کی طرح تناسخ کے عقیدے کا قائل ہے۔ اسی طرح یہ حلول جیسے باطل عقیدے کی پیروی کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باقاعدہ عبادت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں محرم رشتہ داروں سے نکاح بھی جائز ہے۔ ۶۹۶ھ میں جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو نصیری تاتاریوں کے خلاف لڑنے کی بجائے ان کے مددگار بنے۔ صلیبی حملوں کے دوران انہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کی مدد کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران انہوں نے فرانس کو شام پر قبضہ دلانے اور خلافتِ عثمانیہ کو شکست دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ فرانسیسی صلیبیوں نے اہلِ سنّت پر اپنا بالواسطہ تسلط برقرار رکھنے کے لیے نصیریوں کی فوج تشکیل دی جو آج بھی شام کی قومی فوج کا اساسی جزو ہے۔ نمایاں نصیری شخصیات میں سے یوسف یاسین نصیری نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف خطبات، اشعار اور تلوار سبھی سے کام لیا اور صالح علوی نے طرطوس اور حماۃ کے درمیان راستہ روک کر عثمانیوں کو شدید نقصان پہنچایا۔

۱۹۷۵ء میں لبنان کے سنی مسلمانوں پر شامی نصیری فوج کے حملے کے دوران نصیریوں نے اسرائیل کو یقین دہانی کرائی کہ وہ صرف سنیوں سے لڑنے آئے ہیں اور اسرائیل کو ان سے کوئی نقصان نہ پہنچ پائے گا۔ آج بھی یہی بدبخت نصیری بشار الاسد کی قیادت میں شامی مسلمانوں کا خون بہانے میں مصروف ہیں۔

اثنا عشری رافضیوں کی لبنان میں خیانتیں

ماضی قریب میں لبنان کے اثنا عشری رافضیوں کی تنظیم 'حرکتِ امل' اور لبنانی فوج کے رافضیوں پر مشتمل دستوں نے شامی نصیریوں کے ساتھ مل کر اہلِ سنت کے خلاف جو کچھ کیا، اس کے تو عینی شاہد ابھی تک موجود ہیں۔ اس ظلم کا آغاز ۱۹۷۵ء میں فلسطینی مہاجرین کی خیمہ بستیوں پر چڑھائی سے ہوا۔ اس کارروائی کے دوران تیس ہزار شامی نصیری فوج اور حرکتِ امل نے عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر کئی سالوں تک اہلِ سنّت کا قتلِ عام جاری رکھا۔ حرکت امل کے بانی موسیٰ الصدر ایرانی کے حکم پر حرکتِ امل کے تمام لوگ لبنانی فوج سے علیحدہ ہو کر شامی فوج میں شامل ہو گئے، جس سے ان بدبختوں کی اپنے باطل عقیدے سے وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان رافضی

لشکروں نے یہود کے ہاتھوں دربدر ہوئے فلسطینی مہاجرین کو ان کے خیموں میں گھس گھس کر ذبح کیا اور اس قتلِ عام میں بچے، بوڑھے اور مرد وعورت کی کوئی تخصیص روانہ رکھی۔

رافضی شیعوں کے لامتناہی جرائم

رافضیوں کی مذکورہ بالا خیانتوں کے علاوہ رافضی باطنی حسن بن سبا کے حشیشین کی مسلمانوں کے خلاف مہم، حسین طباطبائی کا خوارزم شاہی حکومت کے خلاف ایران وترکستان میں تاتاریوں سے گٹھ جوڑ، رافضیوں کے غالی دروزی فرقے کی صلیبیوں کے ساتھ مل کر اہلِ سنّت کے خلاف مہمات، ایران کی صفوی رافضی حکومت کی خلافتِ عثمانیہ سے دشمنی، اس کی یورپ میں فتوحات کی مخالفت اور اس کے خلاف عیسائیوں سے گٹھ جوڑ، تیرہویں صدی ہجری میں ہند میں ایودھیا مسجد کی جگہ مندر بنانے کے معاملے میں رافضی وزیر تقی علی کا ہندوؤں سے گٹھ جوڑ، ہند پر صلیبی حملے کے دوران رافضی میر جعفر اور میر صادق کی خیانتیں، غرض واقعات کا ایک لمبا سلسلہ ہے جو امتِ مسلمہ کو چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ امت کی تاریخ کے ہر نازک موڑ پر کون تھا جس نے اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپا!

اہلِ سنّت کے خلاف خیانتوں کے پیچھے کار فرما رافضی عقائد

یہاں ضروری ہے کہ ہم اہلِ سنّت کے خلاف جرائم کے پیچھے کار فرما رافضی عقائد کو جان لیں کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ انسان کے افعال اس کے افکار کے تابع ہوتے ہیں۔ پھر اگر یہ افکار دین اور عقیدے کی حیثیت رکھتے ہوں تو افعال پر ان کا اثر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ یہاں ہم روافض کے صرف ان عقائد کا اختصار سے تذکرہ کریں گے جن کا براہِ راست تعلق اہلِ سنّت کی عداوت سے ہے۔ مسئلہ امامت کی تفصیل، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سبّ وشتم اور ان کی تکفیر، قرآن مجید کی تحریف کا عقیدہ، تقیہ اور اس قسم کے دیگر قابلِ نفرت نظریات تو اس کے علاوہ ہیں۔

رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ جو اماموں پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے

روافض کے یہاں امامت کا مسئلہ اصولِ دین میں سے ہے۔ پس جس نے بھی اس مسئلے کا یا اماموں میں سے کسی ایک بھی امام کا انکار کیا تو روافض کے نزدیک وہ کافر ہے۔ رافضی ملّا باقر مجلسی اپنی کتاب "بحار الانوار" میں لکھتا ہے:[13]

"واعلم أن إطلاق لفظ الشرك والكفر على من لم يعتقد إمامة أمير المؤمنين والأئمة من ولده عليهم السلام وفضَّل عليهم غيرهم يدل على أنهم مخلّدون في النار"۔

"جان رکھو کہ امیر المؤمنین (یعنی حضرت علیؓ) کی امامت اور ان کی اولاد میں آنے والے ائمہ کی امامت پر ایمان نہ رکھنے اور ان کے اوپر دوسروں کو فضیلت دینے والوں پر (ہماری کتابوں میں) لفظِ شرک اور کفر کا اطلاق ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ایسے لوگ ہمیشگی کی جہنم میں داخل کیے جائیں گے"۔

روافض کا عقیدہ ہے کہ اہلِ سنّت اہلِ بیت کے دشمن ہیں

اہلِ بیت سے محبت اہلِ سنت کی خاص پہچان ہے، لیکن روافض کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ ان خطرناک ترین اعتقادات میں سے ہے جس نے روافض کے دلوں میں اہلِ سنّت کے خلاف خیانت کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اہلِ سنت کو ناصبی کہتے ہیں یعنی وہ جو اہلِ بیت کے دشمن ہیں۔ اسی عقیدے کے باعث ایک رافضی جب بھی اہلِ سنت سے خیانت کرتا ہے تو وہ اپنے فعل کو اہلِ بیت کی نصرت سے تعبیر کرتا ہے اور اسے نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔

شیعہ عالم علی آل محسن اپنی کتاب "كشف الحقائق" میں لکھتا ہے:[14]

"وأما النواصب من علماء أهل السنة فكثيرون أيضًا، منهم ابن تيمية وابن كثير الدمشقي وابن الجوزي وشمس الدين الذهبي وابن حزم الأندلسي وغيرهم"۔

---

[13] بحار الأنوار: ۲۳/۳۹۰

[14] كشف الحقائق: ص ۲۴۹، طبع دار الصفوة۔ بيروت

”سنیوں کے علماء میں بھی ناصبیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں ابنِ تیمیہ، ابنِ کثیر، ابنِ جوزی، شمس الدین ذھبی، ابن حزم اندلسی وغیرہ شامل ہیں“۔

روافض کا عقیدہ ہے کہ اہلِ سنت نجس ہیں اور ان کا مال اور خون حلال ہے

خون کا معاملہ شریعت کے نازک ترین امور میں سے ہے۔ کسی کے خون کو حلال ثابت کر دینے کا مطلب اس کے خلاف جنگ کا اعلان ہے۔ روافض اہلِ سنت کے جان ومال پر ہاتھ ڈالنے کو حلال سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کے یہاں اہلِ سنّت کے خلاف یہود و نصاریٰ تک سے اتحاد جائز قرار پاتا ہے۔

محمد بن علی بن بابویہ قمی جس کو شیعہ 'صادق' اور 'رئیس المحدثین' کا لقب دیتے ہیں اپنی کتاب ”علل الشرائع“ میں داؤد بن فرقد سے روایت کرتا ہے:[15]

عن داود بن فرقد قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: ما تقول في قتل الناصب - أي السني- ؟ قال: "حلال الدم، ولكني أتقي عليك، فإن قدرت أن تقلب عليه حائطًا أو تغرقه في ماء لكيلا يشهد به عليك فافعل، قلت فما ترى في ماله؟ قال: توه ما قدرت عليه"۔

”داؤد بن فرقد نے کہا میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ناصبی (یعنی سنّی) کے قتل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس کا خون حلال ہے! لیکن مجھے تمہاری فکر ہے، لہٰذا اگر تمہارے بس میں ہو کہ تم اس پر کسی ایسے طریقے سے دیوار گرادو یا اسے پانی میں ڈبو دو کہ کوئی تمہارے خلاف گواہی نہ دے سکے تو ایسا کرنا بہتر ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے مال کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ جتنے پر تم قدرت پالو اسے رکھ لو“۔

جہاں تک سنیوں کو نجس جاننے کا معاملہ ہے تو شیعہ عالم نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب ”الأنوار النعمانية“ میں لکھتا ہے:[16]

---

[15] علل الشرائع؛ ص ٦٠١

[16] الأنوار النعمانية؛ ٢/٣٠٦

"وأما الناصب وأحواله، فهو يتم ببيان أمرين: الأول: في بيان معنى الناصب الذي ورد في الأخبار أنه نجس، وأنه أشر من اليهودي والنصراني والمجوسي، وأنه نجس بإجماع علماء الإمامية رضوان الله عليهم"۔

"اور جہاں تک ناصبیوں اور ان کے احوال کا تعلق ہے تو ان کا احاطہ دو پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے: پہلا، ناصبی کے معنی کو بیان کرنے سے، وہی ناصبی جس کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ نجس ہے اور یہودی، نصرانی، مجوسی سے بھی بُرا ہے اوراس بات پر تو امامیہ (شیعہ) کے علماء کا اجماع ہے کہ ناصبی نجس ہے"۔

روافض کا اعتقاد ہے کہ ظہورِ مہدی سے قبل جہاد حرام ہے

اسی خرافاتی عقیدے کی وجہ سے روافض کی تاریخ میں کہیں بھی کفار کے خلاف جہاد نہیں پایا جاتا۔ ہاں، اہلِ سنت کے خلاف سازشوں اور قتل وغارت گری میں یہ دورِ قدیم ودورِ جدید میں ایک سے متحرک نظر آتے ہیں۔

شیعہ کے ثقہ محدث محمد بن یعقوب الکلینی نے "الکافی" میں روایت کیا ہے:[۱۷]

"عن أبي عبد الله عليه السلام قال: "كل راية ترفع قبل قيام القائم- أي الإمام الثاني عشر- فصاحبها طاغوت يعبد من دون الله عز وجل"۔

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا، "قائم ــــ یعنی بارہویں امام ــــ کے آموجود ہونے تک جو بھی علم (جہاد) بلند کیا جائے گا اس کا تھامنے والا گویا طاغوت ہے جس کی اللہ کے سوا بندگی کی جاتی ہے"۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[۱۷] الكافي: ۸/۲۹۵

إن الذين قالوا ربنا الله
ثم استقاموا

خراسان کے جہاد میں اللہ کی نشانیاں

استاد أحمد فاروق حفظہ اللہ

ارضِ خراسان میں جاری امریکہ و مغرب کے خلاف جہاد کو آج گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ جس طرح دو دہائیاں قبل روس شکست وریخت سے دوچار ہوا تھا، اسی طرح آج امریکہ و مغرب اپنی پیشانی پر ہزیمت کا داغ سجا رہے ہیں۔ بلاشبہ ہمارا ربِ ذوالجلال، جس نے روس کے خلاف مجاہدین کی نصرت کی تھی، آج بھی اپنی تدابیر اور اپنے لشکروں سے مجاہدین کی نصرت فرما رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ جس طرح ارضِ خراسان میں جہادِ اول میں اللہ کی نشانیوں کو شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ نے جمع فرمایا تھا اور ایک قابلِ قدر مستند تاریخی ذخیرہ وجود میں آیا تھا، اسی طرح اس جہاد میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کے واقعات اور نشانیوں کو جمع کیا جائے اور اسے مسلمانانِ امت کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم تنظیم قاعدۃ الجہاد کے مسئولِ دعوت وابلاغ برائے پاکستان محترم استاد احمد فاروق حفظہ اللہ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اس ضرورت کو سمجھتے ہوئے اس کام کا آغاز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مساعی کو قبول فرمائیں اور خاص طور پر اس کاوش کو تمام مسلمانوں کے حق میں دنیوی واخروی منفعت کا باعث بنا دیں، آمین۔
(مدیر)

ویسے تو یہ پورا جہاد ہی ایک مجسم کرامت ہے۔ ایک طرف جدید ساز وسامان سے لیس، بحر و بر اور فضاؤں پر حاوی دنیا کی پینتالیس (۴۵) سے زائد ریاستیں اور ان کی افواج ہیں تو دوسری طرف محض ایمانی قوت کے بل پر کھڑا مٹھی بھر مجاہدین کا گروہ۔ لیکن انسانی عقل حیران ہے کہ نہ صرف یہ مقابلہ دس سال سے جاری ہے، بلکہ بظاہر اس میں فتح بھی کمزور لشکر ہی کی ہو رہی ہے۔ کیا اس کے

بعد بھی اللہ جل جلالہٗ کی قدرت سمجھنے اور اہلِ جہاد کی صداقت جاننے کے لیے کسی نشانی کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ لیکن یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس سراپا کرامت جہاد کے اندر بھی اللہ تعالیٰ بہت سی مزید کرامات ظاہر فرماتے رہتے ہیں، تاکہ اہلِ ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو سکے اور اہلِ کفر و نفاق پر حجت تمام ہو سکے۔ میں نے بعض محترم بھائیوں کے مکرر اصرار پر، اللہ رب العزت کی تائید و توفیق سے یہ سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میری کوشش ہو گی کہ میدانِ جہاد میں مجاہدین و شہداء کی جو کرامات اور تائیدِ الٰہی کی جو نشانیاں میں نے خود دیکھی ہیں یا کسی قابلِ اعتماد ذریعے سے میرے علم میں آئی ہیں، انھیں یہاں قسط وار قارئین کے سامنے پیش کروں۔ اس تحریر سے میرا مقصود سب سے پہلے اپنے ایمان کی تجدید و تقویت ہے۔ نیز اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ یہ واقعات قارئین کے ایمان کو تازگی بخشنے اور جہاد و قتال کی محبت ان کے سینے میں اتارنے کا ذریعہ بنیں گے۔

جہاد کی صداقت، فضیلت اور اہمیت جاننے کے لیے اصل دلائل تو قرآن و سنت کی وہ واضح نصوص ہیں جو جہاد و قتال کی غیر معمولی عظمت واہمیت بیان کرتی ہیں۔ یہی وہ دلائل ہیں جن کو سمجھ کر ہم نے یہ راہ، اللہ کی توفیق سے اختیار کی۔ لیکن اس راہ پر آنے کے بعد، یہ بشارتیں، یہ کرامات، یہ تائیدِ الٰہی کی نشانیاں دلوں کو مضبوط کرنے اور قدموں کو جمانے کا باعث بنتی ہیں۔ خصوصاً جب ایک طرف ساراعالمِ کفر یکجا ہو کر افغانستان پر حملہ آور ہو اور دوسری طرف ہمارے اپنے ملک کی فوج اور ایجنسیاں بھی مجاہدین پر عرصۂ حیات تنگ کر رہی ہوں، تو ایسے پُر مصائب حالات میں یہ نشانیاں رب کے مجاہد بندوں پر رب کی خاص رحمت کا اظہار ہیں۔ بظاہر آج کفار کی ٹیکنالوجی بہت ترقی کر گئی ہے، انھوں نے خون بہانے اور تباہی مچانے کے لیے ناقابلِ یقین حد تک مؤثر اور تباہ کن ہتھیار بنا لیے ہیں، لیکن اس مصنوعی قوت کے حامل صلیبی صہیونی اتحاد سے میدان میں پنجہ آزمائی کرنے والے مجاہدین کا مشاہدہ کچھ اور حقائق بھی عیاں کرتا ہے۔ ان میں سے سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ انسان جتنی بھی مادی قوت اکٹھی کر لے، جتنی بھی ترقی کر جائے، وہ بہر حال اللہ کی مخلوق ہے اور خالق کی قوت، عظمت، قدرت، سطوت و جبروت کے سامنے اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اللہ کی سنتیں آج بھی وہی ہیں، اس کے اٹل اصول اس مشینی دور میں بھی اسی طرح

لاگو ہوتے ہیں جیسے تلواروں اور تیروں کے دور میں ہوتے تھے اور اس کی نصرت آج بھی قدم قدم پر اہلِ ایمان کے قدم جماتی ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کو ناراض نہ کریں اور اپنے اعمال سے اس کی مدد ونصرت حاصل کرتے رہیں۔

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میری اپنے مجاہد بھائیوں سے درخواست ہو گی کہ ان میں سے جن جن کے مشاہدے یا علم میں مجاہدین وشہداء کی کوئی کرامت ہے، وہ اسے تحریری شکل میں یا کسی دیگر ذریعے سے ہم تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ ان کا یہ عمل جہادی دعوت وتحریض میں شرکت کا اور رب سے اجر کے حصول کا ذریعہ ہو گا۔

دھند اور ہواؤں کا مجاہدین کی مدد کے لیے آنا

مجھے اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ایک بھائی نے خود یہ واقعہ سنایا کہ وہ اور دس مزید مجاہد بھائی، جن میں سے تین مہاجرین میں سے تھے اور باقی انصار میں سے، سن ۲۰۱۱ء کے موسم گرما میں خطۂ محسود میں ایک کارروائی کرنے نکلے۔ کارروائی کا ہدف 'آسمان منزہ' کے علاقے میں پہاڑ کی بلند و بالا چوٹی پر واقع پاکستانی فوج کی ایک چوکی تھی۔ اس چوٹی کا شمار خطۂ محسود کی سب سے اونچی چوٹیوں میں ہوتا ہے۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر مجاہد بھائیوں نے باہم مشورہ کیا کہ پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے۔ اگر دشمن کی نگاہوں سے محفوظ راستہ اختیار کیا جاتا تو وہ اتنا لمبا، دشوار اور تھکا دینے والا راستہ تھا کہ پہاڑ چڑھتے چڑھتے ہی جسم کی ساری توانائی خرچ ہو جاتی اور اوپر پہنچ کر لڑنے میں بہت دشواری ہوتی۔ اس کے برعکس اگر مختصر راستہ اختیار کیا جاتا تو وہ دشمن کی نگاہوں کے عین سامنے تھا اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ اوپر پہنچنے سے قبل ہی دشمن مجاہدین کو چڑھتا دیکھ لے اور ان کے سنبھلنے سے قبل ان پر فائر کھول دے۔ ابھی ساتھی اسی مخمصے میں تھے، کہ اچانک ہوا کے ساتھ دھند آئی اور پہاڑ کو بالکل ڈھک لیا۔ دھند اتنی گہری تھی کہ اپنے سے چند قدم آگے

تک دیکھنا بھی دشوار ہو گیا۔ ساتھیوں نے اس دھند کو غیبی تائید سمجھ کر مختصر راستے سے پہاڑ چڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ پہاڑ کے اوپر، دشمن کی چوکی کے نزدیک پہنچ گئے اور اپنی جگہیں سنبھال لیں، تو کچھ دیر بعد ہی دھند چھٹ گئی۔ الحمدللہ مجاہدین نے اطمینان سے کارروائی مکمل کی اور دشمن کی چوکی پر ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے کامیاب حملہ کیا۔ کارروائی ختم ہوتے ہی دھند ایک بار پھر آگئی اور پہاڑ کو ڈھک لیا۔ ایک بار پھر ساتھیوں نے اللہ کی حمد وثنا زبان پر رکھتے ہوئے، دھند سے فائدہ اٹھایا اور پاکستانی فوج کی نگاہوں سے بچتے ہوئے مختصر راستے سے واپس اتر آئے اور یوں کوئی نقصان اٹھائے بغیر دشمن کو اذیت پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ والحمدللہ رب العالمین!

ایک افغانی عالمِ دین کی ایمان افروز روداد؛ گرفتاری سے خفیہ اذیت خانے تک

ایک مجاہد افغانی عالمِ دین اور خطیب نے مجھے بذاتِ خود جیل سے رہائی کے بعد اپنے ساتھ پیش آنے والا یہ ایمان افروز واقعہ سنایا۔ ان عالمِ دین کو سن ۲۰۰۹ء میں جنوبی وزیرستان کے علاقے وانا میں ایک مرکزی شاہراہ سے گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ عالمِ دین ایک ساتھی کے ہمراہ اپنی گاڑی میں جا رہے تھے کہ اچانک سامنے سے پاکستانی فوج کا قافلہ آتا دکھائی دیا۔ انھوں نے اپنی گاڑی سڑک سے ہٹا کر کچھ فاصلے پر روک لی اور قافلے کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر فوجیوں کو ان کی گاڑی پر شک ہوا اور انھوں نے آگے بڑھ کر ان کی گاڑی کو ہر سمت سے گھیر لیا۔ یہ محترم بھائی کہتے ہیں کہ:

”چند فوجی پیدل چلتے ہوئے میری گاڑی کے قریب آئے اور مجھے نیچے اترنے کو کہا۔ میں نے اپنی کلاشن کوف مضبوطی سے تھام لی اور یہی ارادہ کیا کہ کسی صورت گرفتاری نہیں دوں گا، نہ ہی گاڑی سے اتروں گا۔ مگر جب ایک فوجی نے مجھے بار بار یقین دلایا کہ ہم نے آپ کو گرفتار نہیں کرنا، آپ بس نیچے اتر کر ہمارے افسر سے مل لیں، تو میں ان کی باتوں میں آگیا۔ میں گاڑی سے اپنی کلاشن کوف سمیت اترا مگر ارادہ یہی رکھا کہ اگر انھوں نے کوئی خیانت کی تو میں لڑوں گا اور گرفتاری نہیں دوں گا۔ میں نے گاڑی سے اتر کر جب قافلے کی طرف دیکھا تو سب فوجیوں کی پشت پر، قد و قامت میں ان سے کہیں زیادہ بلند، نہایت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس ایک حسین خاتون نظر آئی۔ اس خاتون کا لباس ایسا تھا جیسا نہ تو وزیرستان میں پہنا جاتا ہے اور نہ ہی شاید اس دنیا میں کہیں بھی۔ اور اس کے چہرے سے پھوٹنے والا نور بھی بالکل غیر معمولی تھا۔ میں اسے حیرت سے تک رہا تھا کہ

ایک فوجی نے مجھے پھر اصرار سے کہا کہ ہم آپ کو گرفتار نہیں کرنا چاہتے، آپ اپنی بندوق یہاں چھوڑ کر ہمارے افسر کے پاس چلے جائیں۔ ایک طرف فوجی کی یہ بات تھی تو دوسری طرف وہ نورانی سی خاتون مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ میں دل میں سمجھ گیا کہ یہاں ڈٹنے کا نتیجہ شہادت ہو گا اور یہ غالباً کوئی حور ہے جو مجھے استقامت دینے کے لیے آئی ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ مکروہ فوجی اپنی بات اتنی لجاجت کے ساتھ بار بار دہراتا رہا کہ مجھے اس کی بات درست لگنے لگی۔ میرے دل میں اس لمحے کمزوری آگئی اور میں نے سوچا کہ جب لڑے بغیر جان چھوٹ رہی ہے تو پھر خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے اور میں نے کلاشنکوف گاڑی میں واپس رکھ دی۔ کلاشن رکھ کر جب میں واپس پلٹا تو دیکھا کہ وہ خاتون غائب ہو چکی تھی۔ اب میں خوب پچھتایا اور اپنے کیے پر نادم ہونے لگا اور سمجھ گیا کہ میں نے غلط فیصلہ کیا ہے"۔

اور عملاً ہوا بھی یہی۔ فوجیوں نے امان دے کر، وعدے کی خلاف ورزی کی اور جیسے ہی یہ عالمِ دین فوجی گاڑیوں کے قریب پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد انہیں کچھ عرصہ وانا کے فوجی کیمپ میں رکھا گیا اور پھر پشاور میں آئی ایس آئی کی خفیہ جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔ جیل میں انہیں برہنہ کر کے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا، الٹا لٹکا کر پانی میں غوطے دیئے گئے، ڈنڈوں سے مارا گیا، ڈاڑھی کی توہین کی گئی، غرض ان کے عالمِ دین ہونے کے سبب ان سے خصوصی نفرت کا معاملہ برتا گیا۔ لیکن جو تشدد ان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا، وہ یہ تھا کہ انہیں ایک تنگ و تاریک تہہ خانے میں ہاتھ باندھ کر ڈال دیا گیا۔ کچھ دیر میں انہیں احساس ہوا کہ ان کے جسم پر کوئی چیز چڑھ رہی ہے۔ جب آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس تنگ سے کمرے کا فرش تہہ در تہہ پڑے ہزاروں لال بیگوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی لال بیگ آہستہ آہستہ دسیوں اور سینکڑوں کی تعداد میں ان کے جسم پر چڑھ رہے تھے۔ یہی نہیں، بلکہ کمرے میں بلی جیسے حجم کے حامل، بڑے بڑے بھوکے چوہے بھی تھے، جو ان کے جسم پر جگہ جگہ کاٹتے تھے۔ اس وحشت ناک منظر کو دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں اور یہ زور زور سے جیل کے عملے کو پکارنے لگے لیکن عملے نے ان کی چیخ و پکار پر کان نہ دھرا۔ پھر انھوں نے اللہ کا ذکر شروع کیا۔ جتنی دیر یہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ان کا جسم یوں سن رہتا گویا کسی کیڑے کے چڑھنے یا کسی چوہے کے کاٹنے کا سرے

سے احساس ہی نہ ہو۔ اور جیسے ہی یہ ان کیڑوں کو دیکھ کر گھبرا کر ذکر کرنا چھوڑتے اور چیخ و پکار کرتے تو تکلیف پھر شروع ہو جاتی۔ یہاں تک کہ انھوں نے بس اللہ کے ذکر ہی کو اپنی اصل پناہ گاہ سمجھ لیا اور یوں یہ تکلیف سہنا آسان ہو گیا۔ پھر اس سے بھی حیرت انگیز بات ان بھائی نے یہ بتائی کہ جب یہ نماز پڑھتے اور نماز کے لیے سجدہ کرنے جاتے، تو زمین پر موجود یہ تہہ در تہہ لال بیگ اور یہ بڑے بڑے چوہے موجوں کی طرح دائیں بائیں ہٹ جاتے اور ان کے لیے پیشانی زمین پر رکھنے کی جگہ چھوڑ دیتے۔ پھر جب یہ سیدھے بیٹھ جاتے تو وہ سب حشرات وغیرہ واپس لوٹ آتے۔ ان بھائی کا کہنا تھا کہ جانوروں اور حشرات الارض کو بھی ایک کمزور سے مجاہد بندے کے لیے مسخر دیکھ کر مجھے بہت تقویت ملی اور یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کی تائید اور اللہ کی تمام مخلوقات کی ہمدردی ہمارے ساتھ ہے۔

امریکیوں کی قید میں عظیم الشان بشارت

مجھے شیخ ابو یحییٰ اللیبی حفظہ اللہ نے بذاتِ خود یہ واقعہ سنایا کہ جب انھیں کراچی سے گرفتار کر کے افغانستان میں واقع بگرام جیل لے جایا گیا تو ابتدائی کچھ ماہ نہایت کٹھن گزرے۔ بالعموم ابتدائی مہینوں میں تفتیش اور تشدد بھی زیادہ کیا جاتا ہے اور قیدی بھی جیل کے ماحول سے نامانوس ہوتے ہیں اس لیے یہ مہینے بہت صبر طلب ہوتے ہیں اور اللہ کی خصوصی مدد ہی سے گزر پاتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ امریکیوں کی قید میں غالباً ان کا چوتھا مہینہ تھا، جیل کی تنگ و تاریک سی کوٹھڑی میں تنہا شب و روز گزر رہے تھے، رب کے سوا کسی کا سہارا باقی نہیں بچا تھا...... کہ ایک رات ایک ایسا ایمان افروز خواب دیکھا جس نے سارا غم دور کر دیا اور اللہ کی معیت و قربت کے احساس نے کمزور دلوں کو تھام لیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میں ایک مسجد میں داخل ہوتا ہوں جہاں جمعے کی نماز کے بعد درس کا حلقہ لگا ہوتا ہے۔ سعودیہ کے معروف نابینا عالمِ ربانی شیخ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ[1] کھڑے درس دے رہے ہوتے ہیں اور مجاہدین کو درپیش سختیوں اور آزمائشوں کا ذکر کر کے ان

[1] شیخ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ کا شمار جزیرۂ عرب کے ان کبار علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے قیام کے بعد اس کی تائید میں فتاویٰ جاری کیے، جزیرۂ عرب سے امریکی افواج کو نکال باہر کرنے کے وجوب کا فتویٰ دیا اور گیارہ ستمبر کے

کو تسلی کے کلمات کہہ رہے ہوتے ہیں۔[2] شیخ فرماتے ہیں کہ میں شیخ حمود بن عقلاء کی بات سنتے سنتے مسجد سے باہر نکل آتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہی آواز جو پہلے مسجد سے آرہی تھی اب آسمان کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ آسمان سے یہ واضح ندا آتی ہے: "صبر کرو کیونکہ تم لوگ حق پر ہو، صبر کرو کیونکہ تم اللہ کے نصرت یافتہ لوگ ہو"! شیخ فرماتے ہیں کہ میں آگے بڑھتا جاتا ہوں اور آسمان سے یہ جملہ بار بار دہرایا جاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں لیبیا میں واقع اپنے گھر میں داخل ہو جاتا ہوں اور چلتے چلتے اس کے غسل خانے کی طرف بڑھتا ہوں۔ غسل خانے کے بند دروازے کو کھولتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ پھر سے آگے شیخ حمود بن عقلاء رحمہ اللہ موجود ہوتے ہیں اور اس بار ایک ساتر لباس پہن کر غسل کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ شیخ مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہیں تو میں شرما کر دروازہ بند کر دیتا ہوں۔ دروازہ بند کرنے کرنے میں ایک آواز آتی ہے کہ "شاید مجاہدین غمگین ہیں"، نجانے یہ آواز شیخ حمود رحمہ اللہ کی ہوتی ہے یا آسمان سے آتی ہے، لیکن اس کے بعد کی بات تو واضح طور پر آسمان سے ہی آتی سنائی دیتی ہے۔ آسمان سے ندا آتی ہے کہ: "کیا مجاہدین کو خوش کرنے کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ میں ان سے راضی ہو گیا ہوں، کبھی ناراض نہیں ہوں گا؟! وہ مجھ سے جو کچھ مانگتے ہیں میں انہیں دوں گا، یعنی فتح اور مزید بھی بہت کچھ!"

اس سراپا بشارت خواب نے جیل میں موجود سبھی بھائیوں کے حوصلے بلند کر دیے، دلوں کو سکینت و ثبات بخشا اور یہ واضح کر دیا کہ دشمنانِ اسلام مجاہدین کے جسموں کو تو قید کر سکتے ہیں لیکن ان کے قلوب و اذہان کو، ان کی آزاد روحوں کو فضا کی بلندیوں میں پرواز کرنے اور رب سے راز و نیاز کرنے سے نہیں روک سکتے۔

بعد اس عظیم الشان کارروائی کے جواز اور امریکہ کے خلاف جہاد کے فرضِ عین ہونے کا فتویٰ بھی دیا۔ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں سعودی حکومت نے اس بزرگ نابینا عالم کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ اللہ ان سے راضی ہو اور جنت کے اعلیٰ ترین مقامات سے نوازے، آمین!

[2] یاد رہے کہ یہ وہ کٹھن دور تھا جب سقوطِ امارتِ اسلامیہ کے صدمے کے بعد پاکستان میں ہر چند دن بعد کسی نمایاں جہادی قائد کی گرفتاری کی خبریں مجاہدین کے حوصلے آزما رہی تھیں۔

ایک زخمی ساتھی پر اللہ کی رحمت

سن ۲۰۰۸ء میں وانا کے علاقے کلوشہ میں مجاہدین کے ایک مرکز پر ڈرون طیاروں نے بمباری کی۔ چھ افغانی اور دو پاکستانی ساتھی بمباری میں شہید ہوئے اور متعدد ساتھی زخمی بھی ہوئے۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والے یاسین بھائی بھی زخمی ہونے والے ساتھیوں میں شامل تھے۔ ان کی ٹانگ اور کولہے کی ہڈی اس بمباری سے ٹوٹی تھی، جس کے سبب ٹانگ کو تھوڑی سی حرکت دینا بھی ناقابلِ برداشت تکلیف کا باعث بنتا تھا اور پورا ہسپتال ان کی چیخوں سے گونج اٹھتا تھا۔ ایسے میں مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ یہ بھائی بیت الخلاء کیسے جائے گا اور اپنی حاجت کیسے رفع کرے گا؟ لیکن اللہ رب العزت نے اس بھائی پر خاص کرم فرمایا۔ تقریباً دو ہفتے تک اس بھائی نے ہر قسم کی خوراک کھائی، پیٹ بھر کر تین وقت کھانا کھایا، لیکن اسے ایک بار بھی بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، نہ ہی پیٹ میں کسی قسم کی تکلیف ہوئی۔ یوں اپنی تکلیف کے ابتدائی دو ہفتے اس بھائی نے آرام سے کھاتے پیتے بستر پر گزار دیئے اور جب ٹانگ کا زخم کچھ بہتر ہو گیا اور تکلیف ذرا کم ہو گئی تو پھر سے نظامِ انہضام حسبِ معمول بحال ہو گیا۔

فانظروا ماذا عليه أهل الثغور

منہجِ جہاد پر سوالات، علمائے جہاد کے جوابات

ادارۂ حطین

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ دین یکایک نہیں اٹھایا جائے گا بلکہ علماء کے اٹھائے جانے سے علم بھی اٹھتا جائے گا۔ گزشتہ ایک سال کے دوران صرف خطۂ خراسان میں موجود مجاہدین کو تین کبار علماء کی شہادت، ایک عالمِ دین کی وفات اور چار سے زائد اہلِ علم کی گرفتاری کا صدمہ اٹھانا پڑا ہے۔ یقیناً یہ ایک لمحۂ فکریہ بھی ہے اور اللہ رب العزت کے سامنے گڑگڑانے کا مقام بھی کہ وہ ربِ کریم ہمارے گرفتار اہلِ علم ساتھیوں کو رہائی نصیب فرمائے، شہداء کو قبول فرمائے اور امت کو ان عظیم شخصیات کا بہترین نعم البدل بھی عطا فرمائے جو اس علمی خلاء کو پر کرنے کا کام کر سکیں۔ یہ سلسلہ شروع کرنے کا محرک بھی یہی واقعات ہیں۔ ہماری کوشش ہو گی کہ اس سلسلے کے ذیل میں جہاد سے متعلق اہم موضوعات پر علمائے جہاد کے ایسے قیمتی اقوال جمع کر دیئے جائیں جو میدان میں موجود مجاہدین اور بعد میں آنے والی نسلوں کو جہادی منہج کا درست فہم عطا کرنے میں مدد دے سکیں، ان شاء اللہ۔ ہماری کوشش ہو گی کہ تحریر کا طرز سوال جواب کے انداز میں رہے تا کہ قارئین کے لیے بات سمجھنا آسان ہو جائے اور تحریر بھی بوجھل نہ ہونے پائے۔ (مدیر)

سوال: تکفیر کے مسائل کے حوالے سے ایک عام مجاہد کا، جو کہ عالمِ دین نہ ہو، طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟

شیخ عطیۃ اللہ اللیبی رحمہ اللہ: "مسئلۂ تکفیر ان حساس شرعی مسائل میں سے ہے جن کی خطرناکی سے ہم ہمیشہ اپنے نوجوانوں کو خبردار کرتے رہے ہیں۔ ہم اپنے مجاہد بھائیوں سے یہی

کہتے ہیں کہ یہ حساس مسائل اپنے معتمد علماء کے لیے چھوڑ دیں اور ہر ایرے غیرے کو ان مسائل میں کودنے کی اجازت نہ دیں۔ یہ تو علم کا وہ باب ہے جس کی نزاکت وخطرناکی کے پیشِ نظر اکابر علماء اورائمۂ کرام بھی اس کی بہت سی عملی صورتوں پر گفتگو کرنے اور متعین افراد پر حکم لگانے سے گھبراتے تھے[1]، اور ہمیشہ محفوظ راستہ اختیار کرتے تھے۔ ہمارے اسلاف تو کہا کرتے تھے کہ: ہمیں اپنا دین محفوظ رکھنے سے بڑھ کر کوئی شے محبوب نہیں!

پس ایک عامی نوجوان کے لیے اتنا علم بہت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور رسولِ اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر اجمالی ایمان رکھے اور اسی طرح طاغوت سے اجمالاً انکار کرے۔ رہا ان امور کی تفصیلات میں جانا اور یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ فلاں شخص کا حکم کیا بنتا ہے اور فلاں جماعت دین سے خارج ہے یا نہیں؟......... یا ایسی ہی دیگر تفصیلات میں اترنا، تو ان میں اپنے علمی مقام کو سامنے رکھ کر ہی بات کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہ مسائل، فتوے اور شرعی قضاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس جسے ان ابواب کا علم نہ ہو وہ خاموش رہے یا کہہ دے کہ 'مجھے نہیں معلوم!' ایسا کہنے سے اس کے ایمان میں، اس کے دین میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہی رویہ اختیار کرنا ایمان کا عین تقاضا ہے۔

کسی جاہل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان مسائل میں زبان کھولے یا لوگوں پر احکامات منطبق کرے یا کسی شخص کے کافر ہونے کے معاملے میں اپنی ایک مستقل رائے رکھے، سوائے اس صورت میں جب وہ کسی عالم کی اتباع و تقلید کرتے ہوئے ان کی رائے دہرا رہا ہو۔ دین کا علم نہ رکھنے والے شخص کا کام تو یہی ہے کہ اگر اس سے ایسے مسائل میں رائے مانگی جائے تو صاف کہہ دے کہ: "مجھے

---

[1] یہاں یہ نکتہ واضح رہنا ضروری ہے کہ تکفیر کی نظری بحث اور تکفیر کے حکم کی عملی تطبیق دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ علماء کی بہت کثیر تعداد تکفیر کی نظری بحث پر بات کرتی رہی ہے اور عوام الناس کو بھی یہ نظری مباحث پڑھاتی رہی ہے، لیکن تکفیر کے حکم کو عملاً کسی فرد یا جماعت پر چسپاں کرنا وہ کام ہے جو کلیتاً علماء ہی کے سپرد ہوتا ہے، عامی کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس میں دخیل ہو۔ مثلاً اس دور میں اجمالاً یہ بات جاننا تو عامی کے لیے بھی نہایت اہم ہے کہ جمہوریت اسلام سے علیحدہ ایک مستقل دین ہے اور اپنے بنیادی اصولوں کے اعتبار سے صریح کفر ہے۔ لیکن اس نظری حکم کو لے کر جمہوریت میں اترے کسی متعین فرد یا جماعت پر کفر کا فتویٰ چسپاں کر دینا، یہ وہ کام ہے جس سے ایک عامی کو (یعنی ایسے شخص کو جو عالم نہ ہو،) کوسوں دور رہنا لازم ہے۔ (مدیر)

نہیں معلوم، جاؤ جا کر علماء سے پوچھو!" پھر اگر کوئی ثقہ عالم کسی شخص یا کسی جماعت کے بارے میں نام لے کر ان کی تکفیر کر دے تو ان کی اتباع یا تقلید کرتے ہوئے ان کی رائے دہرا دینا اس عامی کے لیے جائز ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہر خیر و بھلائی کی توفیق دینے والے ہیں"۔

(لقاء مع الشيخ عطية الله رحمه الله، الحسبة (عربی) جہادی فورم)

امریکی اور نیٹو افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں سے متعلق ایک اہم فتویٰ

مولانا امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ

سوال: افغانستان میں تعینات امریکی افواج کے لیے پاکستان کے راستے سے اسلحہ اور سازوسامان لے جانے والے کنٹینروں اور ان میں موجود سامان کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا مجاہدین کے لیے جائز ہے کہ وہ ان پر حملہ کریں اور ان میں موجود ساز و سامان پر قبضہ کریں، بالخصوص جب کہ یہ معلوم ہو کہ ایسا کرنے سے امریکی کافروں کو زبردست اقتصادی خسارہ پہنچتا ہے؟ پھر اگر ان کنٹینروں پر حملہ کرنا جائز ہو تو ان میں موجود سامان کا شرعی حکم کیا ہو گا؟ کیا اس پر غنیمت کے احکام لاگو ہوں گے؟ اور کیا عوام المسلمین کے لیے جائز ہے کہ وہ مجاہدین سے یہ سامان قیمتاً خریدیں؟

جواب: جان لیجئے کہ مجاہدین کے لیے جائز ہے کہ جب اور جہاں ان کے بس میں ہو وہ حربی کافروں کے اموال کو نقصان پہنچائیں یا انھیں اپنے قبضے میں لیں، سوائے اس صورت میں جب ایسا کرنے سے جہاد اور اہل جہاد کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہو۔ یہ اس لیے کہ حربی کافروں کے اموال کا حکم اصلاً یہی ہے کہ وہ مباح ہیں اور انھیں کسی قسم کا تحفظ و عصمت حاصل نہیں، لہٰذا قتال کے ذریعے ان اموال پر قبضہ کرنا جائز ہے خصوصاً جب کہ یہ حربی کافر دارالاسلام پر قبضہ کیے بیٹھے ہوں، جیسا کہ آج امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کر رکھا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دستے نجد کی طرف گئے اور واپسی

پر بنو حنیفہ قبیلے کے ثُمامہ بن اُثال نامی شخص کو پکڑ کر ساتھ لے آئے۔ ثمامہ احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا کہ اسے پکڑ لیا گیا۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مسجد نبوی ﷺ کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا۔ جب نبی ﷺ کا گزر اس شخص پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے ثمامہ! کیا تمہارے پاس کچھ کہنے کو ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس ایک بھلی بات ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کے اوپر پہلے سے خون ہے اور اگر احسان فرما کر چھوڑ دیں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان فرمائیں گے جو شکر گزاری کرنا جانتا ہے۔ اور اگر آپ مال چاہیں گے تو بتایئے، جتنا مال آپ چاہیں گے آپ کو ملے گا۔

پس اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حربی کافر اگر عمرے کی نیت سے بھی نکلا ہو تو اسے پکڑنا اور اس کا مال و متاع لوٹنا جائز ہے۔ سیرت ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جہاں رسول اکرم ﷺ بذاتِ خود اور آپ ﷺ کے صحابہ کفار کے قافلوں پر حملے کے لیے نکلتے تھے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ ابو سفیان رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے تجارتی قافلے پر حملے کے لیے نکلے۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے صفوان کا قافلہ لوٹا اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کے قافلوں پر حملے کرتے رہے۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب ''الرحیق المختوم'' ملاحظہ کیجیے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ مجاہدین کے لیے دشمن کے اسلحے اور ساز و سامان سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہو تو انھیں یہ سامان کافروں کے لیے نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اسے جلادینا چاہیے۔ چنانچہ ''الدر المختار ۳/ ۲۳۰'' میں لکھا ہے کہ:

''كما تحرق أسلحة وأمتعة تعذر نقلها، وما لا يحرق منها كحديد يدفن بموضع خفي وتكسر أوانيهم وتهراق أدهانهم مغايضة لهم''۔

''اسی طرح جو اسلحہ اور ساز و سامان اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو اسے جلا دیا جائے۔ اور جس سامان کو جلانا ممکن نہ ہو، مثلاً لوہا وغیرہ تو اسے کسی مخفی جگہ پر چھپا دیا جائے۔ نیز کفار کے برتن توڑ دیے جائیں اور اس میں موجود تیل وغیرہ بہا دیا جائے تاکہ انھیں غیض و غضب دلایا جاسکے''۔

اسی طرح کتاب "أحكام المجاهد بالنفس ٢/٤٩٦" میں درج ہے:

"إتفق العلماء على جواز إهلاك أموال أهل الحرب في أثناء المعركة ولا يجوز إتفاقاً عندما يغنمها المجاهدون لأنه مالهم و نهى الرسول صلى الله عليه وسلم عن إضاعة المال۔ وإذا خافوا أن يسترده العدو فيجوز إتلافه" ملخصاً، أنظر البدائع: ٦/٥٢ وغيره۔

"اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دوران جنگ حربی کافروں کے اموال تباہ کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ حربی کافروں کے مال پر قبضہ کر لینے کے بعد اسے ضائع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اب وہ مال غنیمت بن گیا ہے اور مجاہدین کا اپنا مال ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کو) مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اگر یہ سازو سامان دوبارہ دشمن کے ہاتھ لگنے کا خدشہ ہو تو اسے تلف کرنے میں حرج نہیں"۔

پس جب مجاہدین کے لیے کفار کے اس مال سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو تو اس پر غنیمت ہی کے احکام منطبق ہوں گے اور اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے ایک بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا جب کہ چار حصے مجاہدین پر تقسیم کیے جائیں گے۔ اس کے بعد مجاہدین کے لیے جائز ہے کہ جو سازوسامان ان کے حصے میں بطور غنیمت آئے وہ اسے قیمتاً بیچ دیں۔

الغرض اختصار سے میں اتنا ہی کہوں گا کہ اگر ان کنٹینزوں کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹنا جائز نہیں تو پھر کس چیز کو غنیمت کے طور پر لوٹنا جائز ہو گا؟

(فتاوٰی الدین الخالص للشیخ أبو محمد أمین الله البشاوري: ج ٩، ص ٣٨٩، ٣٩٠)

عـــراق کے تجربات کی روشنی میں
افغـانی مجـاہدین کو چـنـد نصیحتیں

عراق میں برسرِ پیکار ایک مجاہد کے قلم سے / عربی سے ترجمہ: محمد انس

زیرِ نظر تحریر انٹرنیٹ پر موجود ایک معروف جہادی فورم ''شموخ الاِسلام'' سے لی گئی ہے۔ تحریر کے مصنف اس فورم پر ''شنکائی'' کے رمزی نام سے لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس تحریر کے بنیادی مخاطب افغانستان میں برسرِ پیکار مجاہدین ہیں، لیکن اس میں پاکستان سمیت تمام ہی محاذوں پر موجود مجاہدین کے لیے بہت سے اہم اسباق ہیں۔ ہمارا دشمن بنیادی طور پر ایک ہی ہے اور مختلف محاذوں پر ہمارے خلاف جو جنگی چالیں چلی جا رہی ہیں، ان میں بھی کئی اصولی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف محاذوں پر موجود مجاہدین کے طرزِ جنگ میں بھی کئی اعتبار سے مماثلت ہے۔ چنانچہ اس تحریر کا فائدہ کسی ایک محاذ تک محدود نہیں۔ ہماری کوشش ہو گی کہ مضمون کے اہم مقامات پر حاشیوں کا اضافہ کر کے پاکستان کی جہادی تحریک کے لیے حاصل ہونے والے اہم اسباق کی طرف بھی اشارہ کر دیں۔ اللہ سے امید ہے کہ عراق کے محاذ کے یہ قیمتی تجربات، پاکستان کی جہادی تحریک کے قائدین کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوں گے اور وہ اپنی مستقبل کی حکمتِ عملی وضع کرتے ہوئے ان اسباق سے استفادہ کریں گے۔ (مدیر)

مجاہدین کے خلاف امریکہ کی نئی حکمتِ عملی

امریکہ نے مجاہدین سے کئی سال پنجہ آزمائی کے بعد جو اسباق سیکھے ہیں، ان کی روشنی میں وہ اپنی حکمتِ عملی میں کچھ تبدیلی لایا ہے۔ اس کی نئی حکمتِ عملی کا خلاصہ یہ ہے کہ **مجاہدین کو کسی طرح ان کی محفوظ پناگاہوں سے نکال کر آمنے سامنے کھلی جنگ میں اتارا جائے اور ان کے مقابلے کے لیے مقامی مرتد قوتوں کو آگے کیا جائے۔ ایک مرتبہ اس حکمتِ عملی پر کامیابی سے عمل شروع ہو**

جائے تو امریکہ مجاہدین کے خلاف روایتی جنگ میں شرکت سے پیچھے ہٹ کر اپنی قوت ان کے خلاف غیر روایتی جنگ لڑنے پر مرکوز کر دے گا۔[1] عراق میں مجاہدین کے خلاف یہی حکمت عملی مؤثر طریقے سے استعمال کی گئی اور اب اس سے ملتی جلتی حکمتِ عملی افغانستان اور دیگر محاذوں پر بھی اپنائی جا رہی ہے۔ اس تحریر میں ان شاءاللہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ عراق میں مجاہدین نے اس حکمتِ عملی کا توڑ کس طرح کیا۔ نیز ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ عراق اور افغانستان کے محاذوں میں کیا بنیادی فرق ہے، کیونکہ صلیبی فوج اس فرق کو سامنے رکھ کر تنفیذی سطح پر کچھ تبدیلیاں کر رہی ہے، جبکہ بنیادی اہداف اور حکمتِ عملی اپنی جگہ برقرار ہے۔

شہروں پر قبضہ کرنے اور کھلی جنگ کی طرف منتقل ہونے میں جلد بازی کا نقصان

جنگ کے مختلف مراحل اور ان کے تقاضوں کو ٹھیک طرح نہ سمجھ پانا اور حالات تیار ہونے سے پہلے ہی ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقل ہو جانا چھاپہ مار جنگ میں ایک مہلک غلطی ثابت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص شہروں میں پھیلنے اور ان کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لینے کے مرحلے میں خوب سوچ سمجھ کر داخل ہونا چاہیے۔ چھاپہ مار جنگ کے ماہرین، چاہے وہ مجاہدین میں سے ہوں یا کفار میں سے، ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دشمن کی کمر توڑنے اور اس کی مرکزی قوت کو تباہ کرنے سے

---

[1] غیر روایتی جنگ کی طرف منتقل ہونے سے یہاں مقصود یہ ہے کہ امریکہ اپنی بھاری بھر کم نفری کے ساتھ مجاہدین سے دُوبدو مقابلہ کرنے کی بجائے، فوجیوں کی ایک محدود سی تعداد استعمال کرتے ہوئے جاسوسی کے عمل کو تیز کرے گا اور جمع کردہ معلومات کی مدد سے ڈرون حملے کرنے اور اچانک چھاپے مارنے جیسے ذرائع استعمال کرے گا، تاکہ اپنا نقصان کم سے کم کرتے ہوئے مجاہدین پر زیادہ سے زیادہ کاری وار کر سکے۔ پاکستانی قبائلی علاقہ جات میں بھی بڑی حد تک یہی ہو رہا ہے۔ مجاہدین سے دوبدو مقابلہ کرنے کا کام پاکستانی فوج نے سنبھال رکھا ہے، جبکہ امریکی سی آئی اے اہلکاروں کی ایک محدود تعداد قبائلی علاقہ جات میں واقع مختلف فوجی کیمپوں میں مقیم ہے جو استخباراتی جنگ پر انحصار کرتے ہوئے مجاہدین کی قیادت اور اہم اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ بہت جلد صومالیہ و یمن کے درمیان موجود سمندری پٹی سے لے کر ایران و بلوچستان کے ساحلوں تک کے درمیان مستقل گشت کرنے والا ایک ہوائی جہاز بردار بحری بیڑہ بھی تعینات کرنے لگا ہے جو ڈرون طیاروں کے لیے ایک متحرک ہوائی اڈے کا کام بھی دے گا اور جہاں امریکی کمانڈو دستے (مارینز) بھی مستقل تعینات ہوں گے تاکہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے صومالیہ، یمن اور پاکستان و افغانستان وغیرہ میں منتخب اہداف پر چھاپہ مار کارروائیاں کی جا سکیں۔

پہلے اس مرحلے کی طرف ہرگز منتقل نہ ہوا جائے۔ اکثر اوقات دشمن مجاہدین کو دھوکہ دے کر اس مرحلے میں قبل از وقت کھینچ لاتا ہے تاکہ مجاہدین اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر سامنے آجائیں اور وہ اپنی بھرپور قوت کے ساتھ ان پر وار کر سکے۔[2] جب تک مجاہدین اس مرحلے میں داخل نہیں ہوتے، تب تک دشمن محض سایوں کا تعاقب کر رہا ہوتا ہے اور مجاہدین اپنی محفوظ پناہ گاہوں سے نکل کر، کامیابی سے وار کر کے، پھر واپس پناہ گاہوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یوں مجاہدین کا نقصان بہت محدود رہتا ہے، جبکہ دشمن مستقل پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔

مجاہدین کو اس مرحلے کی طرف دھکیلنے کے لیے دشمن کی چالیں

عراق میں مجاہدین کو اس مرحلے کی طرف دھکیلنے کے لیے دشمن نے جو اہم اقدامات کیے، وہ کچھ یوں تھے:

۱. امریکی افواج نے اپنی کمر ٹوٹ جانے کے اعلانیہ اعترافات کیے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایسی غیر واقعی خبریں نشر کیں جن سے ان کی کمزوری اور جنگ جاری رکھنے سے بے بسی ظاہر ہو۔[3] بعض اوقات ایسی خبریں درست بھی ہوتی تھیں، لیکن عام حالات میں دشمن ایسی خبریں نشر نہیں ہونے دیتا تاکہ مجاہدین نفسیاتی برتری نہ حاصل کر سکیں اور نہ ہی میڈیا کی جنگ میں ایسی خبروں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ خبریں قصداً نشر کر کے دشمن نے نفسیاتی محاذ پر وقتی نقصان ضرور اٹھایا، لیکن اس کے بالمقابل وہ مجاہدین کے سامنے حالات کی غلط تصویر پیش کرنے میں کامیاب رہا اور اس

---

[2] ہماری ناقص رائے میں سوات میں مجاہدین کے ساتھ تقریباً ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ فوج نے سوات میں اگرچہ مجاہدین کے ہاتھوں مار بھی بہت کھائی، لیکن بالآخر اس نے مجاہدین کے خلاف یہی حکمتِ عملی استعمال کی کہ اچانک پیچھے ہٹ کر ایک خلاء پیدا کر دیا۔ مجاہدین اس خلاء کو پر کرنے کے لیے آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے مینگورہ اور بونیر تک پر قابض ہو گئے۔ پس جب وہ ایک وسیع علاقے میں پھیل گئے اور اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر سامنے آگئے تو دشمن کے لیے انہیں ڈھونڈنا اور نشانہ بنانا بھی آسان ہو گیا اور اس نے ایک بھرپور جوابی حملہ کیا، جس نے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔

[3] جیسا کہ پاکستانی اور عالمی میڈیا نے سوات کے آخری فوجی آپریشن سے قبل یہ خبریں زور و شور سے نشر کیں کہ مجاہدین اسلام آباد سے صرف ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گئے ہیں۔ یقیناً اس خبر کے اس انداز میں صبح و شام دہرائے جانے سے اس بات کے امکانات بڑھ گئے کہ مجاہدین بے جا خود اعتمادی میں مبتلا ہوں اور دشمن کی قوت کا درست اندازہ نہ لگا پائیں۔

تصویر کو درست سمجھ کر مجاہدین شہروں میں پھیل گئے اور ان کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مثال کے طور پر دشمن نے یہ خبر نشر کی کہ امریکی فوج کو مزید بھرتیاں کرنے میں بہت دشواری کا سامنا ہے اور کئی مہینوں سے فوجیوں کی بھرتی کی کم سے کم سطح بھی پوری نہیں ہو پا رہی۔ ان خبروں کی صداقت اپنی جگہ، لیکن ان کو اس انداز میں نشر کرنے کا مقصد مجاہدین کو یہ تاثر دینا تھا کہ دشمن مزید فوج میدان میں اتارنے کے قابل نہیں رہا، لیکن جلد ہی ۳۰ ہزار مزید فوجی عراق بھیج کر امریکہ نے سب کو حیران کر دیا۔

۲. امریکہ اور اس کے مقامی اتحادیوں نے بعض علاقے خالی کر کے ایک ایسا خلاء پیدا کر دیا جسے پُر کرنے کے لیے مجاہدین کو آگے آنا پڑا۔ مجاہدین کے سامنے آنے کی ایک اہم وجہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ کوئی دین دشمن قوت، مثلاً بعث پارٹی وغیرہ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے نہ اٹھ کھڑی ہو۔

مجاہدین کی قیادت کے روز مرہ انتظامی مسائل میں الجھ جانے کے نقصانات

مذکورہ بالا دو اقدامات تو دشمن نے کیے، جبکہ ایک مسئلہ خود مجاہدین کے داخلی نظم میں موجود تھا۔ مجاہدین کی وہ اعلیٰ قیادت جس کی اصل ذمہ داری منصوبہ بندی کرنا اور حکمتِ عملی بنانا تھی، وہ روز مرہ کے مسائل حل کرنے میں الجھ گئی۔ نتیجتاً ساری ذہنی اور دماغی قوت روز مرہ کے امور سنبھالنے میں صرف ہوتی رہی جس کے سبب دشمن کی بدلتی حکمتِ عملی پر نگاہ رکھنے اور اس کا توڑ ڈھونڈنے جیسا اہم کام متاثر ہوا۔[۴] یقیناً اس کمزوری کا بنیادی سبب یہی تھا کہ مسائل کے حجم، مشکلات کی شدت اور دشمن کی کثرت کے مقابلے کے لیے جتنی افرادی قوت درکار تھی وہ مجاہدین کو میسر نہیں تھی اور ایک ایک فرد پر بیک وقت متعدد ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ لیکن بہر حال اس داخلی

---

[۴] یہ مسئلہ تو قبائلی پٹی میں موجود تقریباً تمام ہی مقامی و غیر مقامی جہادی مجموعات میں پایا جاتا ہے، الّا من رحم اللہ۔ یقیناً قحط الرجال اس کا ایک اہم سبب ہے لیکن یہ مسئلہ لا علاج نہیں۔ ہر جہادی مجموعے کی قیادت پر لازم ہے کہ وہ اپنی ترجیحات واضح طور پر متعین کرے اور روز مرہ انتظامی مسائل میں الجھ کر اپنی اصل ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو۔ قائدین کا اصل کام دشمن کی چالوں پر نگاہ رکھنا، جہادی تحریک کی سمت کو درست رکھنا، مجاہدین میں وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل پیدا کرنا، اپنی تحریک میں پیدا ہونے والی کمزوریوں کی نشان دہی کرنا، قوم کے سامنے اپنی دعوت مؤثر انداز میں پیش کرنا اور اسی سطح کے دیگر فرائض سر انجام دینا ہے۔

کمزوری اور خارج سے دشمن کی چالوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ مجاہدین نے دشمن کے متعلق غلط اندازہ لگایا اور یوں جنگ کا یہ مرحلہ مجاہدین کے ہاتھ سے نکل گیا اور مجاہدین کی قوت منتشر ہو گئی۔ مجاہدین کی قوت منتشر ہونے کے تباہ کن نتائج کو بیان کرنے کے لیے تو ایک علیحدہ تحریر درکار ہے۔

چھاپہ مار قوت کے لیے لچک کی اہمیت

چھاپہ مار جنگ کے ماہرین، مثلاً: شیخ یوسف العُییری رحمہ اللہ اور شیخ ابو مصعب السوری (فَکَّ اللہُ اَسرَہُ) اس بات پر شدت سے زور دیتے ہیں کہ چھاپہ مار قوت میں اتنی لچک ہونا ضروری ہے کہ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس نے شہروں پر وقت سے پہلے قبضہ کر لیا ہے تو وہ نکل کر دوبارہ پیچھے ہٹ سکے۔ اس مرحلے کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ ابتداء میں شہر پر جزوی گرفت قائم کی جائے اور اس کے بعد بھی محض تجرباتی بنیادوں پر مکمل نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ پھر کچھ عرصے بعد صورتِ حال کا نئے سرے سے جائزہ لے کر فیصلہ کیا جائے کہ معاملات کو اسی طرح چلنے دینا مناسب ہے یا واپس خفیہ طریقۂ کار کی طرف لوٹ جانا۔ اس انداز سے کام کرنے کے لیے مجاہدین کو بہت لچک کا ثبوت دینا ہو گا تاکہ حالات کا رخ بدلتا دیکھ کر وہ فوراً اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال سکیں۔[۵] ایسے موقع پر مجاہدین کی قیادت کی بھی ذمہ داری ہو گی کہ وہ حالات کے بہاؤ کے ساتھ بہہ

---

[۵] محسود اور بعض دیگر علاقوں میں فوجی آپریشن کے دوران مجاہدین کے نظام میں لچک کی کمی واضح طور پر نظر آئی۔ اصلاً تو شاید مجاہدین کو ان علاقوں میں خطوط بنا کر آمنے سامنے جنگ کرنے کا راستہ اپنانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ جب اپنے اور دشمن کے درمیان قوت کا تناسب ایسا غیر متوازن ہو، تو پھر ابتداء ہی سے چھاپہ مار جنگ کا رستہ اختیار کرنا بہتر رہتا ہے تاکہ اپنا مالی و جانی نقصان کم سے کم رکھتے ہوئے دشمن کو بھرپور زک پہنچائی جاسکے۔ نیز یہی وہ طریقۂ جنگ ہے جس کے مجاہدین عادی بھی ہیں اور الحمد للہ ماہر بھی۔ لیکن اگر جنگ کے ابتدائی مراحل میں خطوط سازی والی جنگ لڑنا بہتر سمجھا بھی گیا تو مطلوب یہی تھا کہ خفیہ چھاپہ مار جنگ کی طرف لوٹنے کی تیاری بھی مکمل ہوتی۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوا اور خطوط ٹوٹنے کے بعد مجاہدین کو دوبارہ چھاپہ مار جنگ کے انداز کی طرف لوٹتے لوٹتے بہت وقت لگ گیا، جس نے دشمن کو علاقے پر گرفت مضبوط کرنے کا پورا موقع دیا اور مجاہدین سے بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔ الحمد للہ آج محسود ایک بار پھر فوج کے لیے حلق کا کانٹا بن چکا ہے اور چھاپہ مار کارروائیاں اپنے عروج پر ہیں، لیکن یہاں گزشتہ مرحلے کی کمزوری پر بات کرنا مقصود ہے تاکہ آئندہ اس سے بچا جا سکے۔ دوسری طرف شمالی

کر اپنا سب کچھ شہروں پر قبضہ کرنے اور وہاں کا نظم و نسق سنبھالنے میں نہ جھونک دے، بلکہ اس مرحلے میں بھی اپنی اصل قوت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرے۔ اسی طرح قیادت کی حفاظت کرنا اور پیش قدمی کے دوران مضبوط نظم و ضبط بر قرار رکھنا بھی نہایت اہم ہے تا کہ صورتِ حال قابو سے نہ نکلنے پائے۔

عراق کے مجاہدین اور امریکہ کی نئی حکمتِ عملی

ذیل کی سطور میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ عراق میں برسرِ پیکار مجاہدین کو امریکہ کی اس نئی حکمتِ عملی کا مقابلہ کرنے میں کیا دشواریاں پیش آئیں، اس دوران ان سے کیا عسکری غلطیاں ہوئیں اور پھر کس انداز سے انہوں نے اپنے کام کو از سرِ نو ترتیب دے کر اس حکمتِ عملی کا مقابلہ کیا۔

عراق میں مجاہدین کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کی بعض عسکری غلطیاں

عراق میں مجاہدین جب چھاپہ مار طرزِ جنگ چھوڑ کر کھلی جنگ کی طرف منتقل ہوئے تو انہیں نقصانات اٹھانے پڑے۔ اس موقع پر کچھ رکاوٹوں کے سبب ان کے لیے خفیہ اندازِ جنگ کی طرف جلد واپس پلٹنا بہت مشکل ہو گیا۔ ان رکاوٹوں میں سب سے نمایاں درج ذیل تھیں:

ا. **عوامی حمایت میں کمی اور دشمنوں میں اضافہ:** مجاہدین نے عوامی حمایت کھو دی اور اپنے ہی علاقوں میں اجنبی بن گئے۔ حکومتی تائید سے کھڑے کیے گئے قبائلی لشکر سر اٹھانے لگے، بعض دینی جماعتیں پیٹھ پھیر گئیں، دشمنوں کی کثرت ہو گئی[٦] اور نتیجتاً مجاہدین مشکلات میں یوں پھنس گئے کہ ان کے لیے خفیہ کام کی طرف فوری لوٹنا مشکل ہو گیا۔

وزیرستان میں مقیم مجاہدین کو بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے نظام میں کتنی لچک موجود ہے اور کسی بھی ممکنہ خطرے کی صورت میں وہ اپنی قوت کی حفاظت کیسے کریں گے اور کیسے اپنے جہادی اعمال سر انجام دیں گے۔

[٦] الحمد للہ قبائلی پٹی میں موجود مجاہدین نے بحیثیتِ مجموعی ان علاقوں کے عوام کی حمایت نہیں کھوئی، اور خطۂ محسود تو عوامی تائید کے اعتبار سے قابلِ رشک نمونہ رہا ہے، لیکن پھر بھی بعض مقامات پر قبائلی لشکروں نے سر اٹھائے ہیں اور اس سے مجاہدین

۲.	**اسالیبِ جنگ تبدیل کرنے میں تاخیر:** جنگ کا بنیادی منصوبہ اور اہداف تو روز روز نہیں بدلتے، لیکن جنگ کرنے کے اسلوب یا طریقوں میں ردّ و بدل ضروری ہوتا ہے۔ زیادہ دیر تک ایک ہی اسلوب سے کام کرتے رہنے سے دشمن ہمارے حربے سمجھ لیتا ہے اور اس کے لیے ہمارا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے۔ اسلوبِ جنگ سے یہاں ہماری مراد قتال کے مختلف اجزاء میں سے ہر ایک کے استعمال کا عملی طریقہ ہے، مثلاً مائن لگانے کے طریقے، سنائپر استعمال کرنے کے طریقے، باہمی رابطوں کے طریقے اور اسی طرح کے دیگر جزوی امور۔ ہمارے دشمنوں نے اس پہلو پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر رکھی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجاہدین کے قتال کے طریقے کو جاننا، اسے سمجھنا، اس کا گہرا فہم حاصل کرنا ہی مجاہدین کو مات دینے کی سمت پہلا قدم ہے۔ اس مقصد کے لیے دشمن نے بہت بڑی سطح پر استخباراتی (انٹیلی جنس) عمل شروع کیا اور یہ کوشش کی کہ ان اسالیبِ جنگ کے جائزے کے نتیجے میں مجاہدین کا وہ پورا طرزِ قتال سامنے آجائے جس پر وہ مستقل عامل ہیں، پھر اس کو سمجھا جائے اور اس کا توڑ نکالا جائے۔[۲] پس انہوں نے مجاہدین کے طرزِ جنگ کا نہایت تفصیل اور باریک بینی سے مطالعہ کیا، جس میں کارروائیوں کے بعد مجاہدین کی طرف سے جاری ہونے والے بیانات اور قیدیوں سے کی جانے والی تحقیقات سے بھی استفادہ کیا۔ اس کی مثال امریکیوں کا یہ جان

کی مشکلات میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً باجوڑ میں سالار زئی لشکر، نیز مہمند، درّہ آدم خیل، باڑہ، مالاکنڈ ایجنسی اور پشاور کے مضافاتی علاقوں میں بننے والے لشکر۔

[۲] پاکستان کے محاذ پر بھی امریکہ اور اس کی اتحادی پاکستانی فوج یہی طریقۂ کار اختیار کر رہی ہے۔ ڈرون حملوں میں دشمن کو جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں ان کے پیچھے کئی سال کا منظم استخباراتی عمل ہے جس کے ذریعے دشمن کے سامنے یہ تصویر کافی حد تک واضح ہو گئی ہے کہ قبائلی علاقہ جات میں قیام پذیر مجاہدین کے کام کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اسی لیے قبائلی علاقہ جات میں موجود مجاہدین کو اپنی کارروائیوں کے طرز میں جدّت لانے اور اپنے باہمی رابطوں، رہائش، نقل و حرکت وغیرہ کے طریقوں کو ہر کچھ عرصے بعد بدلتے رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ دشمن کے لیے استخباراتی کام مشکل بنایا جا سکے۔ جہاں تک پاکستان کے شہری علاقوں میں کارروائیوں کا تعلق ہے تو الحمدللہ مجاہدین دشمن کے اہداف کو نشانہ بنانے کے انداز اور خود اہداف کے چناؤ میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلی لاتے رہے ہیں، جس کے سبب دشمن کے لیے کارروائیوں کو ناکام بنانا بہت مشکل رہا ہے۔ لیکن ابھی بھی کارروائیوں کے انداز میں بہت سی تبدیلیوں کی گنجائش ہے، بالخصوص مائن اور سنائپر کے استعمال کی طرف توجہ دینے اور کفر کے اماموں کی ٹارگٹ کلنگ کرنے کی ضرورت شدت سے باقی ہے۔

لینا ہے کہ کارروائیوں میں عموماً ہر پیر اور جمعرات کو اضافہ ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں مجاہدین عموماً روزے سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دو دنوں میں انہوں نے اپنی نقل و حرکت میں خصوصی طور پر کمی کی۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ دشمن نے مجاہدین کی قیادت اور عام مجاہد ساتھیوں کے درمیان رابطے کے طریقوں سے متعلقہ معلومات اکٹھی کیں، جس کے نتیجے میں ان کے لیے مجاہدین کے رابطوں پر نگاہ رکھنا اور وقت کے ساتھ بعض قیادت کی سطح کے لوگوں تک پہنچنا بھی ممکن ہو سکا۔

لہٰذا مجاہدین کا لڑائی کے متبادل اسلوب اختیار کرنے میں تاخیر کرنا اور پرانے طریقوں ہی پر طویل عرصہ کاربند رہنا ان عوامل میں سے تھا جنہوں نے خفیہ کام کی طرف مطلوبہ تیزی سے لوٹنے کی صلاحیت محدود کر دی۔

۳. **مجاہدین کے نظم کا دشمن پر کھل جانا:** شہروں میں تیزی سے پھیل جانے اور کھل کر سامنے آنے کے نتیجے میں مجاہدین کا بیشتر نظم دشمن پر عیاں ہو گیا۔ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد لوگوں کے سامنے پوری طرح کھل گئی اور بہت سے لوگ اپنی اصل شناخت کے ساتھ معروف ہو گئے جس کے نتیجے میں خفیہ کام کی طرف واپسی مشکل اور پیچیدہ ہو گئی۔ مجاہدین کے یوں کھل کر سامنے آنے کے کئی اسباب تھے، جن میں سے چند اہم اسباب ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

- دولتِ اسلامیہ کے قیام کے اعلان کے بعد سینکڑوں مجاہدین کو انتظامی اور شرعی ذمہ داریاں سونپی گئیں، مثلاً: عوام کے درمیان شرعی فیصلے کرنے اور ان کے روز مرہ مسائل حل کرنے کی ذمہ داریاں۔ ان ذمہ داریوں کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر عوام کے سامنے کھل کر آنا اور ان سے قریبی تعلق رکھنا بڑی حد تک ناگزیر تھا، جس کے سبب بہت سے قیمتی ساتھی عوام کی نگاہوں میں آ گئے۔[۸] صلیبیوں نے اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھایا اور اپنے کارندوں کے ذریعے ان بھائیوں کے متعلق تفصیلی معلومات جمع کرنا شروع کیں۔ نتیجتاً یہ لوگ دشمن کے سامنے بھی اپنی

---

[۸] بعینہٖ یہی مشکل سوات و مالاکنڈ میں بھی پیش آئی۔ ایک شہری و نیم شہری علاقے کے معاملات سنبھالنے کی ذمہ داری جب تحریک پر پڑی تو اس کے نتیجے میں بہت سے اہم ساتھیوں کو کھل کر عوام کے سامنے آنا پڑا۔ ان کا معروف ہونا ہی بعد میں ان کے لیے سخت دشواریوں کا سبب بن گیا۔

اصل شناخت کے ساتھ کھل گئے۔ اب اگر یہ بھائی خفیہ کام کی طرف واپس لوٹنا بھی چاہتے تو اس کے لیے متعدد کٹھن امنیاتی اور انتظامی اقدامات اٹھانے پڑتے، یعنی ان کی رہائش کے علاقے تبدیل کرنے پڑتے، انہیں متبادل شناخت فراہم کرنا پڑتی اور ساتھ یہ بھی یقینی بنانا پڑتا کہ یہ سب کچھ امنیت کے پردے میں رہتے ہوئے انجام پائے۔ عوام کے معاملات کا نظم ونسق سنبھالنا وہ سب سے بڑا بوجھ تھا جس کا مجاہدین نے دولتِ اسلامیہ کے قیام کے بعد سامنا کیا۔ ایک ملک کو کامیابی سے چلانا عام حالات میں بھی ایک انتہائی مشکل کام ہے جو بہت سے وسائل اور موافق حالات کا تقاضہ کرتا ہے۔ پھر جب یہی کام حالتِ جنگ میں اور دشمنوں میں گھر کر کرنا پڑے تو اس کی دشواری یقیناً کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

- مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کا مزاج یہ تھا کہ دشمن کو کھل کر للکارا جائے اور اپنی قوت ظاہر کر کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ اسی لیے بہت سے ساتھی نقاب پہنے بغیر ہی شہروں میں کھلے عام کام کرتے تھے، جس کے سبب ان کی شناخت سب کے سامنے کھل گئی۔[9] نیز کئی مجاہدین نقاب پہننے کے باوجود اپنے علاقوں میں پہچان لیے جاتے تھے کیونکہ قبائلی طبیعت والے علاقوں میں اپنی شناخت چھپانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ قبائلی لوگوں کے مشاہدے کی حس بہت قوی ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کا بغور معائنہ کرتے ہیں اور کسی فرد کو صرف اس کے چلنے کے طریقے، اس کی گاڑی، اس کی آواز یا اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے پہچان لیتے ہیں۔[10]

---

[9] قبائل میں مقیم غیر قبائلی مجاہدین سے بھی یہی غلطی سرزد ہوتی رہی ہے کہ بظاہر حالات کو پر امن دیکھ کر امنیت کے سب تقاضے پسِ پشت ڈال دیئے، بازاروں اور عوامی مقامات پر کھل کر آنے لگے اور بہت سے وہ جہادی امور جنہیں چھپانا ممکن بھی تھا اور مطلوب بھی، کھل کر انجام دینے لگے۔ نتیجتاً دشمن کے لیے انہیں اور ان کے کاموں کو جاننا، تلاش کرنا اور نشانہ بنانا آسان ہو گیا۔

[10] قبائلی لوگوں کی یہ خصوصیت دراصل ان کا پہرے داری کا فطری نظام اور ان کی حریت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس خصوصیت کا حامل ہی کوئی فرد اگر جاسوسی کی ملعون راہ پر چل پڑے تو پھر نقصان بھی بہت پہنچاتا ہے۔

● اس عرصے کے دوران بہت سی گرفتاریاں بھی ہوئیں اور گرفتار ساتھیوں سے تفتیش کے نتیجے میں مجاہدین کے بہت سے مجموعوں کے راز دشمن کے سامنے کھل گئے۔[11] اس زمانے میں بعض اوقات صلیبیوں اور مرتدین کی جیلوں میں گرفتار افراد کی تعداد پانچ لاکھ تک بھی پہنچ گئی۔ گرفتار شدگان کی رہائی کے بعد اگر ان کے علاقے میں دوبارہ کوئی واقعہ رونما ہوتا تو انہیں پھر سے گرفتار کر لیا جاتا۔ ان لوگوں کی شناخت کے لیے انسانی آنکھ کے پردے کے نقوش محفوظ کرنے والے الیکٹرونک آلات استعمال کیے جاتے، جس کے نتیجے میں ان کے لیے متبادل شناخت بنانا بہت مشکل ہو گیا۔

۴. **صلیبیوں کی جانب سے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال:** صلیبی افواج نے بعض ایسے جدید ذرائع استعمال کیے جن کے سبب آمد و رفت اور رہائش کی تبدیلی بہت دشوار ہو گئی، بالخصوص ان بھائیوں کے لیے جن کی شناخت پہلے ہی کھل چکی تھی۔ ان جدید ذرائع میں شہروں کے درمیان قائم ناکوں پر آنکھ کے نقوش کے ذریعے شناخت کرنے والے آلات کا استعمال اور مطلوب ساتھیوں کی تصاویر تقسیم کرنا شامل تھا۔ اسی طرح جو علاقے مجاہدین کے مضبوط مراکز سمجھے جاتے تھے، وہاں دشمن نے ایسی جدید ٹیکنالوجی استعمال کی جس کے ذریعے علاقے کا مکمل نقشہ اور وہاں موجود افراد کی تفصیلی معلومات یکجا کر لی گئیں۔ اس ٹیکنالوجی کو وہ demographic mapping یعنی ”آبادی کے نقشے ترتیب دینے“ کا نام دیتے ہیں۔ اس کے ذریعے انہوں نے ایسے نقشے تیار کیے جس میں علاقے میں رہنے والے قبائل، خاندان، افراد کی تعداد، ان کے نام، ان کی انگلیوں اور آنکھوں کے نقوش جمع کر لیے گئے۔ نتیجتاً (ناکوں پر ان معلومات کی جانچ پڑتال کے سبب) کسی بھی علاقے میں باہر کے بندے کے لیے داخلہ بہت مشکل ہو گیا۔

---

[11] پاکستان کے محاذ پر بھی دشمن کا استخباراتی کام بڑی حد تک قیدی ساتھیوں سے حاصل شدہ معلومات پر کھڑا ہے۔ پے در پے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ دشمن کی معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ اس لیے مجاہد ساتھیوں کو تفتیش کا سامنا کرنے کے طریقے سکھانا اور اس کی باقاعدہ تربیت دینا دشمن کی استخباراتی جنگ کو ناکام بنانے کا بہت اہم جزو ہے۔

الغرض، عراق میں دشمن کی قوت اور صلاحیت کے متعلق غلط اندازہ لگانے کے نتیجے میں جنگ کے مراحل کو ٹھیک طرح نہ پہچانا جاسکا۔ پھر لچک نہ ہونے کی وجہ سے مجاہدین کو خفیہ کام کے مرحلے کی طرف لوٹنے میں تاخیر ہوئی۔ اس تاخیر کے سبب مجاہدین کی مرکزی قوت تباہ ہو گئی اور زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لینے اور علاقوں پر قبضہ کرنے کی صلاحیت پر ضرب لگی۔ یوں دشمن نے کامیابی کے ساتھ مجاہدین سے پہل کرنے کی صلاحیت چھین لی اور آسانی سے اپنی فوج نکال کر مرتدین کو مقابلے کے لیے آگے کر دیا۔ اگر مجاہدین مطلوبہ تیزی سے خفیہ کام کی طرف واپس لوٹ جاتے اور اپنی اصل جنگی قوت بچا لیتے تو دشمن کا یہ منصوبہ ہرگز کامیاب نہ ہوتا اور بہت مختصر مدت میں مجاہدین مرتدین کی فوج کو تباہ کر کے امریکی حکمتِ عملی ناکام بنا دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہی ہوا جو مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

جہاد میں آزمائش و امتحان تو لازم ہے!

چونکہ عراق کے مجاہدین اہلِ ایمان و اہلِ صدق ہونے کے ساتھ ساتھ تکوینی سنتوں اور الٰہی قوانین سے معرفت رکھنے والے لوگ تھے (ہمارا گمان یہی ہے اور حسیبِ اصلی تو اللہ ہی ہے)، لہٰذا وہ جانتے تھے کہ اس راہ میں آزمائشوں سے سامنا ہونا ناگزیر ہے اور یہی انبیاء اور صالحین کی سنت ہے۔ یہ آزمائش ان کی ہمت توڑنے والی نہ تھی، نہ ہی یہ انہیں اس راستے پر کاربند رہنے سے روک سکتی تھی۔ پس انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ اب فتح ہو گی یا شہادت! ان کے یہاں پیچھے ہٹنے یا واپس لوٹنے کا کوئی تصور نہ تھا۔ ان کے سینوں میں تو بس ایک ہی تڑپ تھی کہ جب تک دلوں کی دھڑکن اور شریانوں میں خون جاری ہے، جہاد کو جاری رکھنے اور اسلام کی نصرت کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگاتے رہیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالی ان کے درجات بلند کرنے، ان کی صفوں کو چھانٹنے اور ان میں سے شہداء قبول کرنے کے لیے انہیں ضرور آزمائے گا۔ وہ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نتائج کا مکلف نہیں ٹھہرایا بلکہ فرض کی ادائیگی اور دشمنوں سے لڑنے کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا وہ صرف اس لیے راستہ چھوڑنے والے نہ تھے کہ انہیں کسی معرکے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ جانتے تھے کہ غزوۂ احد کے نقصانات کے بعد احزاب کا

مرحلہ بھی آتا ہے اور پھر اللہ واحد و قہار کے اذن سے کامیابیوں و فتوحات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مجاہدین کی طرف سے دشمن کی حکمتِ عملی کا توڑ

پس جہادی قیادت اکٹھی ہوئی اور دشمن سے مقابلے کے لیے نئی حکمتِ عملی وضع کرنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ اس نئی حکمتِ عملی پر عمل درآمد ابھی تک جاری ہے اس لیے اس پر زیادہ تفصیل سے بات تو مناسب نہیں ہوگی، لیکن اس حکمتِ عملی کے جو اہم نکات آپ تک پہنچانا مقصود ہے ان کی تلخیص میں یہاں کیے دیتا ہوں:

- مجاہدین سمجھ گئے کہ ان کے لیے اپنا نظام نئے سرے سے بنانا اور ایک نئی نسل اور غیر معروف چہرے سامنے لانا لازم ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس عظیم کام کی ابتداء کی کہ جس کا بوجھ اٹھانے سے پہاڑ بھی کترائیں۔ اس تنظیمِ نو کے لیے نئے ساتھی بھرتی کیے گئے، بہت سے جہادی مجموعوں اور تنظیمی ڈھانچوں کو دوبارہ سے منظم کیا گیا اور نئے مجموعے تیار کر کے میدان میں اتارے گئے۔ چونکہ مجاہدین کو اس مرحلے پر کسی خطۂ زمین پر قبضہ میسر نہیں تھا اور بحیثیتِ مجموعی بھی حالات نہایت مخدوش تھے، لہٰذا نئے ساتھیوں کی دینی و عسکری تربیت کا کام قریب از محال نظر آتا تھا۔ لیکن اللہ پر توکل کرتے ہوئے یہ کام بھی شروع کیا گیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ راستے کھولتے چلے گئے۔
- مجاہدین نے اپنا پرانا طرزِ جنگ اور کام کے استعمال شدہ طریقے بدل کر بالکل نئے انداز سے کام شروع کیا تاکہ ان کا پورا نظام دشمن سے مخفی رہے۔
- مجاہدین نے اس مرحلے کے آغاز ہی میں اہلِ سنت کی صفوں کو مرتدین سے پاک کرنے پر توجہ مرکوز کی اور اس کام کے لیے نئے حربے اور نت نئے وسائل اختیار کیے، مثلاًوہ کاتم الصوت (سائلنسر) والی بندوقیں اور گاڑیوں پر چپکنے والی بارودی سرنگیں استعمال میں لائے۔ مجاہدین نے اپنے کام کا رخ روایتی عسکری کارروائیوں سے استخباراتی کام کی طرف پھیر دیا اور مرتدین کی قیادت ختم کرنے کے لیے منظم کارروائیوں کا آغاز کیا۔ ان کارروائیوں کا حکومتی تائید یافتہ لشکر توڑنے میں بہت اہم کردار رہا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے دو سال سے کم عرصے میں لشکروں

کے ایک بڑے حصے کا قصہ تمام کر دیا گیا۔[12] یہ کامیابی بذاتِ خود ایک معجزے سے کم نہیں، اگر صرف یہ ذہن میں رکھا جائے کہ پچھلے مرحلے میں مجاہدین بہت بھاری نقصانات اٹھا چکے تھے۔

- مجاہدین نے عوام کا اعتماد جیتنے، ان کی تائید حاصل کرنے اور عوامی حمایت کی حفاظتی ڈھال دوبارہ سے کھڑی کرنے کا کام شروع کیا۔ چنانچہ جہاں جہاں امنیاتی حالات نے اجازت دی، وہاں معاشرے کی اہم شخصیات سے رابطے کیے گئے، ان غلطیوں کا ازالہ کیا گیا جن کی وجہ سے لوگ مجاہدین سے دور ہوئے تھے اور ان جھوٹے الزامات کی تردید کی گئی جو مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے لگائے گئے تھے۔[13]
- جہاں ایک طرف مجاہدین کے مجموعوں کو از سرِ نو منظم کیا جارہا تھا، وہیں رافضیوں کی قوت کو ہر ممکن طریقے سے توڑنا بھی ضروری تھا تاکہ اس بدبخت دشمن کو مزید مستحکم ہونے کا موقع نہ مل سکے۔ یہ کام بڑی اور کثیر الجہت کارروائیوں کے ذریعے کیا گیا جس سے اس دشمن کے حوصلے اور نفسیات پر کاری ضرب پڑی، اس کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا اور اس کا مرتد نظام مستحکم نہ ہو سکا۔

یہ مختصراً مجاہدین کی نئی حکمتِ عملی کے وہ مختلف پہلو تھے جو انہوں نے حالات کا رخ دوبارہ اپنے حق میں پھیرنے کے لیے اپنائے۔ الحمدللہ آج مجاہدینِ عراق مستقلاً ایک کامیابی سے دوسری

---

[12] پاکستان میں حکومتی تائید یافتہ لشکروں کا مقابلہ مختلف علاقوں میں مختلف انداز سے کیا گیا ہے۔ ان میں سے سب سے کامیاب اور لائقِ تقلید مثال تو محسود قبائل کے علاقے کی ہے، جہاں بہت تھوڑی قوت استعمال کرتے ہوئے (اور وہ بھی لشکر کے چنیدہ قائدین کے خلاف)، بنیادی طور پر اس مسئلے کا علاج اللہ کی توفیق سے محض دعوتی ذرائع سے کر لیا گیا ہے۔ الحمدللہ محسود قوم بطور ایک قوم مجاہدین کی دعوت کے ساتھ اور فوجی مظالم کے خلاف چٹان بنی کھڑی ہے اور یہی اس مسئلے کا اصل اور حتمی حل ہے۔ لشکروں کے خلاف عسکری قوت کا محدود استعمال ہونا چاہئے اور وہ بھی عراق کی طرح لشکروں کی قیادت ہی کے خلاف ہونا چاہیے۔ پوری پوری اقوام اور قبائل کو اپنا مخالف بنالینے سے مسئلہ وقتی طور پر دب تو سکتا ہے، لیکن ختم ہر گز نہیں ہوتا۔ نیز اس کے نتیجے میں مجاہدین اصل ہدف سے ہٹ کر ایک فالتو جنگ میں الجھ جاتے ہیں، جس سے ہمارا دشمن ہی خوش ہوتا ہے۔

[13] جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، الحمدللہ بحیثیتِ مجموعی قبائلی علاقے کے عوام مجاہدین کے ساتھ ہیں۔ لیکن اللہ سے ڈرنے اور زمین میں عاجزی اختیار کرنے والی دانش مند جہادی قیادت کا فرض بنتا ہے کہ جہاں جہاں عوام سے تعامل میں کوئی غلطی ہوئی ہے، وہاں اس کا اعتراف بھی کیا جائے اور اس غلطی کو درست کرنے اور دلوں کو قریب لانے کی سنجیدہ کوشش بھی کی جائے۔

کامیابی کی جانب بڑھ رہے ہیں اور انہوں نے دشمنوں کی کثرت، دوستوں کی قلت، مادی وسائل کی کمی اور تمام اطراف سے، ہر سطح پہ شدید حصار میں ہونے کے باوجود وہ کام کر دکھایا ہے جس کی تاریخ میں کم ہی نظیر ملتی ہے۔ ان شاءاللہ جلد ہی عراق میں صورتِ حال نہ صرف پہلے سے بہتر ہو جائے گی بلکہ اللہ کے اذن سے لوگوں کی توقع سے بہت پہلے میدانِ جنگ کا یہ منظر یکسر تبدیل ہو جائے گا۔[١٤]

عراق والی حکمتِ عملی ہی اب دیگر محاذوں پر بھی!

امریکہ نے عراق میں اپنی حکمتِ عملی کو کامیاب ہوتا دیکھ کر اسے افغانستان اور دیگر محاذوں پر بھی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس امید سے کہ وہاں بھی عراق والے نتائج حاصل کیے جاسکیں گے۔ افغانستان کے لیے اس حکمتِ عملی میں بعض جزوی تبدیلیاں کی گئی ہیں لیکن بنیادی ہدف وہی ہے: یعنی بڑھتی ہوئی مزاحمت کا رخ موڑنا اور مجاہدین سے حالات کا رخ متعین کرنے اور اقدام میں پہل کرنے کی صلاحیت چھین لینا، چاہے محدود مدت ہی کے لیے سہی۔ مجاہدین کو پچھلے قدم پر ڈالنے کے بعد امریکیوں کی کوشش ہوگی کہ جلد از جلد اپنی فوج کا کوئی متبادل میدان میں لے آئیں اور اپنے سپاہیوں کی بڑی تعداد وطن واپس بلا لیں تاکہ انہیں جس خطرناک چھاپہ مار جنگ کا سامنا ہے، اس میں ان کا مزید خون بہنے اور مستقل خسارے اٹھانے کا سلسلہ رک سکے۔

افغانستان اور عراق کے محاذوں میں پائے جانے والے بنیادی فرق

کوئی عقل مند آدمی اس بات سے اختلاف نہیں کرے گا کہ نہ صرف افغانستان اور عراق میں کچھ بنیادی فرق ہیں بلکہ افغانستان کی جنگ کئی پہلوؤں سے بالکل منفرد ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ سارے پہلو مجاہدین کے حق میں جاتے ہیں اوران شاء اللہ ان میں سے ایک ایک پہلو بذاتِ خود امریکی حکمتِ عملی کی ناکامی کی ضمانت کے طور پر کافی ہے۔ جو خصوصیات افغانستان کو عراق سے ممتاز کرتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

---

[١٤] اللہ کے اذن سے پاکستان میں بھی وہ وقت زیادہ دور نہیں جب مجاہدین پر سے سختی دور ہو، آزمائش کا مرحلہ ختم ہو، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسلام دشمنوں کو ذلیل ورسوا فرمائیں اور یہ اسی طرح سڑکوں پر گھسیٹ کر مارے جائیں جیسے قذافی لیبیا میں مارا گیا۔

- فطری حفاظتی پناہ گاہوں کی وافر موجودگی، جہاں مجاہدین چھپ سکتے ہیں اور پیچھے ہٹتے ہوئے جہاں پناہ لے سکتے ہیں، یعنی افغانستان کے وسیع و عریض پہاڑ۔
- قبائلی علاقہ جات (اور بلوچستان) کی صورت میں میسر جغرافیائی اور تزویراتی گہرائی (Strategic Depth) جو مجاہدین کو اپنی قوت دوبارہ منظم کرنے اور اپنے معاملات از سرِ نو ترتیب دینے میں مدد دیتی ہے اور مجاہدین کی قیادت کو بھی مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔[۱۵]
- رافضی شیعوں کا کمزور ہونا۔ یہ بدبخت گروہ ہر غاصب سے تعاون اور امتِ مسلمہ سے خیانت کے لیے ہر دم مستعد ہوتا ہے۔ الحمدللہ افغانستان میں ان کا وجود صرف ہرات اور بامیان وغیرہ تک محدود ہے۔[۱۶]
- افغانی اور عراقی عوام کی طبیعت میں بھی ایک بنیادی فرق ہے۔ افغانی لوگ زیادہ دین دار ہیں، بہت سی سخت جنگیں لڑ چکے ہیں اور فقروفاقے میں رہنے کے سبب ان کے ایسے لمبے چوڑے دنیاوی مفادات ہیں ہی نہیں جن کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو۔ نیز افغانی عراقیوں کی طرح کسی ایسے سیکولر نظام تلے بھی نہیں رہے جو عوام کی فطرت مسخ کر دے اور ان میں اخلاقِ رذیلہ پھیلائے۔

---

[۱۵] الحمدللہ پاکستان وافغانستان میں برسرِپیکار مجاہدین ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان موجود سرحدی علاقے اور اس کی بلند پہاڑیاں دونوں اطراف کے مجاہدین کے لیے اچھی پناہ گاہیں اور نکتۂ اشتراک ثابت ہوتی ہیں۔

[۱۶] عراق کی نسبت پاکستان میں بھی شیعہ کمزور اور قلیل تعداد میں ہیں، لیکن وہ ایک منظم انداز میں، ایرانی سرپرستی میں مستقبل کی تیاری کرنے اور حال کے خطرات سے نمٹنے میں مصروف ہیں۔ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود رافضیوں کی عسکری تیاری اہلِ سنّت طبقات کی نسبت کہیں بہتر ہے۔ نیز ابھی تک پاکستان میں جہاں بھی ان بدبختوں سے مجاہدین کا واسطہ پڑا ہے تو انہوں نے مجاہدین کی بھرپور مخالفت کی ہے اور کفار کا ساتھ دیا ہے۔ اس لیے ان کے اور ان جیسے دیگر دین دشمن فرقوں (مثلاً آغاخانی، قادیانی، بوہری، وغیرہ) کے خطرے سے اہلِ پاکستان کو خبردار کرنا، ان کی حرکتوں پر نگاہ رکھنا اور حسبِ ضرورت ان کی قیادت اور کلیدی افراد کو نشانہ بنانا، بالخصوص فوج، استخبارات، میڈیا، ایٹمی دفاعی اداروں اور سیاست میں موجود شیعہ افراد کو ختم کرنا بہت اہم ہے۔

- چونکہ 'طالبان' بنیادی طور پر مدارسِ دینیہ سے اٹھنے والی تحریک ہے، اس لیے ان کے یہاں طلبائے علم اور علماء کی کثرت ہے۔ یہ خصوصیت عوامی حمایت اپنے ساتھ رکھنے، مشکلات حل کرنے، جہاد کی سمت درست رکھنے اور تحریک کو حکمت سے لے کر چلنے میں مدد دیتی ہے۔ شرعی علم رکھنے والوں کا کافی تعداد میں موجود نہ ہونا، عراق میں مجاہدین کے لیے ایک سنجیدہ مسئلہ بن گیا تھا۔[۱۷] مجاہدینِ عراق نے کئی مرتبہ امتِ مسلمہ اور اہلِ دین سے اپیل کی کہ انہیں علماء کی مناسب تعداد فراہم کر کے ان کی مدد کی جائے۔ یہاں مجھے اپنے شہید امیر، اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے قرار، جنگ کے شعلے بھڑکانے والے نابغہ روزگار مجاہد شیخ ابو حمزہ المہاجر رحمہ اللہ کی ایک بات یاد آتی ہے، اللہ آپ کی شہادت قبول فرمائے اور ہمیں فتنوں سے محفوظ رکھتے ہوئے ان سے جاملائے، آمین۔ آپ نے علمائے امت پر معاملے کی نزاکت واضح کرتے ہوئے کہا کہ جیسے مسائل آج ہمیں درپیش ہیں، اگر یہی مسائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درپیش ہوتے تو وہ ان کے حل کے لیے اہلِ بدر کو اکٹھا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی اس اجنبیت و بے بسی پر رحم فرمائے اور علماء کو ان کے ساتھ کھڑا ہونے کی توفیق دے، آمین۔

ان تمام مثبت عوامل کے باوجود مجاہدینِ افغانستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ محتاط اور چوکنا رہیں، کیونکہ امریکیوں کو اپنا منصوبہ کامیاب بنانے کے لیے مجاہدین پر طویل المیعاد غلبہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ محض چھ ماہ کے لیے ایسی صورتِ حال پیدا کر دینا جس میں مجاہدین پہل کرنے کی صلاحیت کھو دیں اور حملہ آور ہونے کی بجائے دفاعی حالت میں آجائیں، امریکیوں کے لیے کافی ہو گا۔

---

[۱۷] پاکستان کی جہادی تحریک کو بھی ایک درجے میں اسی مسئلے کا سامنا ہے، اور اس کے حل کی طرف توجہ دینا وقت کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ہے۔ ایک طرف تو ملک کے جید اہلِ علم سے مزید بہتر تعلق بنا کر ان سے مستقل رہنمائی لینے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف اپنے مجاہد ساتھیوں میں سے قابل ترین افراد کو علمِ دین کی تحصیل کے لیے فارغ کرنا بھی بہت اہم ہے تاکہ وہ آگے چل کر اس خلاء کو پر کر سکیں اور حقیقی معنوں میں مجاہد عالمِ دین کا کردار ادا کر سکیں۔

مجاہدینِ افغانستان سے مطلوب اقدامات

میں افغانستان میں موجود[18] محترم جہادی قیادت کو اس جانب توجہ دلانا چاہوں گا کہ وہ اپنی قوت کی حفاظت پر توجہ مرکوز رکھیں، علاقوں پہ قبضہ قائم رکھنے پر اصرار نہ کریں، جنگ کے ہر مرحلے کو پہچانیں اور اس مرحلے کے مخصوص تقاضوں کا پاس کریں، آبادیوں میں پھیلنے اور عوام کے سامنے کھلنے میں احتیاط کریں، خفیہ کام کے مرحلے کی طرف لوٹنے کے لیے درکار لچک اپنے اندر پیدا کریں اور ایسی نئی نسل تیار کریں جو غیر معروف ہو تاکہ خدانخواستہ اگر جہادی کام میں کوئی تعطل آئے تو یہ نئی نسل کام جاری رکھ سکے۔ اسی طرح **عوامی حمایت ہر دم اپنے ساتھ رکھنے کی سعی کریں اور ایسی کارروائیوں سے حتی الامکان اجتناب کریں جو مجاہدین اور عوام کے درمیان رخنہ ڈالنے کا باعث بنیں۔ عوامی حمایت کو حد درجے اہمیت دیں، حتیٰ کہ بہت سی عسکری ضروریات پر بھی اس بات کو ترجیح دیں۔ ہم بعض کارروائیاں روکنے یا مؤخر کرنے سے جو نقصان اٹھاتے ہیں وہ اس نقصان کا عشر عشیر بھی نہیں جو ہمیں عوامی حمایت ہارنے سے اٹھانا پڑتا ہے۔**[19] نیز کام کے ایسے متبادل طریقے ابھی سے سوچ کر رکھیں کہ سخت سے سخت حالات میں بھی کام رکنے نہ پائے۔ اس ضمن میں عراق کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح نت نئے حربے استعمال کرتے ہوئے 'خصوصی کارروائیاں' جاری رکھنا بھی اہم ہے، مثلاً افغانی فوج میں مجاہد ساتھیوں کو گھسانا، امریکی اڈوں پر نئے

---

[18] خطۂ خراسان میں موجود جہادی قیادت اور امرائے مجموعات کے لیے بھی فی الوقت اولین نصیحت یہی ہو گی کہ وہ اپنی افرادی قوت اور مادی وسائل کی حفاظت پر خاص توجہ دیں۔ بالخصوص، آنے والے مراحل میں ایسے ساتھیوں کی شدت سے ضرورت ہو گی جو ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھا سکتے ہوں اور اس جہادی تحریک کو درست رخ پر قائم رکھ سکتے ہوں۔ امریکہ کی شکست وریخت اور جہاد کے دروازے چوپٹ کھل جانے کا مرحلہ ان شاء اللہ اب زیادہ دور نہیں۔ اس لیے اس خطے سے امریکہ کے پسپا ہونے اور اس کے مقامی اتحادیوں کا زور ٹوٹنے تک کے مرحلے میں جہادی اعمال کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوت کی حفاظت کا خاص اہتمام کرنا اور اپنا دفاع مضبوط کرنا ہر امیر کی ذمہ داری ہے۔

[19] یہ جملے سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہر عسکری کارروائی کو ترتیب دیتے اور اس کی منصوبہ بندی کرتے وقت اس نکتے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

طریقوں سے حملے کرنا، مثلاً سرنگیں کھود کر ان کے اڈوں تک پہنچنا اور ایسی ہی دیگر کارروائیاں جن سے دشمن کو بڑا نقصان پہنچایا جاسکے۔

اختتامیہ

مختصراً یہ وہ باتیں ہیں جو میں آپ تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اپنا مضمون سمیٹنے سے قبل میں چند اہم مسائل کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا:

- میں نے اس موضوع پر قلم اس لیے اٹھایا کہ مسلمانوں سے خیر خواہی شرعاًواجب ہے۔ اللہ نے ہم پر لازم کیا ہے کہ ہم اپنے رسول ﷺ، ائمۂ مسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ مخلص ہوں اور ان کی بھلائی چاہیں۔ اس تحریر سے ہر گز یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں کہ میں مجاہدین سے زیادہ سمجھ دار اور صاحبِ علم و فہم ہوں۔ یہ سطور تو بس ذمہ داری کے احساس کے تحت اور مجاہدین کی نصرت کے جذبے سے سپردِ قلم کی گئی ہیں۔ یہ وہ مشاہدات اور تجربات ہیں جن کے بارے میں ہمارے اکابرین نے تاحال کچھ نہیں لکھا۔ اگر وہ اس خلاء کو پر کر دیتے تو میرے جیسا نالائق شخص ایسے نازک اور مشکل موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت نہ کرتا۔ میری تڑپ تو بس یہ تھی کہ جب میں نے عراق اور افغانستان میں دشمن کی حکمتِ عملی میں مماثلت دیکھی تو یہ چاہا کہ میں افغانستان میں موجود اپنی قیادت کی خدمت میں عراق کے محاذ کے مشاہدات و تجربات رکھ دوں تاکہ وہ دشمن کی چال کو بآسانی سمجھ لیں اور ان غلطیوں سے محتاط رہیں جو ہم سے سرزد ہوئیں۔
- جہادی تحریکات کے تجربات کو مرتب صورت میں لکھنا بہت اہم کام ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم اس معاملے میں شدید کمزوری دکھارہے ہیں، بلکہ بسااوقات تو ہماری جانب سے سوچی سمجھی لاپرواہی نظر آتی ہے۔ یہ ہمارا پرانا مسئلہ ہے جس کی جانب شیخ ابو مصعب سوری (اللہ انہیں رہائی عطا فرمائیں) نے بھی اپنی تحریرات میں توجہ دلائی ہے۔ سابقہ تجربات سے واقفیت نہ ہونے کے سبب پرانی غلطیاں ہی دہرائی جاتی ہیں اور نتیجتاً پوری امت نقصان اٹھاتی ہے۔ مجاہدین میں سے اصحابِ قلم پر لازم ہے کہ وہ اپنے تجربات کو تحریری شکل دیں اور پس و پیش کا شکار ہوئے بغیر جلد از جلد یہ کام کریں۔ یہ ان کے کندھوں پر امانت ہے اور آنے والی نسلوں کا ان پر حق بھی۔ مجاہدین کو یہ جان لینا چاہیے کہ ان تجربات کو تحریری شکل میں لانے میں تاخیر دوسروں کے لیے یہ دروازہ کھولتی ہے

کہ وہ جیسے چاہیں ہماری تاریخ مرتب کریں اور جہاں چاہیں اس میں تحریف کریں اور اس کی شکل بگاڑ دیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں اپنے سوا کسی کو ملامت نہیں کرنا ہو گی۔

- یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایسے موضوعات پر لکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ سخت اور کڑوی باتیں کرنا ناگزیر ہوتا ہے، بالخصوص سابقہ غلطیوں اور ان کے نتائج کا جائزہ لیتے ہوئے۔ عموماً لوگ ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم یہ تلخ فریضہ سر انجام دیں اور شتر مرغ کی مانند سر ریت میں دے کر بے غم نہ ہو جائیں۔ جنگ کے دوران غلطیاں ہونا ایک فطری امر ہے اور اصلاح کی غرض سے اور تعمیری انداز سے ان کا ذکر کوئی عار کی بات نہیں۔[20] ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے مزاج تبدیل کریں اور خود کو اس کا عادی بنائیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں:

﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (آل عمران:165)

"کیا جب تم پر وہ مصیبت پڑی جس کی دوگنی تم (کفار پر) ڈال چکے تھے تو تم نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ کیسے ہو گیا؟ تو پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ یہ (مصیبت) تمہاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے"۔

- میں میادینِ جہاد کا رخ کرنے کے خواہش مند بھائیوں سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عسکری علوم سیکھنے سمجھنے کی بھی کوشش کریں، تاکہ جب انہیں جہاد کے میدانوں کی طرف بلایا جائے تو وہ پہلے سے مناسب عسکری فہم و صلاحیت رکھتے ہوں اور میدان کے

---

[20] ہم بھی یہاں یہ بات واضح کرنا چاہیں گے کہ اگر گزشتہ حاشیوں میں کسی بھی جگہ کوئی تلخ بات ہوئی، یا کسی غلطی کی نشان دہی کی گئی تو اس سے مقصود طعن و طنز کرنا یا غلطیاں اچھالنا نہیں تھا، بلکہ اس پوری جہادی تحریک کی اصلاح کی غرض سے اپنی دانست میں جو کچھ درست سمجھا اسے سامنے رکھ دینا مطلوب تھا۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور ہم میں سے ایک کی خطا، سب کی خطا ہے۔ اس لیے اس تحریر کا مقصد دل آزاری نہیں تھا بلکہ اپنی ہی اخطاء ٹھیک کرنے کی طرف توجہ دینا تھا۔ اگر پھر بھی کسی قاری کے دل کو ٹھیس پہنچی، تو ہم معافی کے طالب ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی طلب کرتے ہیں۔ (مدیرِ حطین)

تقاضے پورے کرنے کے اہل ہوں۔ میں ان کو شیخ یوسف العییری اور شیخ ابو مصعب السوری کے دروس سننے کی تلقین کروں گا، بالخصوص وہ حصے جن میں انہوں نے کتاب 'حرب المستضعفین' کی تشریح کی ہے۔ اسی طرح میں تنظیم القاعدۃ (جزیرۃ العرب) کے مجاہدین کی تحریرات، مثلاً شہید ابوہاجر رحمہ اللہ کی دورۂ تکنتیک والی کتاب وغیرہ کے مطالعے کی نصیحت بھی کروں گا۔

آخر میں میری درخواست ہے کہ جو کوئی بھی یہ صفحات پڑھے وہ میرے لیے دعا کرنا نہ بھولے، بالخصوص میرے لیے ثبات اور شہادت کی دعا کرے۔ اس تحریر میں جو کچھ حق ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اور اگر کوئی غلطی ہے تو وہ میرے نفس اور شیطان کی کارستانی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، سلامتی ہو ہمارے آقا محمد ﷺ، ان کی آل اور اصحاب پر۔

جہاد فی سبیل اللہ میں
حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا کردار

محمد مثنیٰ حسان

اس شمارے میں حضرت خنساء بنت عمرو رضی اللہ عنہا کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے جو مسلمانانِ امت کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ میں ایک مسلمان ماں کے کردار کی جھلک پیش کرتا ہے۔(صاحبِ تحریر)

حضرت خنساء بنت عمرو رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ 'بنی سُلَیم' سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نام 'تماضر' تھا۔ آپ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ رضی اللہ عنہا کے اشعار کو پسند فرماتے تھے۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا کی عورتوں میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے بہتر شاعرہ نہ پہلے تھی اور نہ آئندہ ہو گی۔

کتبِ تاریخ میں ہمیں آپ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر تفصیلی گفتگو نہیں ملتی، بلکہ مختصر سا تذکرہ ملتا ہے۔ اسی تذکرہ میں جنگِ قادسیہ کا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو رہتی دنیا تک امتِ مسلمہ کی ماؤں کے لیے نمونۂ عمل اور مشعلِ راہ ہے......... اس راہ کی مشعل ہے جو مسلمانوں کے لیے دنیوی زندگی میں سربلندی اور آخرت میں سرخروئی کی منزل کو جاتی ہے۔

جنگِ قادسیہ میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا کردار

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر ایرانیوں کے مقابلے کے لیے تیار تھا۔ اسی لشکر میں دینی حمیت و غیرت کے جذبات سے سرشار، اسلام کے دورِ اولیں کی ایک بوڑھی ماں رضی اللہ عنہا اپنے چار بیٹوں سمیت موجود تھی۔ جنگ سے ایک رات قبل بوڑھی ماں رضی اللہ عنہا نے اپنے چاروں بیٹوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"يا بني إنكم أسلمتم طائعين وهاجرتم مختارين ووالله الذي لا إله إلا هو إنكم لبنوا رجل واحد كما أنكم بنو امرأة واحدة ما خنت أباكم ولا فضحت خالكم ولا هجنت حسبكم ولا غبرت نسبكم وقد تعلمون ما أعد الله للمسلمين من الثواب الجزيل في حرب الكافرين. واعلموا أن الدار الباقية خير من الدار الفانية يقول الله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(آل عمران: 200)

فإذا أصبحتم غداً إن شاء الله سالمين فاغدوا إلى قتال عدوكم مستبصرين وبالله على أعدائه مستنصرين فإذا رأيتم الحرب قد شمرت عن ساقها واضطرمت لظى على سياقها وجللت ناراً على أوراقها فتيمموا وطيسها وجالدوا رئيسها عند احتدام خميسها تظفروا بالغنم والكرامة في دار الخلد والمقامة"۔

"اے بیٹو! تم نے اپنے دل کی چاہت سے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! تم ایک ہی باپ کے بیٹے ہو جس طرح تم ایک ہی ماں کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے کوئی خیانت نہیں کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ تمہارے حسب و نسب کو عیب دار کیا۔

بلاشبہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے میں مسلمانوں کے لیے کس قدر اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (میرے بیٹو!) یہ بھی جان رکھو کہ بقا کا گھر (جنت) اس فانی گھر (دنیا) سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھاؤ، سرحدوں پر جمے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاجاؤ"۔

پس کل جب تم بسلامت صبح کرو تو اپنے دشمنوں کی تاک میں نکل پڑنا اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی سے نصرت طلب کرنا۔ پھر جب تم دیکھو کہ جنگ کا میدان گرم ہو گیا ہے اور لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں تو تم سب اس میدان میں کود پڑنا اور گھمسان کے رن میں سپہ گری کے جوہر دکھانا یہاں تک کہ تم ہمیشگی کے گھر 'جنت' کو سدھار جاؤ اور وہاں کی ابدی نعمتوں اور کرامتوں کے حقدار بن جاؤ"۔

یہ وہ خطبہ تھا جس کے ذریعے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹوں کو قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی اور ان میں جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا کیا۔ جب اگلا دن آیا تو چاروں بیٹوں نے اپنی بوڑھی ماں کی نصیحت کو نشانِ راہ بنایا اور جنگ کے میدان میں کود پڑے۔ پہلا بیٹا آیا اور اس نے یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

يا إخوتي إن العجوز الناصحة — قد نصحتنا إذ دعتنا البارحه
مقالة ذات بيان واضحة — فباكروا الحرب الضروس الكالحه
وإنما تلقون عند الصائحة — من آل ساسان الكلاب النابحه
قد أيقنوا منكم بوقع الجائحة — وأنتمو بين حياة صالحه
أو ميتة تورث غنماً رابحه

"اے میرے بھائیو! ایک نصیحت کرنے والی بوڑھی ماں نے ہمیں گزشتہ رات ایسی نصیحت کی ہے جو اپنے مفہوم میں بہت واضح تھی۔ پس تم گھمسان کے رن میں کود جاؤ (اور لڑتے رہو) یہاں تک کہ تم ان بھونکنے والے ایرانی کتوں کا نوحہ اور شور سننے لگو اور وہ تمہارے ہاتھوں شکست و مصیبت کا شکار ہو جائیں۔ اور تم خود اس حال میں ہو کہ یا کامرانی کی زندگی تمہارا مقدر بن جائے یا پھر شہادت کا مرتبہ پا کر نفع بخش نعمتوں کے وارث بن جاؤ"۔

یہ اشعار پڑھتا ہوا وہ آگے بڑھا، برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

پھر دوسرا بیٹا آگے بڑھا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

إن العجوز ذات حزم وجلد والنظر الأوفق والرأي السدد
وقد أمرتنا بالسداد والرشد نصيحة منها وبرا بالولد
فباكروا الحرب حماة في العدد إما لفوز بارد على الكبد
أو ميتة تورثكم عز الأبد في جنة الفردوس والعيش الرغد

"عزم وہمت کی پیکر، گہری نظر اور پختہ رائے والی بوڑھی (ماں) نے ہمیں راست روی اور رشد وہدایت کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم اس کی طرف سے نصیحت اور اپنے بیٹوں سے شفقت ہے۔ پس دینی حمیت ساتھ لیے لڑائی میں کود پڑو یہاں تک کہ فتح سے سرفراز ہو کر دل کی ٹھنڈک پالو، یا پھر شہادت کا تمغہ سینے پر سجائے جنت الفردوس میں ہمیشہ کی عزت اور آسودہ زندگی کی منزل تک جا پہنچو"۔

یہ بھی قتال کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

اس کے بعد تیسرا آگے بڑھا اور وہ یہ اشعار کہہ رہا تھا:

والله لا نعصي العجوز حرفاً قد أمرتنا حدباً وعطفا
نصحاً وبراً صادقاً ولطفاً فبادروا الحرب الضروس زحفا
حتى تلفوا آل كسرى لفاً أوتكشفوهم عن حماكم كشفا
إنا نرى التقصير منكم ضعفاً والقتل فيكم نجدة وزلفى

"اللہ کی قسم! ہم اپنی بوڑھی ماں کی ہرگز نافرمانی نہ کریں گے۔ اس نے ہمیں شفقت والفت، نیکی وعنایت اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ (دشمنوں کے خلاف جنگ کا) حکم دیا ہے (اور اس طرح ایک ماں نے اپنے بچوں کا حق ادا کر دیا ہے)۔ پس خونریز لڑائی کے لیے آگے بڑھو، یہاں تک کہ کسریٰ والوں کی بساط لپیٹ دی جائے اور تم انھیں اپنی حمیت کے زور پر ہزیمت سے دوچار کر دو۔ اگر ایسا کرنے میں تم نے کوتاہی کی تو یہ تمہاری کمزوری ہو گی۔ پھر اگر تم اس جنگ میں شہید کر دیے گئے تو یہ یقیناً تمہاری بہادری کا ثبوت اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہو گا"۔

یہ بیٹا بھی ایرانیوں سے برسرِ پیکار رہا یہاں تک کہ شہادت کا تمغہ سینے پر سجا کر خلدِ بریں کو چل دیا۔

اس کے بعد چوتھا بیٹا اٹھا اور وہ یہ اشعار پڑھتا ہوا آگے بڑھا:

لست لخنساء ولا للأخرم ولا لعمرو ذي السناء الأقدم
إن لم أرد في الجيش جيش الأعجم ماض على الهول خضم خضرم
إما لفوز عاجل ومغنم أو لوفاة في السبيل الأكرم

"میں خنساء، اخرم اور عمرو...... جو عالی مقام و مرتبہ کے مالک ہیں...... کو کیسے منہ دکھاؤں گا اگر میں ان عجمیوں (ایرانیوں) کے لشکرِ جرار سے نہ بھڑ جاؤں (اور پھر لڑتا رہوں) تا آنکہ (دو بھلائیوں میں سے ایک کو اپنے گلے لگا لوں؛) یا فتح اور غنیمت کو ہاتھ لے لوں یا پھر اس سعادت کی راہ میں اپنی جان دے دوں"۔

اس کے بعد یہ بھی دشمنوں سے برابر جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ شہادت سے سرفراز ہوا۔

جنگ کے بعد جب حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو ان کے چاروں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے حزن وملال کا اظہار نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگیں:

"الحمد لله الذي شرفني بقتلهم وأرجو من ربي أن يجمعني بهم في مستقر رحمته"۔

"تمام تعریفیں اس ذاتِ باری کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنے بیٹوں کی شہادت کا شرف عطا فرمایا اور میں اپنے رب سے امید رکھتی ہوں کہ وہ اپنی رحمت کی جگہ (جنت) میں مجھے اپنے (شہید) بیٹوں کے ساتھ جمع فرمائے گا"۔

سبحان اللہ! یہ وہ تذکرہ ہے جو دیکھنے میں تو قرطاس کی چند سطور میں سما گیا ہے، لیکن دراصل سرفروشی وجاں نثاری کا ایک ایسا باب ہے جو تا قیامت تابندہ رہے گا۔ یہ تذکرہ قربانی اور للّٰہیت کے ایسے جذبے کی ترجمانی کرتا ہے جس سے ہی دو جہاں کی رونق ہے اور جس کی بدولت اسلام پندرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دنیا میں ایک زندہ حقیقت ہے اور تا ابد قائم رہے گا۔

یقیناً اس تذکرے میں پاکیزہ جذبات کا ایک ایسا جہاں آباد ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اسے وہی مومنین ومومنات محسوس کرسکتے ہیں جنھیں اس میں اپنے کردار کی جھلک نظر آتی ہے اور دنیا وآخرت کے لیے نمونہ عمل دکھائی دیتا ہے۔

بلاشبہ آج ہماری مظلوم امت ریجھی نگاہوں سے اس کردار کو حقیقت کی دنیا میں تلاش کر رہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی حالتِ زار دکھلا کر جھنجوڑ رہی ہے کہ آج پھر ایسی ماؤں کی ضرورت ہے جو اپنے بیٹوں کو اسلام کے دفاع میں قربان کریں تاکہ مظلومیت کی سیاہ رات ختم ہو اور فتح و سربلندی کی سحر نمودار ہو۔

پس خوش نصیب ہیں وہ مائیں جنھوں نے عصرِ حاضر میں برپا حق و باطل کی جنگ میں اپنے جگر گوشوں کو قربان کیا اور اسلام کے دفاع میں اپنی قیمتی ترین متاع کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی ماؤں اور اس کے بیٹوں کو اپنے اسلاف کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(یہ واقعہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب 'الإستيعاب في معرفة الأصحاب' سے لیا گیا ہے۔ بعد کے مورخین مثلاً ابن اثیر اور ابن حجر رحمہا اللہ نے انھی سے نقل کیا ہے)

'عافیہ' نہیں تو عزت کہاں؟

وسیم حجازی

(جذبات میں ڈوب کر لکھی گئی ایک تحریر)

تختِ شاہی پہ ناجائز تسلط جما کر اور خونی وردی پہن کر خود کو زیرک حکمران اور مدبّر جرنیل کہلانے والو! دفاعِ وطن کا لائسنس لے کر پاکستان کے اسلام پسندوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دینے والے خفیہ اہلکارو! اپنی ہی قوم کی جان، مال اور عزت کے درپے پولیس اور فوج کے پیشہ ور سپاہیو! کبھی ترقی اور کبھی اسلام کے نام پر ملک میں لادینیت پھیلانے والے بے چہرہ سیاستدانو! اِس بوڑھے آسمان نے ہزاروں برس پر محیط اپنی عمرِ رفتہ میں ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا ہو گا جو تم سے بڑھ کر اولادِ آدم کی بدنامی کا باعث بنا ہو۔

جب اپنے ہاتھوں اپنی عزت نیلام کر دی جائے تو پھر خود کو 'معزز' کہلانے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟ دل حمیت کے جوہر سے خالی ہو تو خود کو 'غیور' ثابت کرنے کا جواز کہاں بچتا ہے؟ اُس معصوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم اس قدر آپے سے باہر ہو گئے کہ قانونی و اخلاقی تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اہلِ پاکستان اور پوری امت مسلمہ کی تذلیل کے لیے اس سراپا حیا بیٹی کو امریکی خنزیروں کے ہتھے چڑھا دیا! اس بے ضرر خاتون نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا تھا کہ تم اتنے گھناؤنے پن پر اتر آئے! کیا شفقتِ پدرانہ رکھنے والے باپ اپنی بیٹیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں؟ کیا غیرت مند بھائی اپنی بہنوں کے ارمان یوں ہی پورے کیا کرتے ہیں؟ کیا تمہارا کام اب یہی

رہ گیا ہے کہ تم چند ڈالروں اور کچھ اضافی تنخواہ کی لالچ میں اپنی بہنوں، بیٹیوں اور اپنے گھر آئے معزز مہمانوں کو ان کے دشمنوں کے حوالے کرتے جاؤ؟!۔ . . . . اور

اے پاکستانی عوام! ڈاکٹر عافیہ تمہاری بہن بھی تھی اور بیٹی بھی، وہ تمہارے لیے رب کی رحمت تھی، وہ تمہاری عزت کا نشان اور تمہاری غیرت کا امتحان تھی۔ افسوس اے پاکستانی مسلمانو افسوس! تمہارے ملک میں تمہارے جیتے جی رب کی رحمت کو دھتکار دیا گیا۔ تمہاری عزت تم سے چھن چکی ہے اور تم غیرت کے امتحان میں فیل ہو چکے ہو۔ تم نے اپنے مال و دولت کی حفاظت کا انتظام تو کر رکھا ہے، تمہارے بینکوں اور دفاتر کے باہر مسلح گارڈ تو موجود ہیں، تمہارے گھروں کے باہر کھڑے گَن بردار بھی تمہاری جان کا پہرہ دے رہے ہیں، مگر افسوس کہ تم نے اپنی عزت کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کر رکھا۔ کوئی لُچا لفنگا جب چاہے تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے تمہیں بے عزت کر جاتا ہے اور تم ہو کہ بہت جلد حالات سے سمجھوتہ کر لیتے ہو۔ کیا تم ڈاکٹر عافیہ کو اپنی بہن نہیں سمجھتے؟ کیا بہن بیٹی ہونے کے لیے خون کا رشتہ ہونا ضروری ہے؟ بحیثیتِ مسلمان اسلامی اخوّت کا رشتہ کیا سب رشتوں سے مقدم اور مقدس نہیں؟ اگر کسی کی بیٹی ایک دن کے لیے گھر سے غائب ہو جائے تو ایک کُنبہ کیا پورے خاندان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اور یہاں تو ایک دو دن نہیں پورے نو سال بیت چکے ہیں کہ ڈاکٹر عافیہ، اپنے ہی بڑوں کے ہاتھوں غیر مسلم درندوں کو بیچی جا چکی ہے، لیکن قوم کے معمولات میں ذرہ فرق نہیں آیا۔

بلکہ اس بدنصیب ملک کا تو ماجرا ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بے حسی کی نیند سو جانے والوں کو مزید تھپتھپایا جاتا ہے۔ غیرت سے عاری مصلحت کا درس دینے والے دانشوروں کی اس ملک میں کوئی کمی نہیں۔ منافقت سے کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہوئے سیاستدانوں کی تو پاکستان میں باقاعدہ منڈی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی داڑھی اور جبے کا رعب جما کر اسلامیانِ پاکستان کو بے عزت، بے غیرت، بے حس، ذلیل اور ناکارہ بنے رہنے کے لیے 'علمی' دلائل مہیا کرتے رہتے ہیں اور حکومت و فوج کی ستم رانیوں کو 'قرآن و سنت کی روشنی' میں سندِ جواز فراہم کرتے نہیں تھکتے، بلکہ نہیں شرماتے۔ پاکستان کا دجالی میڈیا تو یہود کو بھی شرما رہا ہے۔ وکلاء ہڑتال، ججز بحالی، میمو سکینڈل، توہینِ عدالت اور پاکستان بھارت کرکٹ میچ کے سلسلے میں پوری قوم میں ہیجان پیدا کر دینے والے

پاکستانی ذرائع ابلاغ، ہر لمحے جیتی اور ہر لمحے مرتی ڈاکٹر عافیہ کو اب بطورِ 'کرنٹ ایشو' لیناہی بھول گئے ہیں۔

کٹھ پُتلی حکمرانوں، اُجرتی جرنیلوں، بے ضمیر دانشوروں، زرخرید قلمکاروں، دجالی میڈیا، منافق سیاستدانوں، دورُخے لیڈروں، بِکاؤ منصفوں اور مداہنت پسند واعظوں کے غول میں گھری اے حرماں نصیب پاکستانی قوم کے جوانو! خدارا غفلت کی چادر اتار کے ہوش میں آجاؤ اور کافروں کی قید میں تڑپتی اپنی بہن عافیہ کی آہوں پر کان دھرو! آخر وہ تمہارے علاوہ کس سے امیدیں وابستہ کرے؟ پاکستانیو! تم عافیہ کو اپنی بہن سمجھتے ہو یا نہیں لیکن خدا کی قسم وہ تمہیں اپنا بھائی ضرور سمجھتی ہے۔ پاکستان سے لے کر افغانستان تک اور افغانستان سے لے کر امریکہ تک وہ اکیلی ہی ہر مرحلۂ جاں گداز سے گزرتی رہی۔ جب کوئی پاکستانی اس کی تسلی کو نہ پہنچا تو خود آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ اپنی مظلوم و مجبور بیٹی کو حوصلہ دینے اس کے خوابوں میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد اب کون ساعذر باقی رہ جاتا ہے۔ قبل اس سے کہ سنبھلنے کا وقت گزر جائے، عافیہ بہن کی آواز پر لبیک کہہ کر مسلمانوں کا استہزاء کرنے والی زبانیں کھینچ ڈالو، ورنہ تاریخ تمہیں بھی تمہارے حکمرانوں اور جرنیلوں کی طرح 'دختر فروش' کے نام سے یاد کرے گی، جبکہ عند اللہ مؤاخذہ مستزاد ہو گا۔

اے اہلِ پاکستان! اپنے آپ کو اُس دلدل میں مت پھنساؤ جس میں تمہارے راہنما تمہیں پھنسانا چاہتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ اور کندھوں پر مسلط ہر چھوٹی بڑی ناجائز قیادت کا بوجھ اتار پھینکو۔ تمہاری قیادت کا حق صرف اسے ہے جو قرآن کو اپنا دستور مانتا ہو اور باتوں کے تیر چلانے کی بجائے مسنون عملی میدان کا شہسوار ہو۔ معاملہ محض ایک عورت کی رہائی کا نہیں، بلکہ یہ اہلِ پاکستان اور اسلامیانِ عالَم کی عزت کی بحالی کا مسئلہ ہے؛ اور عزت کی قدر و منزلت عزت والے ہی جانتے ہیں۔ جلسوں، جلوسوں، مظاہروں، دھرنوں اور قراردادوں سے کسی موضوع کو زندہ تو رکھا جاسکتا ہے اور اس سے بعض سیاسی و ذاتی مفادات بھی سمیٹے جاسکتے ہیں، لیکن اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت و حفاظت اور فرمانروائی کے قیام کے لیے 'جہاد' کا راستہ اپنانا ہی ناگزیر اور عین اسلامی عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سوچنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اللہ ابو الہیثم پر رحم فرمائے!

قاری عبد الہادی

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تلبیسِ ابلیس اور صفۃ الصفوۃ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جیب کترے کا ایمان افروز مکالمہ نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فتنہ ء خلقِ قرآن میں حکامِ وقت کی مخالفت کرنے اور کلمۂ حق پر قائم رہنے کے سبب شدید تعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔ آپ پر شقی القلب جلاّدوں کا ایک گروہ مسلط کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک اپنی پوری قوت جمع کر کے آپ کو دو کوڑے مارتا اور پھر دوبارہ باری آنے تک آرام کرتا۔ ایک جلاّد نے تو یہاں تک کہا کہ اگر یہ کوڑے کسی ہاتھی کو بھی پڑتے تو وہ گر کر بے ہوش ہو جاتا۔ اس ظالمانہ تشدد سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا گوشت پھٹ پڑا اور آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں، لیکن آپ نے شرعی مسئلے میں خلافِ حق بات کہنا قبول نہ کیا۔ امام صاحب کے بیٹے عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد اکثر کہا کرتے تھے کہ ''اللہ ابو الہیثم پر رحم فرمائے، اللہ ابو الہیثم کی مغفرت فرمائے''۔ اس سے میرا اشتیاق بڑھتا گیا کہ میں اس ابو الہیثم نامی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ آخر ایک دن میں نے ہمت کر کے والدِ محترم سے پوچھ ہی لیا کہ: یہ ابو الہیثم کون ہیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا: ''یہ ابو الہیثم الحداد ہے۔ جب مجھے کوڑے مارنے کے لیے باندھا جانے لگا تو کسی نے پیچھے سے میرے کپڑے کھینچ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک شخص بولا: کیا تم مجھے جانتے ہو؟

میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: میں اپنی عیاری کے سبب معروف، ابو الہیثم الحداد ہوں۔ میں نہایت ماہر جیب کترا اور چور ہوں۔ امیر المؤمنین کے دفتر میں درج ہے کہ مجھے اب تک مختلف مواقع پر کل اٹھارہ ہزار (۱۸,۰۰۰) کوڑے مارے جا چکے ہیں۔ میں نے شیطان کی اطاعت میں اور اس حقیر دنیا کی خاطر ان کوڑوں پر صبر کیا اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ لیکن آپ تو رحمان کی اطاعت میں ہیں لہٰذا اس عظیم دین کی خاطر صبر کیجیے اور اپنی بات سے پیچھے نہ ہٹیے!"

امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس نازک موقع پر جب پوری امت کی نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں اور قبائل کے قبائل آپ کو پیغامات بھیج رہے تھے کہ اب تنہا آپ ہی حق بات پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اگر آپ اپنی بات سے پھرے تو ہم دین چھوڑ کر مرتد ہو جائیں گے، ایسے میں اس جیب کترے کے جملوں نے تکلیف کے ہر موقع پر آپ کو ثابت قدمی بخشی اور آپ کی ہمت بندھائی۔

یقیناً اس جیب کترے کے یہ جملے آج بھی اپنے اندر معانی کا ایک سمندر سموئے ہوئے ہیں اور ہر بندۂ مومن کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اگر امریکہ و یورپ کے کافر فوجی، حتیٰ کہ ان کی فوج میں بھرتی عورتیں بھی، افغانستان کی برف پوش چوٹیوں اور عراق کے تپتے صحراؤں میں دس سال سے شیطان کی اطاعت میں اور تنخواہ کے چند ٹکوں کی خاطر صبر کر رہی ہیں؛ تو کیا اس امت کے نوجوان اللہ تعالیٰ کی رضا پانے اور محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حق دار بننے کی خاطر دنیا کو لات مارنے اور محاذوں کی سختی پر صبر کرنے کے لیے خود کو تیار نہیں کریں گے؟ یہ جملے ہر عالمِ دین کو بھی یہ پیغام دیتے ہیں کہ اگر اس ملک کے لادین سیکولر طبقے سے تعلق رکھنے والی چھوٹی سی اقلیت اپنے ناپاک عقائد کو پھیلانے کے لیے ہر قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار ہے اور کبھی سلمان تاثیر اور کبھی ڈاکٹر فاروق کی طرح جان تک دے رہی ہے؛ تو کیا اس خطے کے علمائے کرام، لاکھوں کروڑوں عوام جن کی پشت پر کھڑے ہیں، جن کے پاس ایک الٰہی دعوت ہے، نبی ﷺ کی وراثت کا بوجھ جن کے کندھوں پر ہے، کیا یہ محترم علمائے کرام ملت کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر کھل کر کلمۂ حق کہنے، کفری جمہوری نظام کا دجل عیاں کرنے، جرنیلوں کی خونِ مسلم میں ڈوبی آستینوں پر سے پردہ اٹھانے، امریکہ کے آستانے پر سر بسجود سیاست دانوں کا پول کھولنے، شریعتِ مطہرہ کے نفاذ کی خاطر جانیں دینے والے مجاہدین کی تائید کرنے اور آگے بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کی قیادت سنبھالنے، اس کی ہر قیمت چکانے اور امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی اتباع میں ہر ظلم و جبر پر صبر کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے؟

اللہ ابو الہیثم پر رحم فرمائے!

نصر من اللہ وفتح قریب

اخبارِ ملاحم (میادینِ جہاد کی خبریں)

جمع وترتیب: حافظ صلاح الدین

امارتِ اسلامیہ افغانستان

(ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

فدائی حملے	دھاوا	کمین	بارودی سرنگیں	میزائل حملے
۴۹	۱۱۵۶	۷۹۹	۲۰۴۳	۷۷۲

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

افغان فوجی	صلیبی فوجی
۳۴۵۸ہلاک، ۲۵۰۰زخمی	۲۲۷۶ہلاک، ۱۸۷۱زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

ٹینک، بکتر بند گاڑیاں	آئل ٹینکر، ٹرک	گاڑیاں
۱۱۹۲تباہ	۱۲۳۸تباہ	۱۰۷۶تباہ

دشمن کی فضائیہ کا نقصان

ہیلی کاپٹر، طیارے	جاسوس طیارے
۲۱تباہ	۱۶تباہ

امارتِ اسلامیہ عراق

(ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

کمین	میزائیل	کار بم دھماکے	ٹارگٹ کلنگ	دھاوا	بارودی سرنگیں
۶۶	۱۲۰	۱۰۲	۲۲۲	۱۳۸	۷۸۰

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

جیش الدجال	حکومتی عہدیداران	کردی ملیشیا	عراقی پولیس	عراقی فوجی
۵۳۶ہلاک، ۵۹۶زخمی	۲۲۸ہلاک، ۱۸۶زخمی	۴۴ہلاک، ۱۶زخمی	۱۳۲۰ہلاک، ۸۳۴زخمی	۵۷۶ہلاک، ۵۸۸زخمی
جاسوس	ماہرینِ بارود	شیعہ	خفیہ اہلکار	قوات الصحوۃ
۷ہلاک، ۷زخمی	۱۸ہلاک	۱۲۶ہلاک، ۱۰۸زخمی	۹۰ہلاک، ۸۴زخمی	۱۹۸ہلاک، ۱۸۰زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

پولیس گاڑیاں	سرکاری گاڑیاں	عراقی فوجی گاڑیاں
۶۰ تباہ، ۳۰ ناکارہ	۱۲ تباہ، ۶ ناکارہ	۹۶ تباہ، ۲۴ ناکارہ

امارتِ اسلامیہ قوقاز

(ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ)

- ماہِ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ میں الحمدللہ مجاہدین نے کل ۴۳ کارروائیوں انجام دیں جن میں ۳۸ پولیس اور خفیہ اہلکار مارے گئے اور ۲۷ کے قریب زخمی ہوئے۔ ان کارروائیوں میں اہم ترین 'ریاست چیچنیا' کے صوبہ 'نوکشیشو' میں پولیس قافلے پر بارود سے بھری گاڑی کا دھماکہ تھا جس میں ۱۲ پولیس اہلکار مارے گئے۔
- محرم ۱۴۳۳ھ میں مجاہدین نے ۷۳ کارروائیاں انجام دیں جن میں چیچنیا، انگشتیا، داغستان اور KBK کی ریاستوں میں روسی خفیہ اہلکاروں، پولیس اور حکومتی عہدیداران کو نشانہ بنایا گیا۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں ۱۳ دشمن مارے گئے اور ۱۵ زخمی ہوئے۔ اہم کارروائیوں میں ریاست 'کے بی کے' میں 'مرکز برائے انسدادِ دہشت گردی' کے ممبر اور 'بلیک ہاکس' نامی تنظیم کے قائد لیفٹیننٹ کرنل 'وادم سلطانوف' کا قتل اور 'داغستان' میں پولیس تھانے پر کار بم دھماکہ اور ایف ایس بی کے سرحدی دستوں کے سالار 'کرنل مگومد رادزابوف' کا قتل تھا۔
- صفر ۱۴۳۳ھ میں مجاہدین نے کل ۶۲ کارروائیاں انجام دیں جن میں ۳۳ کفار ومرتدین ہلاک اور ۷۰ زخمی ہوئے۔ ان میں سے چار کارروائیوں میں مجاہدین نے روسی فوج کے خصوصی دستوں کو کمین کے ذریعے نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ پولیس 'کرنل مورت' اور ایف ایس بی کے اہلکار 'یونس گیزینوف' کو قتل کیا گیا۔

- ربیع الاول ۱۴۳۳ھ میں مجاہدین نے کل ۳۰ کارروائیاں انجام دیں جن میں ۵۶ دشمنانِ دین مارے گئے اور ۱۲۱ زخمی ہوئے۔ ان میں سے بہت سی کارروائیاں روسی کمانڈوز کے خلاف کی گئیں، ان پر حملے کیے گئے اور کمین کے ذریعے انھیں نشانہ بنایا گیا۔ اس کے نتیجے میں ۷۵ کے قریب روسی کمانڈوز ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ میں مجاہدین نے ۲۸ کارروائیاں انجام دیں جن میں ۳۵ دشمن ہلاک ہوئے اور ۱۶ زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں تین پولیس میجر اور CID کا ایک نائب ضلعی سربراہ لیفٹیننٹ کرنل 'مگومد موسایف' شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مجاہدین نے ایک پولیس پوسٹ پر شہیدی حملہ کیا جس میں ۶ پولیس اہلکار مارے گئے جبکہ دس سے زائد زخمی ہوئے۔
- جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ میں مجاہدین نے ۳۷ کارروائیاں انجام دیں جن میں ۲۸ دشمن ہلاک ہوئے اور ۱۸ زخمی ہوئے۔ ان ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں پولیس اہلکار، حکومتی عہدیداران اور خفیہ ادارے 'ایف ایس بی' کے کارندے شامل ہیں۔ اس ماہ کی اکثر کارروائیوں میں ٹارگٹ کلنگ کے ذریعے اہم دشمنوں کو نشانہ بنایا گیا، مثلاً 'ریاستِ انگشتیا' میں ایف ایس بی کے ایک افسر 'رسلان یندیَیف' کی گاڑی کو بارودی سرنگ کے دھماکے سے اڑایا گیا جس میں وہ مارا گیا اور اس کی بیوی جو خود بھی ایف ایس بی کی افسر ہے، زخمی ہوئی۔ اسی طرح 'ریاستِ داغستان' میں ایف ایس بی کے ضلعی ذمہ دار 'گاسن امچلاییف' کو نشانہ بنایا گیا، نیز اسی ریاست میں سینئر ضلعی پولیس افسر 'میجر ارسلانی' کو بھی قتل کیا گیا۔

مغربِ اسلامی (الجزائر)

(شعبان ۱۴۳۲ھ تا ربیع الاول ۱۴۳۳ھ)

اس مرتبہ ہمیں مغربِ اسلامی سے مجاہدین کی کارروائیوں کی مکمل تفصیلات موصول نہیں ہو سکی ہیں۔ صرف چند ایک کارروائیوں کو مجاہدین نے نشر کیا ہے جنھیں ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

- یکم شعبان ۱۴۳۲ھ: 'سکیکدہ' کے علاقے 'کرکرہ' میں مجاہدین کے ایک مجموعے نے سرحدی حفاظتی دستے کی ایک چوکی پر حملہ کیا جبکہ ایک دوسرے مجموعے نے فوج کی چوکی پر میزائل داغے، تاہم نقصان معلوم نہ ہو سکا۔
- یکم شعبان ۱۴۳۲ھ: 'بومرداس' میں مجاہدین نے فوج کے قافلے پر بارودی سرنگ کے ذریعے حملہ کیا۔
- ۲ شعبان ۱۴۳۲ھ: 'تیزی وزو' کے شہر 'سین الحمام' میں مجاہدین نے پولیس کی ایک چیک پوسٹ پر حملہ کیا جس میں تین پولیس اہلکار مارے گئے۔ مجاہدین نے ان کا اسلحہ بطورِ غنیمت اپنے قبضے میں لے لیا۔
- ۴ شعبان ۱۴۳۲ھ: ''موریطانیہ'' کے سرحدی علاقے 'باسکنو' میں موریطانی فوج کے مرکز پر مارٹر سے حملہ کیا، جس میں متعدد فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- ۱۲ شعبان ۱۴۳۲ھ: 'بغلیہ' میں مجاہدین نے الجزائری فوج کو دو بارودی سرنگوں کے ذریعے نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں ۴ فوجی ہلاک اور ۳ زخمی ہو گئے۔
- ۱۳ شعبان ۱۴۳۲ھ: 'بغلیہ' میں ہی مجاہدین نے الجزائری فوج کو بارودی سرنگ کے ذریعے نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں ۵ فوجی ہلاک اور ۳ زخمی ہوئے۔
- ۱۵ شعبان ۱۴۳۲ھ: بومرداس کے شہر 'برج منایل' میں پولیس ہیڈکوارٹر پر دو مجاہدین نے شہیدی حملہ کیا، جس سے ہیڈکوارٹر کی عمارت زمین بوس ہو گئی۔ ۱۵ پولیس اہلکار ہلاک جبکہ ۲۰ زخمی ہو گئے۔
- ۱۶ شعبان ۱۴۳۲ھ: 'تیزی وزو' میں واقع پولیس کے ایک مرکز پر ایک مجاہد نے شہیدی حملہ کیا جس سے عمارت کا ایک حصہ منہدم ہو گیا اور ۳۵ کے قریب مرتدین ہلاک اور زخمی ہوئے۔
- ۲۴ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ: ''مالی'' میں مجاہدین نے دو فرانسیسی جاسوسوں 'فیلیپ فاردون' اور 'سیرج لازبرفیک' کو حراست میں لے لیا۔

- ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ: ''مالی'' کے علاقے 'ٹمبکٹو' میں مجاہدین نے تین یورپی عیسائیوں کو حراست میں لے لیا۔
- صفر ۱۴۳۳ھ کے اوائل میں مجاہدین نے ''الجزائر'' سے متصل ''موریطانیہ'' کے سرحدی علاقے میں چھاپامار کر ایک موریطانی سکیورٹی اہلکار کو گرفتار کر لیا اور کچھ اسلحہ بھی غنیمت کیا۔

ارضِ ہجرت ورباط ''صومالیہ''

(ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۳ھ)

ہم نے سابقہ شمارے میں ذکر کیا تھا کہ صومالیہ میں مجاہدین نے بیشتر علاقہ قبضے میں لے لیا ہے اور جنگ کا دائرہ صرف دارالحکومت موغادیشو تک محدود ہو گیا ہے۔ تین سال کے عرصے میں امریکہ کی جانب سے وہاں تعینات کیا گیا افریقی اتحاد 'امیصوم' بری طرح ناکام رہا اور بے انتہاء جانی ومالی نقصان سے دوچار ہوا۔ امریکہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ایک طرف کینیا کو کہا کہ وہ اپنی فوجیں جنوب کی سمت سے صومالیہ میں داخل کرے اور دوسری طرف ایتھوپیا کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں مغربی سمت سے داخل کرے۔ اس طرح امریکہ کا منصوبہ تھا کہ صومالیہ میں مجاہدین پر باہر کی دو اطراف سے کینی اور ایتھوپی فوجیں حملہ کریں اور اندر سے یوگینڈی اور برونڈی فوجیں پیش قدمی کریں تاکہ مجاہدین پر گھیرا تنگ کیا جائے اور انھیں دھکیل کر چند ایک علاقوں تک محدود کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے اپنے ہوتے ہیں۔ الحمدللہ مجاہدین نے نہ صرف ان تین اطراف سے دشمن کا مقابلہ کیا ہے، بلکہ ان تمام افریقی فوجوں کو بھرپور جانی ومالی نقصان پہنچایا ہے جس کی وجہ سے اب تک یہ افواج چند کلومیٹر سے زیادہ پیش قدمی نہیں کر سکی ہیں۔ ذیل کی تفصیلات سے قارئین کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا، ولله الحمد والمنة!

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	دھاوا	کمین	ٹارگٹ کلنگ
۹۹	۵۸	۴۲	۱۳

مارٹر	شہیدی حملے	کار بم دھماکے
۹۵	۴	۲

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

صومالی فوج	یوگینڈی فوج	برونڈی فوج	کینی فوج
۵۴۶ ہلاک، ۴۷۶ زخمی	۶۰ ہلاک، ۱۵ زخمی	۸۸ ہلاک، ۳۹ زخمی	۲۲۳ ہلاک، ۱۹۹ زخمی

ایتھوپی فوج	حکومتی عہدیداران	جاسوس
۳۱۷ ہلاک، ۳۰۷ زخمی	۲۰ ہلاک	۱۶ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

صومالی گاڑیاں	ایتھوپی گاڑیاں	برونڈی گاڑیاں	کینی گاڑیاں	یوگینڈی گاڑیاں
۱۶ تباہ	۳۸ تباہ، ۱۶ ناکارہ	۷ تباہ، ایک ناکارہ	۳۵ تباہ، ۵ ناکارہ	۵ تباہ

فضائی نقصان: مجاہدینِ صومال نے ایک کارروائی میں اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے کینی فوج کا ایک ہیلی کاپٹر بھی مار گرایا۔

غنیمت: مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ان کارروائیوں میں بیش بہا اسلحہ بھی بطور غنیمت حاصل کیا۔ اس میں ۴۰ عدد کلاشنکوف، ۵ عدد پیکا، ۴ آر پی جی، ۳ عدد ھاون کے لانچر اور دیگر چھوٹا اسلحہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ مجاہدین نے ۳۴ عدد گاڑیاں بھی دشمن سے قبضے میں لیں جن میں سے بعض پر طیارہ شکن توپیں نصب تھیں۔ والحمد للہ!

بقعۂ ایمان وحکمت ”یمن“

(ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ تا جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

دھاوا	کمین	ٹارگٹ کلنگ	شہیدی حملے
۱۷	۴	۸	۶

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

یمنی فوجی	یمنی پولیس	حکومتی عہدیدار	خفیہ اہلکار	صلیبی	حوثی رافضی
۴۹۹ ہلاک، ۵۵۰ زخمی	۴ ہلاک، ۳زخمی	۴ ہلاک، ۲زخمی	۲ ہلاک، ۵زخمی	۲ ہلاک	۲۵ ہلاک، ۳۰زخمی

ان کارروائیوں میں سب سے بڑی کارروائی ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ کو صوبہ 'ابین' کے شہر 'الکود' میں واقع یمنی فوج کے بڑے کیمپ پر حملہ تھا جس میں ایک سو پچاسی (۱۸۵) یمنی فوجی مارے گئے، ڈیڑھ سو سے زائد زخمی ہوئے اور ۷۳ فوجی مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مجاہدین نے کیمپ پر قبضہ کر لیا اور وہاں موجود بھاری مقدار میں اسلحہ اور ساز وسامان اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان میں ایک ٹینک، ایک طیارہ شکن توپ، کاتیوشا میزائل کا لانچر بمعہ ۱۵ عدد میزائیل، ھاون (۱۲۰ م م) کا توپ خانہ، ۵ دوشکا، ۳ پیکا، ۲ آر پی جی، ۱۰۰ عدد کلاشنکوف، مختلف بندوقوں کی گولیوں کا ڈپو، ایک ٹرک اور دو ایمبولینس کی گاڑیاں شامل ہیں، والحمد للہ۔ اسی کارروائی میں یمنی فوجی کے دو ٹینک اور تین ٹرک بھی تباہ ہوئے۔

مشرقی ترکستان

- ٦ ربیع الثانی ١٤٣٣ھ: شہر 'کاشغر' کے قریب 'یاچِنگ' کے علاقے میں چند مجاہدین نے چھریوں اور چاقوؤں کے ذریعے چینیوں کو نشانہ بنایا اور سولہ (١٦) کو ہلاک کر دیا۔ اسی دوران دو مجاہدین بھی پولیس کی فائرنگ سے شہید ہو گئے۔

نائیجیریا

(ذوالحجہ ١٤٣٢ھ تا جمادی الاولیٰ ١٤٣٣ھ)

نائیجیریا میں مسلمانوں کے خلاف طویل عرصے سے جاری عیسائی جارحیت کے خلاف اب الحمدللہ جہادی تحریک کا آغاز ہو گیا ہے۔ تنظیم "جماعة أهل السنة للدعوة والجهاد"...... جسے مقامی زبان میں 'بوکو حرام' کے نام سے جانا جاتا ہے...... سے منسلک مجاہدین نے وہاں کے عیسائی مشنریوں، عیسائی حکومت اور فوج کے خلاف کامیاب کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ ذیل میں پچھلے چھ ماہ کی کارروائیوں کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	بارودی سرنگیں	شہیدی حملے
٣٠	١١	٤	٢

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

پولیس	سرکاری عہدیدار	عیسائی	سیکیورٹی اہلکار	جاسوس
٤١ ہلاک، ٣ زخمی	٥ ہلاک	١٧٠ ہلاک	٦١ ہلاک، ٢ زخمی	١ ہلاک

سرزمینِ شام

شام میں رافضی نصیری بشار الاسد کے نصیری سپاہی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں اور سوا سال سے شام لہو میں ڈوبا ہوا ہے۔ سامنے آنے والے اعداد و شمار کے مطابق مارچ ۲۰۱۱ء سے اب تک سترہ ہزار (۱۷۰۰) مسلمان شہید ہو چکے ہیں جن میں ایک ہزار سے زائد بچے اور اسی طرح ایک ہزار سے زائد عورتیں شامل ہیں، یعنی اوسطاً ہر روز ۳۵ لاشیں گر رہی ہیں۔ اس صورتحال میں پوری دنیا محض تماشا کر رہی ہے۔ حقوقِ انسانی کا ٹھیکیدار مغرب صرف باتیں بنا رہا ہے اور امنِ عالم کا علمبردار اقوامِ متحدہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ تاہم ان حالات کے باوجود شام کے مسلمانوں نے عزم و ہمت کا پہاڑ بن کر دکھایا ہے اور الحمدللہ اب وہاں مجاہدین نے بھی خود کو منظم کر لیا ہے۔ ''جبهة النصرة'' کے نام سے قائم ہونے والی مجاہد تنظیم نے چند ماہ میں مسلمانانِ شام کے دفاع میں اور شامی فوجیوں کے خلاف بہت عمدہ کارروائیاں کی ہیں۔ ذیل میں ان کی کچھ تفصیلات درج کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شام میں مجاہدین اور عام مسلمانوں کی مدد و نصرت فرمائیں اور انھیں جلد نصیری بشار الاسد اور اس کی فوجوں سے نجات عطا فرمائیں، آمین۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	شہیدی حملے	کار بم دھماکے
۲۹	۱۱	۱۷	۲	۱

دشمن کے نقصان کا اجمالی خاکہ

شامی فوجی	محافظینِ نظام	پولیس	حکومتی عہدیدار	جاسوس
۲۳۹ ہلاک، ۵۰ زخمی	۴۱ ہلاک، ۲۵ زخمی	۱۸ ہلاک	۸ ہلاک، ۵ زخمی	۳ ہلاک

مسلمانانِ پاکستان سے بھی التماس ہے کہ وہ شام میں بہنے والے لہو کو اپنا لہو سمجھتے ہوئے اس کو روکنے میں اپنی استطاعت کے مطابق کردار ادا کریں، جہاں ممکن ہو ان کے حق میں آواز بلند کریں اور کم از کم شام کے مسلمانوں اور مجاہدین کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

سرزمین پاکستان

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	شہیدی حملے	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	میزائیل حملے	کمین
۵۸	۱۴	۷۹	۱۸	۴۵	۱۸

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

پاکستانی فوج	پولیس	ایف سی اہلکار	لیویز / خاصہ دار
۳۵۴ ہلاک، ۳۵۸ زخمی	۸۷ ہلاک، ۹۹ زخمی	۱۲۷ ہلاک، ۱۴۳ زخمی	۲۵ ہلاک، ۲۲ زخمی
قبائلی لشکر	سیکولر سیاسی کارندے	خفیہ اہلکار	حکومتی عہدیدار
۶۲ ہلاک، ۵۶ زخمی	۱۸ ہلاک، ۳۶ زخمی	۴ ہلاک	۶ ہلاک

ان کارروائیوں میں فوج، پولیس اور ایف سی کے کئی اعلیٰ افسران بھی مارے گئے، جبکہ ساٹھ (۶۰) کے قریب فوجی اور ایف سی اہلکار گرفتار بھی ہوئے۔

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

فوجی گاڑیاں	نیٹو آئل ٹینکر اور کنٹینر	نیٹو آرمڈ گاڑیاں	ڈرون طیارے
۱۰ تباہ	۶۴ تباہ	۴ تباہ	۱ تباہ

بیشتر اعداد و شمار قبائلی علاقوں میں کی گئی کارروائیوں کے ہیں جہاں مجاہدین پاکستانی فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں۔ نامساعد حالات کے سبب چونکہ مکمل تفصیلات سے آگاہی نہ ہو سکی لہٰذا درج بالا اعداد و شمار کو حقیقت کی ایک جھلک کے طور پر دیکھا جائے۔

ان علاقوں سے وابستہ مجاہدین سے گذارش ہے کہ قارئین تک مکمل صورتحال پہنچانے میں ہماری مدد کریں اور اپنی تمام کارروائیوں کی تفصیلات ہمارے برقی پتے پر ارسال کریں، تاکہ اسے مسلمانانِ پاکستان کے سامنے لایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں، آمین!

اسبابِ مغفرت (آخری قسط)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ/ ترجمہ: مولوی انور شاہ

مغفرت کا دوسرا سبب؛
کثرتِ معاصی کے باوجود استغفار طلب کرنا

مغفرت کا دوسرا سبب اپنے گناہوں پر استغفار کرنا ہے، اگرچہ گناہوں کی کثرت آسمان کو چھونے لگے یا تاحدِ نگاہ گناہ ہی گناہ نظر آنے لگیں۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے:

"لو أخطأتم حتی تملأ خطایاکم ما بین السمآء و الأرض ثم استغفرتم الله لغفر لکم"۔

"اگر تم اس قدر گناہ کرو کہ آسمان اور زمین کے درمیان خلا تمہارے گناہوں سے بھر جائے، پھر تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو تو وہ تمہیں ضرور معاف کردے گا"۔[1]

"استغفار" کا مطلب

'استغفار' مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں اور 'مغفرت' اس پوشیدہ ڈھال کو کہتے ہیں جس کے ذریعے گناہوں کے شر سے بچا جاسکتا ہے۔ استغفار کا ذکر قرآنِ پاک میں بہت سے مقامات پر (مختلف پیرایوں میں) آیا ہے۔

[1] مسند أحمد (١٣٤٩٣)

⇐ کہیں استغفار کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً:

﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المزمل:[20])

"اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت زیادہ مغفرت اور رحم کرنے والے ہیں"۔

﴿وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾ (هود:[3])

"اور تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو"۔

⇐ کہیں استغفار کرنے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے (مثلاً متقین کے لیے جنتوں کی بشارت دیتے ہوئے ان کی صفت بیان کی گئی):

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ (ال عمران:[17])

"اور وہ صبح دم مغفرت طلب کرنے والے ہیں"۔

اور

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (ال عمران:[135])

"اور یہ وہ لوگ ہیں جب انھوں نے کوئی برا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا (تو) انھوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کی اور گناہوں کو معاف کرنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے"۔

⇐ پھر بعض جگہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اس شخص کو معاف کر دیتے ہیں جو اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہے۔

﴿وَمَن يَّعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (النساء:[110])

"اور جو شخص برائی کرتا ہے یا اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے (تو) وہ اللہ کو بہت زیادہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتا ہے"۔

استغفار اور توبہ؛ ساتھ ساتھ

اکثر اوقات استغفار اور توبہ کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے[۲]۔ ایسی صورت میں استغفار کا معنی ہو گا؛ زبان سے مغفرت طلب کرنا اور توبہ کا معنی ہو گا؛ اپنے دل اور اعضاء سے گناہوں کو یکسر چھوڑ دینے کا عزم کرنا۔

بسا اوقات محض استغفار کو (بغیر توبہ کے) ذکر کیا جاتا ہے اور اسی پر مغفرت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ سابقہ حدیثِ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے[۳]۔ لہٰذا اگر بغیر توبہ کے استغفار کی جائے تو اس سے مراد بھی استغفار اور توبہ ایک ساتھ کرنا ہی ہے۔

وہ تمام نصوص جن میں استغفار کو اکیلا ذکر کیا گیا ہے، ان سے مراد ایسی استغفار ہے جس میں آئندہ گناہوں کو چھوڑ دینے اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم شامل ہو، جیسے سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۵ میں ذکر ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے گناہوں پر استغفار کرے اور آئندہ گناہوں پر قائم نہ رہے[۴]۔

استغفار اور "اللّٰهم اغفر لي" کی دعا کو حرزِ جاں بنالو

جو شخص یہ کلمات کہتا ہے: "اللّٰهم اغفر لي"[۵] اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو یہ استغفار کی (بہت خوب) دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کی یہ دعا ضرور قبول فرمائیں گے اور اس کی مغفرت فرمادیں گے۔ خاص طور پر اگر یہ دعا ٹوٹے ہوئے دل سے نکلی ہو یا قبولیت کی گھڑیوں میں مانگی گئی ہو، اور قبولیت کی گھڑیاں وقتِ سحر اور فرض نمازوں کے بعد کا وقت ہے۔

---

[۲] مثلاً کسی کا یہ کلمات کہنا: استغفر الله وأتوب إليه۔ اس میں توبہ اور استغفار دونوں ہیں۔

[۳] حدیث: لو أخطأتم حتى بلغت خطاياكم ما بين السماء والأرض ثم استغفرتم الله لغفر لكم۔

[۴] مصنف یہاں یہ نکتہ واضح کرنا چاہ رہے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض زبان سے استغفار کرنا جبکہ دل میں گناہوں سے توبہ نہ کرنا، اس کے لیے نجات اور مغفرت کا سبب بنے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ استغفار وہی مقبول ہو گی جس میں دل سے گناہوں کو ترک کرنے کا عزم شامل ہو گا۔

[۵] ترجمہ: "اے اللہ! میری مغفرت فرما!"

حضرت حکیم لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا:

"اے میرے بیٹے! اپنی زبان کو "اللّٰهم اغفرلي" سے تَر رکھو کیونکہ کچھ گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کسی سوالی کو نامراد نہیں لوٹاتا"۔[6]

حضرت حسنِ بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"تم اپنے گھروں، دستر خوانوں، راستوں، بازاروں اور مجلسوں میں یا جہاں کہیں بھی ہو، کثرت سے استغفار کیا کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کب مغفرت کا فیصلہ کر دیا جائے"۔[7]

حضرت ابن ابی دنیا رحمہ اللہ اپنی کتاب "حسنِ ظن" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ:

"بينما رجل مستلق إذ نظر إلى السماء وإلى النجوم فقال: إني لأعلم أن لك ربا خالقا، اللّٰهم اغفر لي فغفر له"۔

"ایک آدمی چت لیٹا ہوا تھا، جب اس نے آسمان اور ستاروں کی طرف دیکھا تو کہنے لگا: بیشک میں جانتا ہوں کہ تمہارا بھی کوئی پالنے والا اور پیدا کرنے والا ہے، (اور پھر یہ دعا مانگنے لگا: اللّٰهم اغفرلي) اے اللہ مجھے معاف کر دے! پس اس کی بخشش فرمادی گئی"۔[8]

حضرت مورق عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ایک شخص بُرے کام کیا کرتا تھا، (پھر ایک دن) وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور ایک جگہ مٹی جمع کر کے پہلو کے بل اس پر لیٹ گیا اور کہنے لگا: اے میرے رب! میرے گناہ معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے اور وہ گناہوں کو معاف کرتا ہے اور عذاب بھی دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا"۔[9]

حضرت مغیث بن سمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[6] شعب الإيمان للبيهقي؛ باب في الرجاء من الله تعالى، فصل في الدعاء يحتاج إلى معرفتها

[7] التوبة لابن أبي الدنيا (١٥١)

[8] حسن الظن بالله لابن أبي الدنيا (١٠٧)

[9] حسن الظن بالله لابن أبي الدنيا (١٠٨)

"ایک غلط کار آدمی تھا، ایک دن اس نے یہ دعا پڑھی: "اللّٰھم غفرانک اللّٰھم غفرانک" (اے اللہ مجھے معاف فرما! اے اللہ مجھے معاف فرما!) پھر وہ شخص انتقال کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی"۔[10]

ان واقعات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیحین میں مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"إن عبدًا أذنب ذنبًا فقال: رب أذنبت ذنبًا فاغفر لي۔ قال الله تعالى: علم عبدي أن له ربًا يغفر الذنب ويأخذ به، غفرت لعبدي۔ ثم مكث ما شاء الله ثم أذنب ذنبًا آخر ۔۔۔فذكر مثل الأول"۔

"کسی بندے نے کوئی گناہ کیا، پھر اس نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو مجھے معاف کر دے! اللہ پاک نے فرمایا: میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور گناہوں پر پکڑ بھی کرتا ہے، پس میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر وہ مشیتِ ایزدی کے مطابق کچھ عرصہ تک گناہوں سے رکا رہا، پھر اس نے ایک اور گناہ کر دیا، پھر اس نے پہلے کی طرح معافی مانگی"۔ (یوں اس نے تین مرتبہ کیا)[11]

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ بندے نے جب تیسری مرتبہ ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قد غفرت لعبدي فليعمل ما شاء"۔

"تحقیق میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پس اب جو چاہے عمل کرے"۔[12]

---

[10] حسن الظن بالله لابن أبي الدنيا (١٠٩)

[11] صحيح البخاري؛ كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ ﴿يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللهِ﴾

[12] صحيح مسلم؛ كتاب التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة

اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا معاملہ تب تک ہو گا جب تک بندہ اس حال میں رہے کہ جب بھی اس سے گناہ سرزد ہو، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، اور اس استغفار میں یہ بات شامل ہے کہ وہ دل سے گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔

قبولیتِ استغفار میں رکاوٹ گناہوں پر اصرار کرنا ہے

اگر کوئی شخص گناہوں کو ترک بھی نہیں کرتا اور پھر مغفرت بھی طلب کرتا ہے تو اس صورت میں یہ محض ایک ایسی دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہیں تو قبول کرلیں اور چاہیں تو رد کر دیں۔ اور گناہوں پر اصرار قبولیتِ دعا میں رکاوٹ بن جایا کرتا ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

"ویل للمصرین الذین یصرون علی ما فعلوا وھم یعلمون"۔

"ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے گناہوں کو جاننے کے باوجود ان پر قائم رہتے ہیں"۔[13]

ابن ابی دنیا رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ:

"التائب من الذنب كمن لا ذنب له، والمستغفر من ذنب وهو مقيم عليه كالمستهزئ بربه"

"گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کبھی گناہ نہیں کیا اور اپنے گناہوں پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے والے شخص کی طرح ہے"۔[14] (والعیاذ باللہ)

حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"تین شخص ایسے ہیں جن کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو کسی عورت سے زنا کرتا ہے اور جب اس سے اپنی شہوت پوری کرلیتا ہے تو کہتا ہے: اے اللہ! میری

---

[13] مسند أحمد (٦٥٤١) و (٧٠٤١)

[14] التوبة لابن أبي الدنيا (٨٥)

مغفرت فرما جو میں نے فلاں عورت سے زنا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو اس عورت سے دور ہو جا تو میں تیری مغفرت کر دوں گا اور جب تک تو اس عورت سے زنا پر قائم رہے گا، میں تیری مغفرت نہیں کروں گا۔ دوسرا شخص وہ ہے جس کے پاس کسی کا مال ہے اور وہ اس کے مالک کو بھی جانتا ہے (لیکن اس کے باوجود) وہ اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اے میرے رب! میری مغفرت فرما جو میں نے فلاں کا مال کھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا مال واپس کر دے تو میں تیری مغفرت کر دوں گا اور جب تک تو واپس نہیں کرے گا میں تیری مغفرت نہیں کروں گا"۔[15]

سچی استغفار ہی مغفرت کا سبب ہے کہ جس کے بعد گناہ کو ترک کر دیا جائے

اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرنے کے لیے کوئی شخص جب "استغفر اللہ" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ گویا یہ کلمات بھی اللّٰهم اغفرلي کی طرح ہیں۔ سچی استغفار ......جو مغفرت کا باعث ہوتی ہے......وہ ہے جس میں گنہگار اپنے گناہوں پر قائم نہ رہے (یعنی گناہوں کو بالکل چھوڑ دے)۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف بیان فرمائی ہے اور ان سے مغفرت کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

بعض صوفیاء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ "جس شخص کی استغفار کا نتیجہ ترکِ گناہ کی صورت میں ظاہر نہ ہو، وہ استغفار کرنے میں جھوٹا ہے" اور بعض یہاں تک فرماتے ہیں کہ "ہمارا استغفار کرنا خود بہت زیادہ استغفار کا محتاج ہے"۔

اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

استَغفِرُ اللهَ مِن اَستَغفِرُ اللهَ   مِن لَفظَةٍ بَدَرَتْ خالَفتُ مَعناها

وَكَيفَ أَرجُو إِجَابَاتِ الدُّعَاءِ وَقَد   سَدَدتُ بِالذَّنبِ عِندَ اللهِ مَجراها

(میں اپنے "استغفر اللہ" کہنے پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں (کیونکہ) میں نے اس کے معنی کی مخالفت کی اور میں کیسے دعا کی قبولیت کی امید کروں جبکہ میں نے گناہوں کے ذریعے دعا کو اللہ کے پاس جانے سے روک دیا ہے۔)

[15] الزهد لهنَّاد بن السَّريِّ (٨٩٨)

پس سب سے افضل استغفار وہ ہے جو گناہ چھوڑنے کے پختہ عزم کے ساتھ کی جائے اور جس کے بعد کوئی گناہ نہ کیا جائے، اسی کو "توبة النصوح" (سچی توبہ) کہتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص دل کے دھیان کے بغیر محض زبان سے استغفر اللہ کہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کی ایک دعا ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے (لیکن اسے توبہء نصوح نہیں کہا جائے گا)۔ اور وہ شخص جس نے جھوٹوں کی سی توبہ کی (یعنی گناہوں کو ترک نہیں کیا اور نہ عزم کیا) تو حقیقت میں یہ توبہ ہے ہی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے اس کو توبہ سمجھ رکھا ہے، کیونکہ گناہوں پر اصرار کے ساتھ توبہ نہیں ہوتی۔

"استغفر اللہ" کے ساتھ "أتوب إليه" کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟

جو شخص استغفر اللہ وأتوب إليه کہے تو اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔

ان میں سے ایک حالت یہ ہے کہ (وہ یہ دعا مانگنے کے باوجود) دل سے گناہوں پر قائم ہے تو وہ اپنے قول وأتوب إليه میں جھوٹا ہے کیونکہ وہ توبہ کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو روا نہیں ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ خبر دے کہ وہ توبہ کر چکا ہے، دراں حالیکہ وہ توبہ کر ہی نہیں رہا۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ وہ شخص دل سے معاصی اور گناہوں کو چھوڑ دے، یوں اس کا وأتوب إليه کہنا بالکل درست ہوگا۔

سب سے افضل استغفار

سب سے افضل استغفار یہ ہے کہ

- بندہ اپنی دعا کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے کرے،
- پھر ثنا کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، اور
- پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا سوال کرے۔

جیسا کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سيد الإستغفار أن يقول العبد: اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت خلقتني وأنا عبدك وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت، أعوذبك من شر ما

صنعت، أبوء لك بنعمتك علي وأبوء بذنبي فاغفر لي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت"۔

"سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ یوں کہے: اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں۔ میں اپنے برے اعمال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جو نعمتیں تو نے مجھے عطا کیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہ کا بھی اقرار کرتا ہوں، پس تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں"۔[١٦]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"أن أبا بكر الصديق قال: يا رسول الله علمني دعاء أدعو به في صلاتي قال: قل اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"۔

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعا بتلائیں جو میں نماز میں مانگا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہو! اے اللہ میں نے (گناہ کرکے) اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، پس مجھے اپنی خاص مغفرت سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو بہت زیادہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔[١٧]

استغفار کے دیگر کلمات

استغفار کے دیگر کلمات میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ یوں دعا کرے:

"أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ"۔

[١٦] صحيح البخاري؛ كتاب الدعوات، باب أفضل الإستغفار

[١٧] صحيح البخاري؛ كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ ﴿وَكَانَ اللهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾، صحيح مسلم؛ كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر

''میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ سے قائم ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے یہ دعا مانگی، اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دیں گے، چاہے وہ میدانِ جہاد سے فرار کا گناہ کر چکا ہو۔[١٨]

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ہم کیسے استغفار کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کہا کرو:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ''۔

''اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، ہم پر رحم فرما اور ہماری توبہ قبول فرما، بیشک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔[١٩]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ما رأيت أحدا أكثر أن يقول: أستغفر الله وأتوب إليه من رسول الله صلى الله عليه وسلم''۔

''میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو أستغفر اللّٰہ وأتوب إليه کہتے نہیں سنا''۔[٢٠]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے شمار کیا کہ حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں سو مرتبہ یہ دعا مانگی:

''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَابُ الْغَفُوْرُ''۔

''اے اللہ میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بیشک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے''۔[٢١]

---

[١٨] سنن أبي داود؛ كتاب الصلوٰة، باب في الإستغفار

[١٩] السنن الكبرىٰ للنسائي (١٠٢٩٥)

[٢٠] صحيح ابن حبان (٩٢٨)

[٢١] السنن الكبرى للنسائي (١٠٢٩٢) ومسند أحمد (٣٧٢٦)

دن میں کتنی بار استغفار کی جائے؟

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"والله إني لأستغفر الله وأتوب إليه في اليوم أكثر من سبعين مرة"۔

"اللہ کی قسم میں دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ توبہ و استغفار کرتا ہوں"۔[22]

صحیح مسلم میں حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنه ليغان على قلبي وإني لأستغفر الله في اليوم مائة مرة"۔

"بیشک (مخلوق کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے) میرے دل پر غبار سا آجاتا ہے تو میں دن میں سو دفعہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں"۔[23]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قلت يا رسول الله! إني ذرب اللسان وإن عامة ذلك على أهلي، فقال: أين أنت من الإستغفار؟ إني لأستغفر الله في اليوم والليلة مائة مرة"۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں زبان کا سخت ہوں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی یوں ہی پیش آتا ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر تم استغفار کیوں نہیں کرتے، میں تو دن رات میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔[24]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من أكثر من الإستغفار جعل الله له من كل هم فرجًا، ومن كل ضيق مخرجًا، ورزقه من حيث لا يحتسب"۔

"جو شخص کثرت سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر غم سے خلاصی اور ہر تنگی سے نجات عطا کریں گے اور اس کو وہاں سے رزق دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا"۔[25]

---

[22] صحيح البخاري؛ كتاب الدعوات، باب إستغفار النبيﷺ في اليوم والليلة

[23] صحيح مسلم؛ كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب الإستغفار والإستكثار منه

[24] مسند أحمد (٢٣٣٦٢)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"إني لأستغفر الله وأتوب إليه كل يوم ألف مرة وذلك على قدر ديتي"۔

"میں روزانہ ایک ہزار بار توبہ و استغفار کرتا ہوں اور یہ میرے (گناہوں) کی دیت کے بقدر ہے"۔[26]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"طوبى لمن وجد في صحيفته إستغفارًا كثيرًا"۔

"خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو اپنے نامہ اعمال میں بہت زیادہ استغفار پائے"۔[27]

حضرت ابو منہال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ما جاور عبد في قبره من جار أحب إليه من استغفار كثير"۔

"بندے کا اپنی قبر میں کثرتِ استغفار سے بڑھ کر اچھا پڑوسی کوئی نہیں"۔[28]

گناہوں کا علاج استغفار کرنا ہے

خلاصہء کلام یہ ہے کہ تمام گناہوں کا علاج استغفار کرنا ہے۔

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"إن لكل داء دواء، وإن دواء الذنوب الإستغفار"۔

"ہر بیماری کا کوئی نہ کوئی علاج ہے اور گناہوں کا علاج استغفار کرنا ہے"۔[29]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[25] مسندأحمد (۲۲۳۴)

[26] معرفة الصحابة (۴۲۴۶)

[27] الزهد لهنّاد ابن السَّري (۹۲۱) وشعب الإيمان للبيهقي (٦۴٦)۔ یہ روایت ابن ماجہؒ، نسائیؒ اور بزارؒ نے حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

[28] الزهد لأحمد بن حنبل (۱۹۵۴)

[29] یہ روایت جامع الصغیر اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اسے شیخ البانیؒ نے ضعیف کہا ہے۔

"إن هذا القرأن يدلكم على دائكم ودوائكم فأما داؤكم فالذنوب، وأما دواؤكم فالإستغفار"۔
"قرآن پاک تمہاری بیماری کا بھی تمہیں پتہ دیتا ہے اور تمہارے علاج کے بارے میں بھی راہنمائی فراہم کرتا ہے، پس تمہاری بیماری گناہ ہے اور تمہارا علاج استغفار کرنا ہے"۔[30]
بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ:
"إنما معول المذنبين البكاء والإستغفار فمن أهمته ذنوبه أكثر لها من الإستغفار"۔
"گنہگاروں کا سہارا (اپنے گناہوں پر) رونا اور استغفار کرنا ہے، لہٰذا جس کے گناہ زیادہ ہو جائیں وہ کثرت سے استغفار کرے"۔
حضرت ریاح قیسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"لي نيف وأربعون ذنبا قد استغفرت الله لكل ذنب مائة ألف مرة"۔
"میرے چالیس سے کچھ اوپر گناہ تھے، میں نے ہر گناہ کے لیے ایک لاکھ مرتبہ استغفار کی"۔[31]

کم گناہ والوں سے دعا کی درخواست کرنا

جو شخص اپنے گناہوں پر استغفار کرتا رہتا ہے، اُس کے پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ کئی بار ایسے لوگ بھی گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتے ہیں جن کے گناہ کم ہوں۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے دعا کی درخواست کیا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچوں سے استغفار کروایا کرتے تھے اور بچوں سے فرماتے تھے کہ بیشک تم گنہگار نہیں ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرآنِ پاک پڑھنے والے بچوں سے کہا کرتے تھے کہ تم کہو: "اے اللہ! ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو معاف فرما!" پھر خود ان کی دعا پہ آمین کہا کرتے تھے۔
حضرت بکر مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[30] شعب الإيمان للبيهقي (٧١٤٦)

[31] حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني، الجزء ٣، ترجمة رياح بن عمرو القيسي

"لو كان رجل يطوف على الأبواب كما يطوف المسكين يقول: استغفروا لي لكان قبوله أن يفعل"۔
"جو شخص بھکاری کی مانند در در پھرتا رہا اور لوگوں سے یہ کہتا رہا کہ: میرے حق میں استغفار کردو، تو اس کی مغفرت ہو جائے گی"۔
مزید فرماتے ہیں:
"ومن كثرت ذنوبه وسيئاته حتى فاقت العدد والإحصاء فليستغفر الله مما علم، فإن الله قد كتب كل شيء وأحصاه كما قال تعالى:
﴿يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللهُ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوٓا أَحصَاهُ اللهُ وَنَسُوهُ﴾ (المجادلة: ٦)"
"جس شخص کے گناہ اور بُرے اعمال ان گنت ہو جائیں (یہاں تک کہ وہ اکثر بھول گیا ہو)، تو اسے چاہیے کہ اس طرح استغفار کرے کہ جس قدر گناہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، ان سب کی معافی مانگی جائے، کیونکہ اللہ تعالی تو ہر چیز لکھتے اور شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
﴿اللہ تعالی ایک روز (یعنی روزِ قیامت) ان سب کو دوبارہ زندہ کریں گے، پھر ان سب کا 'کیا دھرا' انھیں بتادیں گے، اللہ تعالیٰ نے وہ سب محفوظ کر رکھا ہے جبکہ یہ لوگ اسے بھول چکے ہیں﴾"
حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کرتے ہیں:
"أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ"۔
"(اے اللہ!) میں آپ سے سوال کرتا ہوں ہر اس خیر کا جو آپ جانتے ہیں اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس شر سے جو آپ جانتے ہیں اور میں آپ سے (اپنے ہر اس گناہ کی) مغفرت طلب کرتا ہوں جو آپ جانتے ہیں، بیشک آپ بہت زیادہ غیب کا علم رکھنے والے ہیں"۔[٣٢]

[٣٢] المستدرک للحاکم؛ كتاب الدعاء والتكبير (١٨٧٢)، وجامع الترمذي؛ كتاب الدعوات (٣٣٢٩)

کسی شاعر نے بھی یہ بات کہی ہے:

استَغفِرُ اللّٰہ مِمَّا یَعلَمُ اللّٰہُ	إِنَّ الشَّقِیَّ لَمَن لاَ یَرحَمُ اللّٰہُ
فاستَغفِرِ اللّٰہَ مِمَّا کَانَ مِن زَلَلٍ	طُوَبی لِمَن کَفَّ عَمَّا یَکرَہُ اللّٰہُ
طُوبَی لِمَن حَسُنَت سَرِیَرَتُہُ	طَوبَی لِمَن یَنتَہِی عَمَّا نَہَی اللّٰہُ

(میں اللہ تعالیٰ سے اپنے ان گناہوں کی معافی مانگتا ہوں جو وہ جانتے ہیں، بیشک بد بخت ہے وہ شخص جس پر اللہ تعالی رحم نہیں کرتے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی ہر لغزش پر معافی مانگو۔ اور خوشخبری ہے ہر اس شخص کے لیے جو ہر اس کام سے رُک گیا جو اللہ تعالی کو ناپسند ہے، خوشخبری ہے اس کے لیے جس کا باطن اچھا ہے، خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو رُک گیا ہر اس کام سے جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے۔)

مغفرت کا تیسرا سبب؛ توحید

توحید مغفرت کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہے۔ جو توحید سے محروم رہا وہ مغفرت سے بالکلیہ محروم ہو گیا۔ اور جس نے توحید کا سہرا اپنے سر سجالیا، اُس نے مغفرت کا سب سے بڑا سبب پالیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾

”بیشک اللہ تعالی اس شخص کو معاف نہیں فرمائیں گے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں گے، معاف کردیں گے“۔

جو شخص زمین کے بھراؤ کے برابر توحید لے کر آئے اور اس کے گناہ بھی زمین کے بھراؤ کے بقدر ہوں تو اللہ تعالی قیامت کے دن زمین کے بھراؤ کے برابر مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کریں گے۔ لیکن اس معاملے کا تعلق اللہ کی چاہت کے ساتھ ہے۔ پس اگر اللہ چاہیں گے تو اس کو معاف کردیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کے گناہوں پر اس کا مواخذہ کرلیں گے۔ لیکن پھر بھی اس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا پوری کر کے جنت میں چلا جائے گا۔

علماء نے کہا ہے کہ موحّد کو کافروں کی طرح جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اور(اگر کسی گناہ کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں ڈال بھی دیا گیا تو) وہ کفار کی طرح ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

کامل توحید ہی مغفرت کا سبب ہے

اگر بندے کی توحید اور اللہ کے ساتھ اخلاص کامل ہو اور وہ اپنے دل، زبان اور اعضاء کے ساتھ توحید کی تمام شرائط پر قائم ہو یا موت کے وقت وہ اپنی زبان اور دل سے توحید پر قائم ہو تو یہ توحید اس کے تمام پچھلے گناہوں کی مغفرت کروادے گی اور اس کو جہنم میں جانے سے یکسر روک دے گی۔

پس جس کے دل میں کلمہ توحید پختہ ہو جائے تو یہ کلمہ اس شخص کے دل سے اللہ تعالی کے سوا ہر دوسرے کی محبت، تعظیم، خوف، امید اور بھروسہ، سب کچھ نکال دیتا ہے، اور اس کے تمام گناہ اور خطائیں معاف کردی جاتی ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں اور بسا اوقات اس کے گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ پس یہ توحید ہی مغفرت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اگر توحید کا ایک ذرّہ گناہوں کے پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو یہ اس کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ:

"لا إله إلا الله لا يسبقها عمل ولا تترك ذنبا"۔

"لا الہ الا اللہ کسی گناہ کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اس سے بڑھ کر کوئی عمل ہے"۔[۳۳]

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"إرفعوا أيديكم وقولوا: لا إله إلا الله، فرفعنا أيدينا ساعة، ثم وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده ثم قال: الحمد لله، اللهم بعثتني بهذه الكلمة وأمرتني بها ووعدتني الجنة عليها وإنك لا تخلف الميعاد، ثم قال: ابشروا ،فإن الله قد غفر لكم"۔

---

[۳۳] مسند أحمد کی حدیث (۲۷۳۹۳) کے الفاظ بعینہ یہ نہیں، اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت نقل کی ہے۔سنن ابن ماجه؛ كتاب الأدب، باب فضل لا إله إلا الله (۳۷۸۷)

"اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو: 'لا الہ الا اللہ'۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے کچھ دیر اپنے ہاتھ بلند رکھے۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا اور فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں۔ اے اللہ! آپ نے مجھے اس کلمہء توحید کے ساتھ بھیجا اور آپ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا اور اسی کلمہء توحید پر آپ نے مجھ سے جنت کا وعدہ فرمایا، بیشک آپ وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ (ہم سے) فرمانے لگے: خوش ہو جاؤ، اللہ تعالی نے تم سب کی مغفرت کر دی ہے"۔[۳۴]

حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"من ركن إلى الدنيا أحرقته بنارها فصار رمادا تذروه الرياح ومن ركن إلى الآخرة أحرقته بنورها فصار ذهبا أحمر ينتفع به، ومن ركن إلى الله أحرقه بنور التوحيد فصار جوهرا لا قيمة له"۔

"جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوا تو دنیا کی آگ اسے جلا کر ایسی راکھ بنا ڈالے گی جسے ہوا اڑا لے جائے (یعنی وہ ضائع ہو جائے گا)۔ اور جو شخص آخرت کی طرف مائل ہوا تو آخرت اسے اپنے نور کی بھٹی میں ایسا کندن بنا دے گی جس سے لوگ نفع اٹھائیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے نورِ توحید سے مزین فرما کے ایسا ہیرا بنا دیں گے کہ کسی سے اس کی قیمت ہی ادا نہ ہو پائے"۔

توحید دِل کو پاک کرتی ہے

جب محبت کی آگ دل میں گھر کر جائے تو وہ ذاتِ خداوندی کے سوا تمام چیزوں کو جلا دیتی ہے۔ پھر دل ہر قسم کے غبار سے پاک ہو جاتا ہے اور توحید کا پودا پھلنے پھولنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

"ما وسعني سمائي ولا أرضي، ولكن وسعني قلب عبدي المؤمن"۔

[۳۴] مسند أحمد (۱۷۱۲۱)

"آسمان اور زمین کی وسعتیں مجھے نہیں سما سکتیں لیکن میں اپنے بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں"۔ (اسرائیلی روایت)[۳۵]

اللہ تعالیٰ ہمیں مغفرت کے اسباب اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

---

[۳۵] یہ مشہور اسرائیلی روایت ہے، حدیث نہیں ہے۔ یہ بات خود امام ابن رجب رحمہ اللہ نے جامع العلوم والحکم میں لکھی ہے۔ لہٰذا اسے کوئی شخص حدیث نہ سمجھے۔ یہی بات حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ عراقیؒ اور علامہ زرکشیؒ نے کہی ہے۔ دیکھیے: المقاصد الحسنة للسخاوي۔

قارئین کے مراسلات

پیارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوں گے۔ مجھے ادارۂ حطین کی کتب کہاں سے ملیں گی، براہِ کرم رہنمائی فرمائیں۔

جزاکم اللہ خیراً!

عبداللہ، کراچی

جواب: محترم بھائی! آپ انٹرنیٹ کی مختلف جہادی سائیٹوں پر ہماری کتب ملاحظہ فرما سکتے ہیں، جن میں سے چند ایک کے پتے درج ذیل ہیں:

www.malhamah.co.nr

www.ribatmarkaz.co.cc

www.ansar1.info

عزیز بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا تعلق گوجرانوالہ سے ہے۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا ہے کہ میں جہاد کی طرف راغب ہوا ہوں اور اس میں بنیادی کردار لال مسجد کے شہداء کا ہے۔ ان کے خون نے ہی مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ

میں جہاد کا گہرائی سے مطالعہ کروں۔ کچھ ماہ قبل تک میں گانے سننے اور فلمیں دیکھنے کا عادی تھا، مجھے شیطان نے بہکار کھا تھا لیکن جہاد کی محبت اور انٹرنیٹ پر اس کے متعلق تحقیق و جستجو نے میری زندگی بدل دی۔ اس دوران میں نے قرآنِ مجید اور اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۶ اور سورۂ توبہ کی آیات پڑھیں تو میرے دل سے دنیوی خواہشات ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ جنت کی چاہت نے لے لی۔ اسی چاہت کی وجہ سے شہادت کی محبت میرے دل میں رچ بس گئی۔

آج مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ افغانستان، وزیرستان اور قبائل میں جہاد فرضِ عین ہے اور دجالی ذرائع ابلاغ درحقیقت اسلام کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں۔ میں اب ایک طرف شہادت کی عظمت جان گیا ہوں اور دوسری طرف اس منافق حکومت کی حقیقت سے واقف ہو گیا ہوں جو امریکہ کی غلامی میں کام کر رہی ہے اور جس نے خفیہ اداروں کے ساتھ مل کر کئی علماء کو شہید کیا ہے۔

میں نے آج یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جب موت کا وقت مقرر ہے تو کیوں نہ شان سے موت کو گلے لگایا جائے۔ ہسپتال میں کسی بستر پر جان دینے کی بجائے کیوں نہ راہِ جہاد میں اللہ تعالیٰ کے لیے جان دی جائے تاکہ میرا شمار بھی اللہ کی نظر میں نیک لوگوں میں ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھیں، جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور شہادت کے مرتبے سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ والسلام

نور الدین نیّر، گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب قاری عبد الہادی صاحب!

آپ کا مضمون حطین شمارہ نمبرے میں "یہ کس کی فوج ہے؟" کے عنوان سے پڑھا جس سے میں اختلاف کرتا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ کم علمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بہر حال میری رائے

ناقص ہی ہے، تاہم جس طرح آپ نے ایک عام فوجی کو ان کے افسران کی طرح اسلام سے برگشتہ قرار دیا، وہ کسی طرح منصفانہ نہیں ہے۔

آپ نے جتنی مثالیں دیں وہ سب افسران کی تھیں۔ ایک عام فوجی بدرجۂ اتم صرف ادائیگیٔ فرض کا پابند ہوتا ہے اور یہ فرض انگریزی افسران اور ہندو ساتھی فوجیوں کی موجودگی میں غلامی کی طرح ہو جاتا ہے۔ ایک عام فوجی اور ایک افسر کی بھرتی کے معیار مکمل جدا ہیں۔ ملٹری اکیڈمی میں افسران کی تربیت ہوتی ہے، عام فوجی کی نہیں۔

جہاں تک مجاہدین کے خلاف افواجِ پاکستان کے ملوث ہونے کا تعلق ہے، میں اس کا زیادہ ذمہ دار علمائے وقت کو سمجھتا ہوں۔ آج تک ہمارے علماء ایک مرتد حکومت کو اسلامی حکومت قرار دے کر اس کے خلاف خروج کو حرام قرار دیتے رہے ہیں۔ ہمارے علماء نہ صرف طالبان کی حمایت نہ کر سکے بلکہ اسلام آباد کی لال مسجد جیسی تحریک کا حصہ بھی نہ بن سکے۔ اہلِ علم و دانش نے ہی قوموں کی رہنمائی کرنی ہوتی ہے لیکن آج ہمارے علماء دنیاوی منافع کی خاطر دین کو چھوڑ بیٹھے، نتیجتاً دانش ان سے رخصت ہو گئی اور یہ وقت کی مقدس گائے بن گئے۔

میری ناقص رائے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ:

۱. علماء، عوام اور فوج کو دین سے دوری کا طعنہ دینے کی بجائے اسلاف کی طرح قربانیوں کا اعادہ کریں۔

۲. تبلیغی جماعت والوں کو باتوں سے ہٹا کر کام کی طرف لگائیں۔

۳. کسی ایک متحدہ محاذ سے اسلامیانِ پاکستان کی قیادت کریں۔

کئی صدیوں پر محیط اسلام سے دوری کو آناً فاناً تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی الزام تراشیوں سے کوئی مقصد حاصل ہو گا، جبکہ اس دجالی دور میں روافض ہی مسلمان تصور کیے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسی باکردار قیادت تلاش کرنی ہو گی، اس کے بغیر مجاہدینِ اسلام ٹارگٹ کلرز اور دہشت گرد ہی کہلائیں گے۔ والسلام!

ایک بندۂ عاجز!

جواب:

محترم بھائی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوا، خط لکھنے اور رسالے کا مطالعہ کرنے کا شکریہ، جزاک اللہ خیراً کثیراً۔ آپ نے گزشتہ شمارے میں چھپنے والے مضمون "یہ کس کی فوج ہے؟" پر کچھ نکات اٹھائے جن کا مختصر اور نکتہ وار جواب دینے کی کوشش کروں گا:

- آپ نے اس بات کو "غیر منصفانہ" قرار دیا کہ مضمون میں عام فوجی کو بھی افسروں کی طرح "اسلام سے برگشتہ" قرار دیا گیا ہے حالانکہ آپ کے بقول عام فوجی محض "ادائیگیٔ فرض کا پابند" ہوتا ہے۔ عزیز بھائی! میں ادب کے ساتھ آپ کی اس رائے سے اختلاف کی جسارت کروں گا اور چند سوالات اٹھا کر آپ کو ان پر سوچنے کا موقع دینا چاہوں گا۔ ہم نے مذکورہ مضمون میں مکمل حوالہ جات کے ساتھ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کی جنگوں میں فوج کے جو جرائم ذکر کیے کیا عام فوجی اس میں براہِ راست شریک نہ تھے؟ کیا ۱۸۵۷ء میں جامع مسجد دہلی کی تباہی سے لے کر ۲۰۰۷ء میں لال مسجد اسلام آباد کی تباہی تک کے گھناؤنے جرائم میں عام فوجی مساجد پر گولیاں برسا رہے تھے یا جرنیل بذاتِ خود؟ کیا مسلمانوں کے بالمقابل کفار کا ساتھ دینے یا مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے اموال کو لوٹنے اور ان کی عصمتیں پامال کرنے میں شریک ہونے والا کوئی بھی عام فوجی دنیا میں کسی شرعی عدالت یا کسی مفتی کے سامنے اور آخرت میں رب کے سامنے یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ وہ تو بس فرض کی ادائیگی میں یہ سب کر رہا تھا؟ کیا شریعت کی رُو سے ایسی مکروہ ڈیوٹی ادا کرنا "فرض کی ادائیگی" کہلائے گا یا کم سے کم بھی "حرام کا ارتکاب"؟ کیا اس غلامانہ اور منافیٔ ایمان نوکری سے فرار کی واقعتاً کوئی راہ نہیں ہوتی؟ کیا اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کی مجبوری اتنی بڑی مجبوری ہے کہ اس کی خاطر دوسروں کے بچوں کا خون کرنا شرعاً وعقلاً جائز ہو جاتا ہو؟ امید ہے کہ آپ ان سوالات پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور فرمائیں گے۔

پیارے بھائی! شریعت کی تعلیمات سے یقیناً یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص جس قدر اختیارات کا حامل ہو گا اسی قدر اس کا جرم بھی بڑا ہو گا اور اسی لیے ان جرائم میں ملوث اعلیٰ افسران کا جرم عام فوجی کے جرم سے کہیں زیادہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عام فوجی جو مرضی جرائم

کرتا پھرے اس پر کوئی پکڑ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ: ''(روزِ قیامت) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔(الانعام: ۱۶۴) اور یہ عبرت ناک منظر بھی اللہ کی کتاب میں مذکور ہے کہ: ''اور وہ (یعنی جہنمی) کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تو انھوں نے ہمیں راستے سے گمراہ کردیا''۔(الاحزاب:۶۷) لیکن یہ بات وہ جہنم میں ڈالے جانے کے بعد کہیں گے اور افسروں کی اطاعت کا یہ عذر قبول نہیں کیا جائے گا نہ ہی ان کے عذاب میں کچھ کمی ہوگی، جیسا کہ کتاب اللہ کی متعدد آیات سے واضح ہے۔ اللہ ہم سب کو عذابِ جہنم سے محفوظ رکھیں، آمین!

پس ہم بھی دل کی گہرائیوں سے اللہ سے یہ دعا ضرور کرتے ہیں کہ وہ فوج کے نچلے طبقے کو بد بخت فوجی جرنیلوں سے علیحدہ ہونے کی توفیق دیں اور درمیانی سطح کے افسروں کو بریگیڈیئر علی کے نقشِ قدم پر چلنے کی جرأت بخشیں...... لیکن دل کے ان جذبات کے سبب نہ تو واضح حقائق سے نظریں چرائی جاسکتی ہیں نہ ہی شرعی احکامات کو بدلا جاسکتا ہے۔

- آپ نے یہ بھی لکھا کہ ''ایک عام فوجی اور ایک افسر کی بھرتی کے معیارات بالکل جدا ہیں اور ملٹری اکیڈمی میں افسران کی تربیت ہوتی ہے، عام فوجی کی نہیں''۔ اگرچہ یہ بات ایک اعتبار سے درست ہے کہ عام فوجی اور افسر کے بھرتی کے معیارات جدا ہیں لیکن یہ فرق تو اس بناء پر ہے کہ افسر نے کسی اور نوعیت کے کام سرانجام دینے ہیں اور سپاہی و غیر کمیشن افسروں نے کسی اور نوعیت کے۔ فوج کے سپاہی طبقے نے زیادہ تر ہاتھ سے کام یا عملی کام کرنے ہوتے ہیں جبکہ افسر طبقے نے ایک سطح تک عملی و نظری دونوں کام، اور ایک خاص سطح پر پہنچنے کے بعد محض نظری طور پر قیادت کرنی ہوتی ہے۔ اسی لیے ان دونوں قسم کے کاموں کے لیے الگ ذہنی و علمی قابلیتیں درکار ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو کسی طور درست نہیں ہو سکتا کہ افسروں کے چناؤ کے لیے غیر اسلامی معیارات ہیں اور عام سپاہی کے چناؤ کے لیے عین اسلامی۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں سطح پر چناؤ کے معیارات تاحال وہی چل رہے ہیں جو فرنگی چھوڑ کر گیا تھا اور ان میں کئی اصولی مشابہتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نام نہاد ''جنگجو نسلوں'' والے علاقوں سے چناؤ کو ترجیح دینے کا اصول افسروں اور جوانوں دونوں سطح پر لاگو ہوتا ہے۔ رہ گئی بات تربیت کی، تو یہ بات بھی بالکل درست

ہے کہ ملٹری اکیڈمی کاکول اور سٹاف کالج کوئٹہ وغیرہ میں صرف افسروں کی تربیت ہوتی ہے، لیکن اس سے بھی یہ نتیجہ نکالنا کیسے درست ہو گیا کہ فوج میں سپاہی طبقے کی تربیت کا کوئی نظام موجود نہیں، یاموجود تو ہے لیکن وہ عین اسلام پر مبنی ہے؟ امید ہے آپ ان نکات پر توجہ فرمائیں گے۔

- آپ نے علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی نگاہ میں علمائے کرام ہی موجودہ مسائل کے ذمہ دار ہیں اور وہ دین پر دنیوی منافع کو ترجیح دے رہے ہیں اور اہلِ حق کا ساتھ نہیں دے رہے۔ اس سے بھی پورے ادب کے ساتھ اختلاف کی جرأت کروں گا۔ میرے محترم بھائی! علمائے کرام کے پورے طبقے کو بلا تفریق ہدفِ ملامت بنانا میری ناقص رائے میں غیر منصفانہ بھی ہے اور شریعت کے سکھلائے ہوئے ادب کے بھی خلاف ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے قلم سے نکلنے والے یہ جملے دینی حمیت کے تحت ہی نکلے ہیں لیکن علماء کے متعلق بات کرتے ہوئے تنقید کا یہ اسلوب اختیار کرنا مناسب نہیں۔ یقیناً ہم ایک تنزل کے دور سے گزر رہے ہیں، خلافت چھنے ایک صدی کے قریب بیت چکی ہے، اسی لیے امت کے دیگر طبقات کی طرح علمائے کرام کی صفوں پر بھی اس صد سالہ غلامی کے منفی اثرات ضرور مرتب ہوئے ہیں۔ لیکن اس ضعف کے عالم میں بھی اگر عالمِ کفر کو للکارنے کے لیے کبھی بغاوت کی چنگاری بھڑکی ہے تو انھی علمائے کرام کی صفوں سے۔ سکھوں کے خلاف سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک کی قیادت بھی علماء نے کی، ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کی آگ بھی علماء نے بھڑکائی، اشتراکیت کے فتنے کے آگے بند باندھنے میں بھی علماء پیش پیش رہے، رافضی فتنے کو بھی علماء نے للکارا، قادیانی فتنے کو نکیل بھی علماء نے ڈالی، افغانستان کی طالبان تحریک بھی علماء کے ہاتھوں اٹھی اور تحریکِ طالبان پاکستان کی بیشتر قیادت بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے اہلِ حق علماء کے اس طویل اور غیر منقطع تاریخی سلسلے کو نظر انداز کر کے علماء کو یوں عمومی انداز میں نشانہء نقد بنانا عدل کے خلاف ہے۔ ہاں، اگر آپ کا مقصود صاحبزادہ فضل کریم، عمار خان ناصر اور حافظ محمد زبیر جیسی شخصیات کو نشانہء نقد بنانا ہو تو یقیناً آپ کا شکوہ بجا ہے، لیکن اسلاف کے راستے سے منحرف اس نہایت چھوٹے سے ٹولے کو نقد کا نشانہ بنانے کے لیے پورے طبقہء علماء کو مطعون ٹھہرانا صحیح نہیں، واللہ اعلم۔

- آخری بات یہ کہ پیارے بھائی! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے حکمران محض ہاتھ پر ہاتھ دھرنے سے ظاہر نہیں ہوتے بلکہ جب ایک قوم قربانیاں دیتی ہے، اپنوں اور پرایوں کی جانب سے طعنے سہتی ہے اور اپنے عقائد کی خاطر اپنا خون پیش کرتی ہے تو اللہ اس کو صبر کے ثمرے کے طور پر پاکیزہ قیادت نصیب فرماتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجدۃ:24)

"اور جب انھوں (یعنی بنی اسرائیل کے اہلِ ایمان) نے (مصائب پر) صبر کیا تو ہم نے ان میں سے کئی ایسے امام بنا دیے جو ہمارے حکم سے ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے"۔

مجاہدینِ اسلام اپنی بساط کی حد تک اسی جہد میں مصروف ہیں اور تقریباً یومیہ اپنے خون سے اس دین کے شجر کی آبیاری کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ اس پاکیزہ لہو کو شرفِ قبولیت بخشیں گے اور اس کے شیریں پھلوں سے پوری امت بلکہ پوری انسانیت کو مستفید فرمائیں گے۔

آخر میں یہ درخواست ہے کہ کوئی بات بھی تلخ لگ گئی ہو تو معذرت خواہ ہوں، مقصود دل آزاری ہر گز نہ تھی۔ اللہ ہمارے قلوب کو حق بات پر اکٹھا فرما دیں، آمین!

(آپ کی دعاؤں کا طلبگار، مدیرِ حطین)

قارئین سے التماس ہے کہ ہماری کتب اور رسالے کے حوالے سے یا دنیا بھر میں برسرِ پیکار مجاہدین اور ان کے منہج کی بابت کوئی بھی بات ہو، سوالات ہوں یا تجاویز ہوں تو انھیں ضرور ہم تک درج ذیل برقی پتوں کے ذریعے پہنچایئے:

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen1@gmail.com

انسانیت کی مشکلات کا واحد حل

"انسانیت کی مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہازرانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں سے نکل کر...... جنھوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے...... ان امانت دار، فرض شناس، خدا ترس، تجربہ کار ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جو انسانیت کی جہازرانی کے لیے روزِ ازل سے بنائے گئے ہیں۔ نتیجہ خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی راہنمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپ سے ...... جس میں برطانیہ، امریکہ، روس اور ان کی حاشیہ بردار مشرقی اور ایشیائی قومیں ہیں اور جس کی زمامِ قیادت مترفین اور اکابر مجرمین کے ہاتھوں میں ہے...... منتقل ہو کر اس امت کے ہاتھ میں آجائے جس کی قیادت انسانیت کے معمارِ اعظم، رحمتِ عالم، سیدِ اولادِ آدم محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہے، اور جو اس دنیا کی تعمیرِ نو اور انسانیت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتی ہے اور جس کا ایمان دنیا کو اس وقت کی جاہلیت سے اسی طرح نکال سکتا ہے جس طرح اس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نکالا تھا"۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ، ص ۳۲۹)